اُردو میں مغربی تنقید کے ماخذ: "POETICS" کے منتخب اردو تراجم کا تقابلی مطالعہ

مقالہ برائے پی ایچ ڈی (اُردو)

مقالہ نگار

شکیل احمد خان

فیکلٹی آف لینگویجز

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

اکتوبر ۲۰۲۲ء

اُردو میں مغربی تنقید کے ماخذ: "POETICS" کے منتخب اردو تراجم کا تقابلی مطالعہ

مقالہ برائے پی ایچ ڈی (اُردو)

مقالہ نگار

شکیل احمد خان

فیکلٹی آف لینگویجز

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

اکتوبر ۲۰۲۲ء

مقالے کا دفاع اور منظوری کا فارم

زیر دستخطی تصدیق کرتے ہیں کہ انھوں نے مذکورہ مقالہ پڑھنے کے بعد مقالے کے دفاع کو جانچا ہے، وہ مجموعی طور پر امتحانی کارکردگی سے مطمئن ہیں اور فیکلٹی آف لینگویجز کو اس مقالے کی منظوری کی سفارش کرتے ہیں۔

مقالے کا عنوان : اُردو میں مغربی تنقید کے ماخذ: "POETICS" کے منتخب اردو تراجم کا تقابلی مطالعہ

پیش کار : شکیل احمد خان

رجسٹریشن نمبر : NUML-S19-21644

ڈاکٹر آف فلاسفی

شعبہ زبان و ادب اُردو

ڈاکٹر فوزیہ اسلم : _____

نگران مقالہ

ڈاکٹر جمیل اصغر جامی: _____

(ڈین فیکلٹی آف لینگویجز)

میجر جنرل (ر) محمد جعفر: _____

(ریکٹر)

تاریخ: _____

اقرار نامہ

میں ، شکیل احمد خان حلفیہ بیان کرتا ہوں کہ اس مقالے میں پیش کیا گیا کام میرا ذاتی ہے اور نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد کے پی ایچ ڈی سکالر کی حیثیت سے ڈاکٹر فوزیہ اسلم کی نگرانی میں کیا ہے۔ میں نے یہ کام کسی اور یونیورسٹی یا ادارے میں ڈگری کے حصول کے لیے پیش نہیں کیا ہے اور نہ آیندہ کروں گا۔

شکیل احمد خان

مقالہ نگار

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگوئجز، اسلام آباد

۲۰۲۲ء

فہرست ابواب

عنوان	صفحہ نمبر
مقالہ اور دفاع کی منظوری کا فارم	i
اقرار نامہ	ii
فہرست ابواب	iii
Abstract	vi
اظہار تشکر	viii
باب اوّل: موضوع کا تعارف اور بنیادی مباحث	۱
الف۔ تمہید	
۱۔ موضوع کا تعارف	۱
۲۔ بیان مسئلہ	۲
۳۔ مقاصدِ تحقیق	۲
۴۔ تحقیقی سوالات	۲
۵۔ نظری دائرہ کار	۳
۶۔ تحقیقی طریقہ کار	۴
۷۔ مجوزہ موضوع پر ما قبل تحقیق	۵
۸۔ تحدید	۶
۸۔ پس منظری مطالعہ	۷
۱۰۔ تحقیق کی اہمیت	۸
ب۔ فن ترجمہ کاری: مفہوم، اقسام، طریق کار، مسائل اور مشکلات	۸
ج۔ تقابلی مطالعہ: مفہوم، اقسام، طریق کار	۲۳
د۔ منتخبہ مترجمین کا تعارف	۳۴

ہ۔ ارسطو کا تعارف اور ذہنی ارتقا ۴۲
و۔ اردو میں مغربی تنقید کے ماخذ: "Poetics" کا تعارف اور موضوعات ۴۹
ز۔ "Poetics" کی اہمیت ۶۳

باب دوم: "Poetics" کے منتخبہ اردو تراجم کا انگریزی متن سے تقابل ۷۲
الف عزیز احمد کا ترجمہ ۷۶
ب۔ ڈاکٹر جمیل جالبی کا ترجمہ ۹۲
ج۔ شمس الرحمن فاروقی کا ترجمہ ۱۱۰
د۔ ڈاکٹر محمد یٰسین کا ترجمہ ۱۲۹
ہ۔ اہم نکات اور حاصل بحث
☆ حوالہ جات ۱۴۰

باب سوم: "Poetics" کے ترجمہ شدہ متون میں اشتراکات ۱۴۶
الف۔ اسلوب کا تقابل ۱۴۶
ب۔ تکنیک کا تقابل ۱۶۰
ج۔ اصطلاحات کا تقابل ۱۸۰
د۔ اہم نکات اور حاصل بحث
☆ حوالہ جات ۱۹۶

باب چہارم: "Poetics" کے ترجمہ شدہ متون میں اختلافات ۱۹۹
الف۔ اسلوب کا تقابل ۱۹۹
ب۔ تکنیک کا تقابل ۲۱۵
ج۔ اصطلاحات کا تقابل ۲۲۱
د۔ اہم نکات اور حاصل بحث

ہ۔ ☆حوالہ جات ۲۴۲

باب پنجم: ماحصل ۲۴۴

الف۔ مجموعی جائزہ ۲۴۴

ب۔ تحقیقی نتائج ۲۶۲

ج۔ سفارشات ۲۶۴

☆کتابیات ۲۶۷

☆ ضمیمہ ۲۷۰

الف۔ اصطلاحات کا گراف / جدول

Abstract

Aristotle's "Poetics" is the first organized, systematic and independent book on literary criticism and aesthetic theory. Before the publication of poetics only four dialogues of plato, tenth part of the "Republic" and two views of Homer on criticism were available, those too have indirect relation with criticism. Aristotle was the first philosopher, who studied Greek art and literature in detail and deducted literary rules. While writing "Poetics" Aristotle coined some terms which are of great value and are still relevant. Having great importance, "Poetics" has been translated in every major language of the world. Several translations of "Poetics" are available in English Language. When Urdu criticism started to evolve, need for "Poetics" translations was also felt. So, Aziz Ahmed, Dr. Jameel Jalibi, Dr. Muhammad Yaseen and Shams-ur-Rehman Farooqi translated it in Urdu. In this research thesis titled "A comparative study of Urdu translations of "Poetics", first some basic concepts related to translation and comparative literature are discussed, "Poetics" translators and Aristotle are also introduced, then "Poetics" with its major concepts is studied. After that English source text are compared with Urdu target texts to find out technique and investigate merits and problems of target texts. Next, target texts are compared from the angle of style, technique and terminology to find similarities among those texts. After that the same process is followed to find out differences among target texts. In concluding part of the thesis Urdu translations are evaluated, in suggestions regarding translation and

comparative studies are given. One of the most important aspects of "Poetics" is its terminology, that has far reaching impact on literature and that is still relevant today. But problem is that one term has several Urdu translations. So, efforts are put to standardize and unify these terms at the end. This study aims in arriving at the best translation of the "Poetics" by standardizing its terms/ terminology.

اظہار تشکر

پی ایچ ڈی میں داخلے کے حصول کے لیے نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد میں آنا میرے لیے اطمینان اور خوش قسمتی کا باعث ثابت ہوا۔ اس یونیورسٹی کا مجموعی نظم و نسق اور شعبۂ اردو کے اساتذہ کی اپنے پیشے سے لگن اور اپنے طلبہ کی پر خلوص رہنمائی فی الحقیقت اس یونیورسٹی کو امتیازی شان عطا کرتی ہے۔ کورس ورک کے دوران ڈاکٹر فوزیہ اسلم، ڈاکٹر ظفر احمد، ڈاکٹر شفیق انجم اور ڈاکٹر عابد سیال جیسے محنتی، قابل اور مشفق اساتذہ سے براہ راست حصول علم اور کسب فیض کا موقع ملا جس سے ادب و تنقید اور تحقیق کے حوالے سے گراں قدر اسرار و رموز سے آگاہی حاصل ہوئی۔ کورس ورک کی تکمیل کے بعد موضوع کے انتخاب کا کٹھن مرحلہ آیا تو ڈاکٹر فوزیہ اسلم صاحبہ کی مشاورت و رہنمائی سے "اردو میں مغربی تنقید کے ماخذ: "Poetics" کے اردو تراجم کا تقابلی مطالعہ" کے موضوع کا انتخاب کیا گیا۔

تحقیق کی راہ سہل ہر گز نہیں، تحقیقی مقالے کی تکمیل کی غرض سے مختلف مراحل سے گزرنا در حقیقت جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔ مواد کا حصول، فکرِ معاش، تنگیِ وقت اور تحقیق کا جان کاہ عمل غالب کے اس شعر کی یاد دلاتا ہے:

حسنِ فروغِ شمعِ سخن دور ہے اسدؔ
پہلے دلِ گداختہ پیدا کرے کوئی

لیکن کام کی لگن، محنت اور صبر و تحمل سے یہ مراحل طے ہوتے جاتے ہیں۔ حصولِ علم کی لگن، تحقیق کا ذوق اور مسلسل ریاضت راہ کی رکاوٹوں کو بھی زادِ راہ سمجھتے ہیں۔ اگر عزم صمیم سے سفر آغاز کیا جائے تو ہزار ہا شجرِ سایہ دار راہ میں مل ہی جاتے ہیں۔ میرے مقالے کی تکمیل میں بھی بہت سے احباب کی معاونت شامل ہے۔ سب سے زیادہ شکریے کی مستحق نگرانِ مقالہ ڈاکٹر فوزیہ اسلم صاحبہ، صدر شعبۂ اردو، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد ہیں جنھوں نے اپنی بے پناہ اور گوناں گوں مصروفیات کے باوجود ہمیشہ اپنے قیمتی وقت اور آرا سے نوازا اور جن کی مدد، رہنمائی اور حوصلہ افزائی ہر لحظہ میرا حوصلہ بڑھانے کا سبب بنی۔ ڈاکٹر عابد سیال صاحب کی شخصیت اور عالمانہ بصیرت نے ہمیشہ میرا حوصلہ بڑھایا۔ ڈاکٹر شفیق انجم صاحب نے تحقیق کے اسرار و رموز سے آگاہی میں ہمیشہ فیاضی کا مظاہرہ کیا۔ میرے عزیز دوست اور ہم جماعت عارف

حسین کا خصوصی طور پر شکریہ ادا کرنا ضروری ہے، جنھوں نے ہمیشہ میرا ساتھ دیا اور مقالے کی کمپوزکاری میں میری معاونت کی۔

خدائے واحد ولم یزل ان تمام احباب کا حامی و ناصر ہو اور انھیں اپنی نعمتوں اور رحمتوں سے نوازتا رہے۔ آمین۔

شکیل احمد خان

اسکالر پی ایچ ڈی (اردو)

باب: اوّل

موضوع کا تعارف اور بنیادی مباحث

الف۔ تمہید

ا۔ موضوع کا تعارف

ارسطو کی کتاب "Poetics" ادبی تنقید کی پہلی کتاب ہے۔ اس کتاب سے یورپ میں تنقید کی روایت کا آغاز ہوا۔ ارسطو سے پہلے اس کے استاد افلاطون نے شاعری کو غیر ضروری اور فالتو چیز قرار دے کر اپنی مثالی ریاست سے باہر کر دیا تھا۔ ارسطو نے "Poetics" میں افلاطون کا نام لیے بغیر اس کے اعتراضات کا جواب دیا۔ ارسطو کا طریقہ کار مدلل، منطقی اور سائنسی ہے۔ اس نے "Poetics" کی تحریر کے دوران ایک طرف تو افلاطون کے اعتراضات کو پیش نظر رکھا اور دوسری طرف یونان کے سارے ادب کا تجزیاتی مطالعہ کر کے تنقیدی اُصول اخذ کیے۔ اس کتاب نے شعر و ادب پر گہرے اثرات مرتب کیے۔ اس کے مباحث اور اصطلاحات کی ہر دور میں تشریحات کی جاتی رہیں اور آج بھی اس پر مباحث کا سلسلہ جاری ہے۔

ارسطو نے تنقیدِ ادب کے لیے ایسے مباحث کا آغاز کیا اور ایسی اصطلاحات وضع کیں جن کی اہمیت ہر دور میں ادب فہمی کے لیے ضروری سمجھی جاتی رہی ہے۔ اُردو زبان میں "Poetics" کے بہت سے تراجم اور تشریحات موجود ہیں۔ عزیز احمد، ڈاکٹر جمیل جالبی، شمس الرحمٰن فاروقی اور ڈاکٹر محمد یٰسین نے اس کے اُردو میں تراجم کیے اور اصطلاحات کی وضاحت کی۔ مجوزہ تحقیق مذکورہ چار مترجمین کے "Poetics" کے تراجم کے تقابلی مطالعے پر مشتمل ہے۔ تحقیق کا پہلا حصّہ اُردو تراجم کے انگریزی ماخذ متن سے تقابل پر مبنی ہے جب کہ دوسرے حصے میں اردو تراجم کا تقابلی مطالعہ کر کے ان تراجم میں پائے جانے والے اشتراکات و اختلافات کی نشاندہی کی گئی ہے۔ مترجمین نے ارسطو کی وضع کردہ اصطلاحات کا ترجمہ بھی اپنے اپنے انداز میں کیا ہے۔ ایک اصطلاح کے مختلف تراجم موجود ہیں۔ لہٰذا مجوزہ تحقیق میں اصطلاحات کے تراجم کا تقابل کر کے موزوں ترین اصطلاح کا تعین کیا گیا ہے اور اصطلاحات کی معیار بندی بھی کی گئی ہے۔

۲۔ بیان مسئلہ

ارسطو کی "Poetics" تنقید کی پہلی کتاب ہونے کی وجہ سے ادب و تنقید میں بنیادی اہمیت رکھتی ہے۔ صدیاں گزر جانے کے باوجود اس کی اہمیت اور افادیت میں کمی نہیں آئی اور اس کتاب میں بیان کیے گئے نکات اور اصطلاحات پر بحث و مباحثے اور تشریح و تعبیر کا سلسلہ جاری ہے۔ اُردو زبان میں "Poetics" کے تراجم بھی ہوئے اور اس کی اہمیت اور اولیت پر بھی لکھا گیا۔

ضرورت تھی کہ "Poetics" کے مختلف تراجم کا تقابل کر کے اُن کے اشتراکات و اختلافات کا جائزہ لیا جائے نیز اُردو ترجمے کا انگریزی ماخذ متن سے تقابل کر کے یہ دیکھا جائے کہ مترجمین نے دوران ترجمہ، ترجمے کے کس تصور یا نظریے کو پیش نظر رکھا اور وہ ارسطو کے افکار کو کس حد تک اردو زبان میں منتقل کرنے میں کامیاب ہوئے۔ ارسطو کی وضع کردہ اصطلاحات بھی اہمیت کی حامل ہیں اور آج بھی ادب و تنقید کی دنیا میں مستعمل ہیں۔ "Poetics" کے مترجمین نے ان اصطلاحات کا ترجمہ اپنے اپنے انداز اور اسلوب میں کیا ہے جس کی وجہ سے اصطلاحات کے ترجمے کے معاملے میں انتشار پیدا ہوا ہے۔ ان اصطلاحات کے اُردو ترجمے کا بھی تقابلی جائزہ لے کر موزوں ترین اصطلاح کا تعین کیا گیا ہے۔

۳۔ مقاصدِ تحقیق

اس تحقیق کے دوران میں درج ذیل مقاصد مد نظر رکھے گئے:-

۱۔ فن ترجمہ کاری کے معروف دبستانوں (لفظ بہ لفظ، محاوراتی یا ماورائے لفظ اور آزاد یا مفہومی ترجمہ) کی تکنیکوں کی روشنی میں "Poetics" کے اردو تراجم کا انگریزی متن سے تقابل کرنا۔

۲۔ ایک ہی ماخذ متن (Source Text) کے مختلف تراجم کے جواز کا جائزہ لینا۔

۳۔ "Poetics" کے منتخبہ اردو تراجم میں اسلوب، تکنیک اور اصطلاحات کے تقابل سے اشتراکات و اختلافات کی نشاندہی اور تجزیہ کرنا۔

۴۔ تحقیقی سوالات

اس تحقیق کے دوران میں درج ذیل تحقیقی سوال مدِ نظر رکھے گئے:-

۱۔ تنقیدی متن کے انگریزی زبان سے اردو ترجمے کے عمل میں پیش آنے والے مسائل اور مشکلات کیا ہیں؟

۲۔ فن ترجمہ کاری کے معروف دبستانوں (لفظ بہ لفظ، محاوراتی یا ماورائے لفظ اور آزاد یا مفہومی ترجمہ) کی تکنیکوں کی روشنی میں "Poetics" کے منتخبہ مترجمین ماخذ متن (Source Text) کو ہدفی متن (Target Text) میں کس حد تک کامیابی سے منتقل کر سکے ہیں؟

۳۔ تنقیدی افکار کے ضمن میں "Poetics" کی اہمیت کے پیش نظر ایک ہی ماخذ متن (Source Text) کے مختلف تراجم کا کیا جواز ہے؟

۴۔ "Poetics" کے منتخبہ اردو تراجم کے مابین اشتراکات اور افتراقات کی نوعیت کیا ہے نیز ان تراجم کا معیار کیا ہے؟

۵۔ نظری دائرہ کار

زیر نظر تحقیق کا مجوزہ موضوع ارسطو کی معروف تنقیدی کتاب "Poetics" کے منتخبہ اردو تراجم کا تقابلی مطالعہ ہے۔ اس مطالعے کے دو زاویے ہیں پہلی سطح پر "Poetics" کے منتخبہ اردو تراجم کا انگریزی متن سے تقابل کیا گیا ہے جبکہ دوسری سطح پر مذکورہ اردو تراجم کے مابین تقابل کر کے ان کی معیار بندی کی گئی ہے۔

☆ ترجمہ اصل متن پر مبنی اور منحصر ہونے کے باوجود ایک ایسا پیچیدہ تحقیقی اور تخلیقی عمل ہے جو اپنا انفرادی وجود رکھتا ہے۔ لہذا اس تقابلی جائزے کے پہلے حصے یعنی "Poetics" کے منتخبہ اردو تراجم کے انگریزی متن سے تقابل سے قبل یہ طے کیا گیا کہ تنقیدی متن کے انگریزی زبان سے اردو ترجمے کے عمل میں پیش آنے والے مسائل اور مشکلات کیا ہیں اور ان پر کیسے قابو پایا جا سکتا ہے پھر فن ترجمہ کاری کے معروف دبستانوں (لفظ بہ لفظ، محاوراتی یا ماورائے لفظ اور آزاد یا مفہومی ترجمہ) کی تکنیکوں کی روشنی میں اس سوال کو سامنے رکھا گیا کہ "Poetics" کے منتخبہ مترجمین ماخذ متن (Source Text) کو ہدفی متن (Target Text) میں کس حد تک کامیابی سے منتقل کر سکے ہیں؟ مذکورہ دونوں سوالات کے جوابات کی کھوج کی غرض سے ترجمے کے فن کے حوالے سے دستیاب اردو، انگریزی کتب اور مقالہ جات کا مطالعہ کیا گیا تاکہ ترجمے کی اقسام، تکنیکوں، طریقے اور ادبی و تنقیدی ترجمے کی راہ میں حائل مشکلات سے آگاہی

حاصل ہو۔اس ضمن میں جیرمی منڈے کی کتاب :Introducing Translation Studies" Theories & Application" کو بطور خاص مدِ نظر رکھا گیا۔ اس کے ساتھ ساتھ انٹرنیٹ پر موجود مواد کو بھی بنیاد بنایا گیا۔اس حوالے سے فن ترجمہ کاری کی بنیادی کتب کی نشاندہی مجوزہ کتابیات میں کر دی گئی ہے۔

☆ ترجمے کے بنیادی واصولی مباحث کے تعین کے بعد تقابلی مطالعہ کیا گیا۔ تقابلی مطالعہ جسے انگریزی میں Comparative Studies کہا جاتا ہے دو یا دو سے زائد اشیاء / علوم میں مشترک خصوصیات اور اختلافات کو سامنے لا کر ان کا تجزیہ کرنا اور معیار کا تعین کرنا کہلاتا ہے۔

تقابلی مطالعہ ایک مسلسل عمل کا نام ہے اور ایک عمل ہونے کے ناطے اس کے کچھ نہ کچھ تقاضے ہیں:

دو یا دو سے زائد اشیا کا ہونا / اشتراکات / افتراقات / تعین قدر

سب سے پہلے دو چیزوں کا حصول ضروری تھا جو ایک ہی صنف سے تعلق رکھتی ہوں۔ اگلے مرحلے پر ان میں موجود مشترک معلومات کا پتا لگایا گیا۔ اگر ان میں کچھ مختلف تھا یا کسی نوع کا اختلاف پایا جاتا ہے تو اس پر بات کی گئی اور نتیجے کے طور پر دونوں چیزوں کے معیار کا تعین کیا گیا۔

مجوزہ تحقیق میں تقابل کے لیے (تعین قدر) Normative /Rhetorical اور (بیانیہ تقابل) Descriptive/logical تقابل کی تکنیک کو استعمال کیا گیا اور "Poetics" کے منتخبہ اردو تراجم کا فکری ،اسلوبیاتی، تکنیکی اور اصطلاحاتی حوالے سے تقابل کیا گیا، اشتراکات اور افتراقات واضح کرنے کے بعد تعین قدر اخذ کی گئی۔اس ضمن میں بنیادی ماخذ برطانیہ کی وارک یونیورسٹی کی پروفیسر سوسن بیسینٹ کی انگریزی کتاب کے اردو ترجمے "تقابلی ادب: ایک تنقیدی جائزہ" کو مد نظر رکھنے کے ساتھ ساتھ انگریزی میں دستیاب کتب اور انٹرنیٹ پر موجود مواد سے حسب ضرورت استفادہ کیا گیا جن کی تفصیل مجوزہ کتابیات میں درج ہے۔

۶۔ تحقیقی طریقہ کار

تحقیق کا موضوع ارسطو کی معروف تنقیدی کتاب "Poetics " کے منتخبہ اردو تراجم کا تقابلی مطالعہ ہے۔اس مطالعے کے دو زاویے ہیں پہلی سطح پر "Poetics" کے منتخبہ اردو تراجم کا انگریزی متن سے تقابل کیا گیا جبکہ دوسری سطح پر مذکورہ اردو تراجم کے مابین تقابل کر کے ان کی معیار بندی کی گئی۔ لہذا اس تحقیقی و

تقابلی جائزے کے لیے تاریخی و دستاویزی طریقہ تحقیق اختیار کیا گیا۔ "Poetics" یونانی زبان میں تحریر کی گئی تاہم اپنی اہمیت کی بنا پر دنیا کی تمام زبانوں بالخصوص انگریزی زبان میں بارہا ترجمہ کی گئی نیز فقط انگریزی زبان میں اس کے تراجم کی پوری روایت موجود ہے۔ چونکہ "Poetics" مغرب کے فلسفے اور تنقید کی روایت میں سنگ میل کی حیثیت کی حامل ہے جس کا دنیا کی تقریباً تمام زبانوں میں ترجمہ کیا جا چکا ہے اس لیے انٹرنیٹ پر دستیاب مواد اور مختلف ویب سائٹس کے ذریعے سے حاصل شدہ معلومات کو بھی تحقیق میں شامل کیا گیا۔ بنیادی مآخذ کے علاوہ ثانوی مآخذ، کہ جن میں سے کچھ کی فہرست آگے دی گئی ہے، سے بھی استفادہ کیا گیا۔ ان میں سے جو کتب پاکستان میں دستیاب ہیں ان کو حاصل کیا گیا بصورتِ دیگر ان کی سافٹ کاپیوں پر انحصار کیا گیا جو انٹرنیٹ پر دستیاب ہیں۔ اس کے علاوہ حصول کتب کے لیے سرکاری اور جامعاتی کتب خانوں کے ساتھ ساتھ نجی کتب خانوں تک رسائی کی کوشش کی گئی۔ ادب میں عام طور پر Rhetorical اور logical تقابل کی تکنیک کو استعمال کیا جاتا ہے۔ اس مقالے میں بھی تقابل کی انھی تکنیکوں کو مدنظر رکھا گیا اور Text to Text تکنیک کے تحت متون کا تقابل کیا گیا۔ منتخب مترجمین کے تراجم کا انگریزی متن کے ساتھ اشتراکات و افتراقات کی بنیاد پر بھی تقابل کیا گیا۔ یہ تقابل فکری و فنی ہر دو سطحوں پر کیا کیا گیا۔ ضرورت پڑنے پر دیگر طریقہ ہائے تحقیق سے بھی استفادہ کیا گیا۔

۷۔ مجوزہ موضوع پر ماقبل تحقیق

"Poetics" دنیائے تنقید کی سب سے زیادہ زیرِ بحث آنے والی کتابوں میں سے ایک ہے بلکہ یوں کہا جائے تو زیادہ مناسب ہو گا کہ "Poetics" تنقید کی سب سے زیادہ زیرِ بحث آنے والی کتاب ہے۔ الہامی کتب اور شیکسپیئر کی تخلیقات کے بعد جس کتاب کے افکار و تصورات پر سب سے زیادہ بحث کی گئی جس کی بہت سی شرحیں لکھی گئیں اور جس کتاب کو بہت اہمیت ملی وہ ارسطو کی "Poetics" ہی ہے۔ اسی وجہ سے اس کتاب نے شعر و ادب اور تنقید کی دنیا پر بہت گہرے اور دور رس اثرات مرتب کیے۔

"Poetics" کی اسی اہمیت کے پیش نظر اُردو زبان میں بھی اس کی اہمیت پر بہت لکھا گیا۔ ڈاکٹر سید عبداللہ نے اپنی کتاب "اشاراتِ تنقید" میں بوطیقا کے بنیادی تصورات کو زیرِ بحث لانے کے ساتھ ساتھ ارسطو کی فکر کا تنقیدی جائزہ بھی لیا ہے۔ طلبہ کے لیے لکھی گئی اس بنیادی نوعیت کی کتاب میں سید عبداللہ نے ارسطو کے تنقیدی تصورات کو سادہ اور عام فہم انداز میں پیش کیا ہے۔ ڈاکٹر عبادت بریلوی نے اپنی کتاب "اُردو تنقید کا

ارتقا" کے پہلے باب "مغربی تنقید" میں بوطیقا کی اہمیت اور اولیت واضح کی ہے اور اس بات کی وضاحت کی ہے کہ ارسطو پہلا شخص ہے جس نے تنقید کی طرف باقاعدگی سے توجہ دی اور اس موضوع پر ایک مستقل کتاب تصنیف کی۔

سید عابد علی عابد نے "اُصول انتقاد ادبیات" میں ارسطو کے افکار کا اجمالی جائزہ لیا ہے اور ارسطو کی اہم ترین اصطلاحات مثلاً نقل، ٹریجڈی، کامیڈی اور حماسہ پر بات کی ہے۔ سجاد باقر رضوی نے "مغرب کے تنقیدی اُصول" میں ارسطو سے لے کر ایلیٹ تک مغربی ناقدین کی تنقیدی آرا کا جائزہ لیا ہے۔ اُنھوں نے ارسطو کے تنقیدی افکار اور اصطلاحات پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ محمد ہادی حسین نے اپنی کتاب "مغربی شعریات" کے پہلے باب میں ارسطو کا ذکر کرتے ہوئے اُس کی اہمیت اور مرتبے پر بات کی ہے۔ ہادی حسین نے ارسطو کی اصطلاحات اور مباحث کو نہیں چھیڑا۔

اس ضمن میں سندی حوالے سے بھی کام ہوا ہے۔ شمیم اطہر نے "یونانی شعریات کا اثر اُردو تنقید پر" کے عنوان سے بھارت سے پی ایچ ڈی کا مقالہ تحریر کیا ہے جبکہ عہدِ حاضر کے معروف نقاد ناصر عباس نیئر نے "اُردو تنقید پر مغربی تنقید کے اثرات کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ" کے عنوان سے پی ایچ ڈی کا مقالہ لکھا ہے جس میں اُردو تنقید پر ارسطو کی فکر کے اثرات کا جائزہ لینے کے ساتھ ساتھ اُس کی اہمیت اور فلسفے کو بھی زیر بحث لایا ہے۔ تاہم "Poetics" کے اُردو تراجم کے تقابل اور ان تراجم کے انگریزی وسیلہ متن (Source Text) سے تقابل پر تاحال کوئی کام نہیں ہوا۔

۸۔ تحدید

مجوزہ تحقیق ارسطو کی کتاب "Poetics" کے اُردو تراجم کے تقابلی مطالعے پر مشتمل ہے اس کے ساتھ ساتھ ان تراجم کا انگریزی وسیلہ متن (Source Text) سے تقابل بھی کیا گیا، اس ضمن میں تھامس ٹوائننگ کی کتاب Aristotle's Poetics کو ماخذ متن کے طور پر منتخب کیا گیا ہے کیونکہ Poetics کے تمام مترجمین نے دوران ترجمہ اس کتاب سے استفادہ کیا ہے۔ تقابلی مطالعے کے لیے منتخب کی گئی کتب میں جمیل جالبی کا ترجمہ "بوطیقا"، شمس الرحمن فاروقی کا ترجمہ "شعریات" عزیز احمد کا ترجمہ "فن شاعری" اور ڈاکٹر محمد یٰسین کا ترجمہ "کتاب الشعر" کا ترجمہ شامل ہے۔ تحقیق کی لیے "Poetics" کے صرف انہی تراجم کا انتخاب

کی گیا ہے جن میں اس کتاب کا ترجمہ کیا گیا ہے، "Poetics" کے خلاصے، تشریحات یا تنقیدی جائزے اس مقالے کا حصہ نہیں۔

۹۔ پس منظری مطالعہ

پس منظری مطالعے کے طور پر اُردو تنقید، تنقیدی اصطلاحات پر لکھی گئی کتب، اُردو تنقید پر مغربی تنقید کے اثرات کے حوالے سے لکھی گئی کتب مقالات اور مضامین کو پیش نظر رکھا گیا۔ اس کے علاوہ ارسطو کے فکر و فلسفہ اور خاص طور پر "Poetics" کے حوالے سے لکھی گئی کتب مضامین، تبصروں اور تجزیوں کو بھی شاملِ تحقیق کیا گیا ہے۔

یہ مقالہ چونکہ تراجم کے تقابلی مطالعہ پر مشتمل ہے اس لیے دوران تحقیق علم ترجمہ کی کتب، مقالات اور ترجمہ شدہ کتب کے دیباچوں کہ جن میں مترجمین ترجمے کے حوالے سے اپنا نقطہ نظر اور طریقہ کار بیان کرتے ہیں کو مدِ نظر رکھا گیا ہے۔ فی زمانہ ترجمے نے محض ایک سرگرمی سے بڑھ کر ایک باقاعدہ علمی مضمون کی حیثیت اختیار کر لی ہے، جس کو علمی دنیا میں علم ترجمہ (Translation Studies) کے نام سے جانا جاتا ہے۔ انگریزی زبان میں علم ترجمہ کے بنیادی اُصولوں، نظریات، تحقیقی طریقہ کار اور تراجم کی اقسام پر بہت سی کتب تحریر کی جا چکی ہیں، جن کو دوران تحقیق مدِ نظر رکھا گیا ہے۔

اس کے علاوہ تقابلی ادب کے حوالے سے اہم کتب، مضامین اور تحقیقی مقالات کو بھی شامل تحقیق کیا گیا ہے۔

۱۰۔ تحقیق کی اہمیت

"Poetics" میں ارسطو نے پہلی مرتبہ تنقیدی افکار و تصورات کو منظم و مربوط انداز میں پیش کیا اور ادب کی تفہیم کے لیے اصطلاحات بھی وضع کیں۔ یوں وہ دنیائے ادب کا پہلا نقاد قرار پایا۔ ارسطو کے تنقیدی افکار اور اصطلاحات پر لکھنے کا سلسلہ صدیوں سے جاری ہے۔ اُردو میں بھی "Poetics" کے تصورات و اصطلاحات پر کثرت سے لکھا گیا اور بعض اصطلاحات تو زبان زدِ خاص و عام ہیں۔ اُردو کے نامور مترجمین نے "Poetics" کے تراجم کیے لیکن ان تراجم کا تقابلی مطالعہ کر کے ان کے اشتراکات و اختلافات کی نشاندہی ابھی تک نہیں کی گئی اور نہ ہی "Poetics" کی اصطلاحات کے ترجمے کو تقابلی انداز میں پرکھا گیا۔ ضرورت تھی کہ دنیائے ادب کے پہلے نقاد کے اُردو تراجم کا تقابلی مطالعہ کیا جائے اور ان کے محاسن اور معائب کو دیکھا جائے۔

اصطلاحات کے تراجم کے انتشار کو دور کیا جائے اور موزوں ترین اصطلاحات اور ترجمے کا تعین کیا جائے۔ یہ مقالہ اسی سلسلے کی ایک کاوش ہے۔

ب۔ بنیادی مباحث

فن ترجمہ کاری : مفہوم

علمی ترقیوں، تہذیبی تنوع، لسانی اختلافات، مذہبی متون کی تفہیم، ادب کے دامن میں وسعت کی لگن، ذوق تحقیق اور تقابلی مطالعات نے ترجمے کی ضرورت، اہمیت اور افادیت کا احساس دلایا۔ تحقیق اور جستجو کی جبلت روزِ اوّل سے انسانی سرشت کا خاصا رہی ہے۔ جاننے کی خواہش نے انسان کو راہِ علم پر گامزن رہنے پر مائل رکھا۔ یہ راہ سہل ہرگز نہیں تھی، اس میں صدہا مشکلات اور ہزارہا رکاوٹیں حائل رہی ہیں لیکن انسان کا کمال یہی رہا کہ اس نے ان تمام مشکلات اور رکاوٹوں کو نہ صرف برداشت کیا بلکہ انھیں اس سفر میں زادِ راہ تصور کیا۔ حصولِ علم کی راہ میں حائل رکاوٹوں اور دشواریوں میں سے ایک رکاوٹ زبان بھی ہے۔ زبانِ غیر میں حصولِ علم کے دو ہی طریقے ہیں ایک تو یہ کہ ہم وہ زبان سیکھ کر براہ راست اس میں علم حاصل کریں اور دوسرا یہ کہ ہم اس زبان میں تحریر ہونے والی کتب کا ترجمہ پڑھیں۔ پہلا طریقہ نہ صرف بہت کٹھن بلکہ ناممکن ہے۔ دنیا میں ہزاروں زبانیں بولی اور لکھی جاتی ہیں اور ان تمام زبانوں میں علمی سرمائے کی کمی نہیں۔ انسان اپنی زندگی میں ساری زبانیں نہیں سیکھ سکتا۔ بہت محنت اور کوشش سے عام طور پر لوگ ایک یا دو غیر ملکی زبانیں ہی سیکھ سکتے ہیں اور کامل دسترس تو شاید ایک غیر ملکی زبان پر بھی مشکل سے ہی حاصل ہو سکتی ہے۔ محض چند افراد ایسے ہوتے ہیں جو چند زبانوں پر عبور حاصل کر پاتے ہیں۔ دنیا میں زیادہ تر پڑھے لکھے افراد ذولسانی ہی ہیں۔

ایسے میں حصولِ علم کے لیے ترجمے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے اور ترجمہ ہی وہ واحد عنصر ہے جو ہمیں مختلف زبانوں کے علمی سرمائے سے متعارف کراتا ہے۔ انسان کی علمی و فکری تاریخ اس امر کا ثبوت ہے کہ ترجمے نے انسان کو دوسری زبانوں کے علمی و فکری سرمائے تک رسائی دی۔

یوں معلوم ہوتا ہے کہ ترجمہ اور زبانیں ہم عمر ہیں اور اس سرگرمی کی قدامت کا اندازہ زبانوں کی عمر سے لگایا جاسکتا ہے. ترجمے کے بغیر ہمہ گیر اور ہمہ جہت علمی، لسانی، سماجی ترقی محال ہے۔ ترجمے کی اِسی ضرورت اور اہمیت کے پیشِ نظر ترجمے کے عمل اور فن پر غور و فکر کا سلسلہ صدیوں سے جاری ہے۔ ترجمے پر سب سے

پہلے جس شخص کے خیالات ملتے ہیں وہ سیسرو(Cecero) (پہلی صدی قبل مسیح) ہے۔ سیسرو نے یونانی خطبا کی تقاریر یونانی زبان سے لاطینی زبان میں ترجمہ کیں اور اس نے اپنے ترجمے کے تصور میں لفظی اور مفہومی ترجمے کی بات کی اور مفہومی ترجمے کی حکمتِ عملی کو نہ صرف اپنایا بلکہ اس کی اہمیت بھی اُجاگر کی۔

سیسرو کے بعد ترجمے پر لکھنے والوں میں ہوریس کا نام بہت نمایاں ہے۔ فنِ شاعری (Ars Poetica) میں اس نے اپنے بہت مختصر مگر مؤثر و معروف اقتباس میں ترجمے میں جمالیاتی حسن اور زبان کے تخلیقی استعمال پر زور دیا۔ ہوریس کے نقطہ نظر کے اثرات صدیوں تک ترجمے کے مباحث اور سرگرمی پر محسوس کیے گئے۔ سینٹ جیروم(St. Jerome) نے سیسرو کے ترجمے کے تصور اور نقطۂ نظر کو مشعل راہ بنا کر "عہد نامۂ عتیق" کا یونانی زبان میں ترجمہ کیا۔

اردو ایک جدید زبان ہونے کے باوصف ارتقائی مراحل سے گزر رہی ہے۔ اس جدید مگر ترقی پذیر زبان نے گزشتہ صدیوں کے دوران ترقی کی منازل تیزی سے طے کی ہیں اور فی زمانہ اردو علم و ادب کی زبان بن چکی ہے، جس کا بیش قیمت علمی و ادبی سرمایہ ی اہلِ اردو کے لیے باعث طمانیت ہے۔ اردو زبان کے ارتقا میں تراجم نے بنیادی کردار ادا کیا ہے۔ ابتداً سنسکرت، فارسی اور عربی زبانوں سے اردو میں تراجم ہوئے، جن کی بدولت اردو زبان و ادب کے دامن میں وہ وسعت پیدا ہوئی۔ انگریزوں کی آمد اور نو آبادیاتی دور کے آغاز کے بعد انگریزی زبان سے اردو میں تراجم کا آغاز ہوا۔ اردو زبان کی ترجمے کی روایت بہت قدیم بھی ہے اور توانا بھی۔۔ ترجمے کا عمل اداروں کی سطح پر اور منظم صورت میں بھی دکھائی دیتا ہے اور انفرادی سطح پر بھی شاندار تراجم ہوئے۔ لیکن اردو زبان میں ترجمے پر غور و فکر اور اس کی مختلف جہات پر فکر کا عمل زیادہ پرانا نہیں۔ اردو زبان میں ترجمے پر لکھنے کا آغاز بیسویں صدی کے دوسرے وسط میں ہوا۔ اردو زبان میں ترجمے کے عمل اور سرگرمی پر ابتدائی طور پر مضامین لکھے گئے اور بعض مترجمین نے اپنے تراجم کے دیباچوں میں بھی ترجمے کے عمل، سرگرمی اور اپنے نقطہ نظر پر مختصراً اظہارِ خیال کیا۔ لیکن اس شعبے پر باقاعدہ کتب تالیف کرنے کا سلسلہ ۱۹۸۰ء کے عشرے میں شروع ہوا۔ اس ضمن میں اعجاز راہی کی تالیف "اردو زبان میں ترجمے کے مسائل" ہے۔ یہ کتاب مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد سے ۱۹۸۴ء میں شائع ہوئی۔ یہ کتاب ان مضامین پر مشتمل ہے جو مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد میں منعقد ہونے والے ایک سیمینار میں پڑھے گئے۔ اس کے بعد اس موضوع پر کتب شائع ہونے کا سلسلہ وقفے وقفے سے جاری رہا۔ لیکن حقیقت میں اس شعبہ علم میں ابھی اردو زبان کا دامن

وسیع نہیں ہے۔ ایک طرف تو شائع ہونے والی کتب اور مقالات کی تعداد ناکامی ہے اور دوسری طرف ان کے مندرجات بنیادی اور سطحی مباحث میں ہی مقید ہیں۔

اردو زبان میں لکھی گئی کتب اور مضامین میں ترجمے کے مفہوم کے حوالے سے پائی جانے والی آرا کچھ یوں ہیں:

> "کسی تحریر، تصنیف یا تالیف کو دوسری زبان میں منتقل کرنے کا عمل ترجمہ کہلاتا ہے۔ یوں کہا جا سکتا ہے کہ ترجمہ کسی متن کو دوسری زبان میں منتقل کرتے ہوئے اس کی تعبیر کرتا ہے، یعنی ترجمے کا عمل ایک علمی یا ادبی پیکر کو دوسرے پیکر میں ڈھالنے کا عمل ہے"۔ (۱)

☆ "ایک برتن سے دوسرے برتن میں انڈیلنا۔ ایک پرانی شراب کو نئی بوتل فراہم کرنا"۔ (۱)

☆ "ترجمہ جذبات، احساسات اور تجربات کو ایک زبان سے دوسری زبان میں منتقل کرنے کا عمل ہے"۔ (۲)

☆ "ترجمہ نہایت ہی پیچیدہ تخلیقی عمل ہے"۔ (۳)

انگریزی زبان میں ترجمے کا مترادف (Translation) ہے، جس کے معنی

"The process of changing something that is written or spoken into another language". (4)

Translation کا اردو مطلب پار لے جانا ہے۔ ترجمے کا عام فہم اور سہل مفہوم یہ ہے کہ ایک زبان کے متن کی جگہ دوسری زبان کا متن فراہم کرنا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ترجمے کے مفہوم میں وسعت پیدا ہوتی چلی گئی۔ اب ترجمہ تین معنوں میں استعمال ہوتا ہے، اس کا ایک مطلب ترجمے کا عمل ہے، جسے عام طور پر ترجمہ کاری (Translating) کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس کا دوسرا مفہوم ترجمہ شدہ متن (Translated text) ہے اور اس کا تیسرا مفہوم ترجمہ بحیثیت شعبہ علم (Translation Studies) ہے۔ ترجمے کے مفہوم کی تفہیم میں تین عناصر بنیادی اہمیت رکھتے ہیں۔ اصل متن یا بنیادی ماخذ جسے انگریزی میں Source text کہا جاتا ہے، دوسرا ترجمہ شدہ متن جسے ہدفی متن یا Target text کہا جاتا ہے اور تیسرا ترجمہ کرنے والا فرد یا مترجم (Translator) یوں ترجمے میں ماخذ متن ہدفی متن اور مترجم وہ عناصر ثلاثہ ہیں جن کی بدولت یہ سرگرمی وقوع پذیر ہوتی ہے۔

درجہ بالا مفاہیم میں سے فی زمانہ ترجمے کے تیسرے مفہوم یعنی ترجمہ بحیثیت ایک شعبہ علم نے خصوصی حیثیت اور اہمیت اختیار کرلی ہے، ترجمے کا یہ مفہوم ایک شعبے میں ہونے والی جملہ سرگرمیوں اور اس شعبے کی تمام جہات کا احاطہ کرتا ہے۔

ترجمے کی اقسام

فنِ ترجمہ پر مباحث کا سلسلہ صدیوں پر محیط ہونے کے باوجود ترجمے کی اقسام کا تصور زیادہ پرانا نہیں ہے ترجمہ کی اقسام کا تصور بھی اوّل اوّل مغربی ماہرین ترجمہ اور نظریہ سازوں نے ہی پیش کیا۔ سب سے پہلے جرمن عالم، ماہر دینیات اور مترجم شِلئر ماخر نے ۱۸۱۳ء میں "On different methods of translating" کے عنوان سے ایک نہایت موثر اور دور رس نتائج کا حامل مضمون تحریر کیا۔ شلئر ماخر اس مضمون میں سب سے پہلے مترجمین کی دو مختلف اقسام میں فرق واضح کرتا ہے جو تراجم کی دو مختلف جہات پر کام کرتے ہیں:

۱۔ تجارتی متون کا ترجمہ کرنے والے مترجمین جنہیں شِلئر ماخر The Dolmetseher کہتا ہے۔

۲۔ ادبی اور عالمانہ متون کا ترجمہ کرنے والے مترجمین جنہیں The Ubersetzer کہتا ہے۔

شِلئر ماخر ادبی اور عالمانہ متون کا ترجمہ کرنے والے مترجمین کو اہمیت دیتے ہوئے کہتا ہے کہ یہی وہ مترجمین ہیں جو زبان میں ایک نئی روح پھونکتے ہیں۔ شِلئر ماخر نے مترجمین کی درجہ بندی کے ساتھ ساتھ ایسے اور بھی بہت سے کلیدی اہمیت کے حامل تصورات دیے جنھوں نے آنے والے ادوار میں ترجمے کے فن اور نظریے پر گہرے اثرات مرتب کیے۔ شلئر ماخر کے تصورات کو آگے بڑھاتے ہوئے ۱۹۷۰ء کے عشرے میں کیتھرینہ رائس نے متن کی اقسام (Text Typotogy) کا تصور پیش کیا۔

کیتھرینہ رائس نے متن کی چار اقسام اور ان کی خصوصیات کچھ بیان کی ہیں:

۱۔ "حقائق کا سادہ اسلوب میں ابلاغ

اس نوع کا متن علم، معلومات اور آرا پر مشتمل ہوتا ہے۔ معلومات کی فراہمی کے لیے منطقی انداز کی حامل زبان کا سہارا لیا جاتا ہے۔ ایسے مواد کی پیشکش کا مقصد ابلاغ ہوتا اور متن اپنی نوع کے اعتبار سے معلوماتی ہوتا ہے۔

۲۔ تخلیقی متن

ادیب زبان کا جمالیاتی پہلو بروئے کار لاتا ہے۔ اس نوع کے متن کا مصنف اور صنفِ ادب نمایاں ہوتی ہے اور متن تاثراتی انداز کا حامل ہوتا ہے۔

۳۔ ردعمل پر آمادہ کرنے والا متن

متن کی اس نوع کا مقصد قاری کو کوئی خاص کام کرنے کی طرف راغب کرنا ہوتا ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے مکالماتی زبان استعمال کی جاتی ہے۔ ایک خاص طرح کا تاثر پیدا کرنا اصل مقصد ہوتا ہے۔ رائس متن کی اس نوع کو تاثراتی کہتی ہیں۔

۴۔ سمعی بصری ذرائع استعمال کرنے والا متن

اس نوع میں فلمیں، اشتہارات اور مناظر وغیرہ شامل ہیں۔ سمعی بصری ذرائع اور موسیقی کا اضافہ کر کے اس متن کو دیکھنے اور سننے کے لائق بنایا جاتا ہے۔ یہ رائس کی بیان کردہ چوتھی قسم ہے"۔ (۶)

اردو زبان میں فن ترجمہ پر دستیاب کتب میں ترجمے کی تین اقسام بیان کی گئی ہیں :

ڈاکٹر مرزا حامد بیگ نے ترجمے کی درج ذیل تین اقسام بیان کی ہیں۔ جہاں تک ترجمے کی مختلف اقسام کا تعلق ہے۔ ان میں سے حسبِ ذیل بنیادی حیثیت کی حامل ہیں:

۱۔ علمی ترجمہ

۲۔ ادبی ترجمہ

۳۔ صحافتی ترجمہ (۷)

پروفیسر ظہور الدین نے ترجمے کی اقسام پر بحث کرتے ہوئے بتایا ہے کہ: "دنیائے ادب میں اب تک ترجمے کا جتنا بھی کام ہوا ہے ہم اسے مجموعی اعتبار سے دو بڑے زمروں میں رکھ سکتے ہیں:

۱۔ موضوعاتی

۲۔ ہیئتی یا فنی

موضوعاتی زمرے میں ترجمے کی جو اقسام شمار کی جاسکتی ہیں وہ حسب ذیل ہیں:

۱۔ علمی ترجمہ

۲۔ ادبی ترجمہ

۳۔ صحافتی ترجمہ" (۸)

ڈاکٹر فاخرہ نورین نے اپنی کتاب "ترجمہ کاری" میں ترجمے کی چار اقسام بیان کی ہیں:

۱۔" علمی متن کا ترجمہ

۲۔ ادبی متن کا ترجمہ

۳۔ صحافتی متن کا ترجمہ

۴۔ مذہبی متن کا ترجمہ" (۹)

علمی ترجمہ

سائنسی اور سماجی علوم کا ترجمہ علمی ترجمے کی ذیل میں آتا ہے۔ علم پر کسی فرد ، گروہ یا قوم کا اجارہ نہیں بلکہ یہ تمام بنی نوع انسان کی مشترکہ میراث ہے۔ اس میراث میں اضافہ بھی پوری انسانیت مل کر کرتی ہے۔ زبان حصول علم کی راہ میں اس وقت ایک رکاوٹ بن سکتی ہے۔ جب کسی علم و فن کی کتاب غیر ملکی زبان میں ہو۔ اس رکاوٹ کو دور کرنے اور حصول علم کے عمل کو سہل بنانے کے لیے علمی ترجمے کی ضرورت محسوس کی جاتی ہے۔ اس ترجمے کا بنیادی مقصد معلومات کی ایک زبان سے دوسری زبان میں منتقلی ہوتا ہے۔ ابلاغ اس کی بنیادی خصوصیت قرار دی جاتی ہے۔ اس کے بغیر علمی ترجمے کا مقصد فوت ہو جاتا ہے۔ ایسا ترجمہ صاف، سادہ، رواں دواں، قابل مطالعہ اور قاری کی ذہنی و علمی سطح کے مطابق ہوتا ہے۔ ابہام ادبی تحریر کا حسن مانا جاتا ہے لیکن یہی ابہام علمی ترجمے میں راہ پا جائے تو خوبی کی بجائے ترجمے کا نقص بن کر رہ جاتا ہے۔

علمی ترجمے کے لیے لفظی ترجمے کی تکنیک استعمال کی جاتی ہے۔ مترجم کو زبان و بیان پر قدرت ہونی چاہیے۔ ماخذی زبان (S.T) اور ہدفی زبان (T.T) کا گہرا علم تو لازمی شرط ہے ہی، متعلقہ علم کی اصطلاحات سے بھی آگاہی ضروری ہے۔ ہر شعبہ علم (Discipline) میں ایک اصطلاح کے معنی متعین اور مختص ہوتے ہیں۔ دوران ترجمہ از اوّل تا آخر ایک ہی اصطلاح برقرار رکھی جائے وگرنہ متن کی تفہیم میں دشواری پیدا ہو گی۔ علمی ترجمے کے دوران لغت کا استعمال ضروری ہے۔ موزوں اور مناسب لفظ کا انتخاب علمی ترجمے کی

وقعت میں اضافہ کا باعث بنتا ہے۔ مترجم کو اصطلاح سازی کے قواعد اور لوازمات کا علم بھی ہونا چاہیے کیونکہ دوران ترجمہ بعض اوقات نئی اصطلاح وضع کرنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ علمی ترجمہ متعلقہ شعبۂ علم یا مضمون پر کامل دسترس کے بغیر ناممکن ہے۔ اس لیے دونوں زبانوں کے ساتھ ساتھ متعلقہ مضمون پر بھی مترجم کی دسترس ہونی چاہیے۔

علمی ترجمے کے دوران بعض اوقات مترجم کو کسی ایسے لفظ یا الفاظ سے بھی واسطہ پڑتا ہے جو لغت میں بھی دستیاب نہیں ہوتے۔ ایسے میں مترجم اپنے علم و فہم اور خلاقی کو بہ روئے کار لا کر نو لفظ سازی کر سکتا ہے۔ لیکن اس صلاحیت کے لیے وسیع مطالعہ ، گہری علمی بصیرت اور زبان و لغت کا شعور از حد ضروری ہے۔ اعلیٰ پائے کے مترجمین نے اپنے شاندار تراجم میں اس پہلو پر قابل قدر کام کیا ہے۔

ادبی ترجمہ

ادبی ترجمے کو ترجمے کی سب سے مشکل قسم تصور کیا جاتا ہے اور یہ بات درست ہے کہ جس قدر مسائل دشواریاں نزاکتیں، باریکیاں اور ادبی متن کے ترجمے ای وابستہ ہیں۔ دوسری اقسام میں دکھائی نہیں دیتیں۔ فن ترجمہ کے زیادہ تر مباحث اور نظریہ سازی کا مرکزی نقطہ بھی ادبی متون ہی رہے ہیں اور فی زمانہ ادبی متن کے تراجم کو دیگر اصناف ترجمہ سے زیادہ اہمیت حاصل ہے۔

ادب میں زبان کا استعمال علمی نثر کے برعکس جمالیاتی اور فنکارانہ انداز کا حامل ہوتا ہے۔ لفظ لغوی معنوں کے برعکس تشبیہی، استعاراتی اور علامتی معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ شاعر یا ادیب سب کچھ براہِ راست اور صاف صاف نہیں کہتا، وہ جو کچھ کہتا ہے اس سے کسی درجہ کم یا زیادہ قاری کی فہم پر چھوڑ دیتا ہے۔ ادبی تحریر میں ابلاغ لازمی شرط نہیں۔ اس کے برعکس ابہام (Ambeguity) کو ادبی تحریر کا حسن خیال کیا جاتا ہے۔

ان امور کی وجہ سے ادبی متن کا ترجمہ ایک مشکل ل پیچیدہ اور تخلیقی فن کا درجہ حاصل کر لیتا ہے۔ مترجم کو شاعر اور ادیب کی فکر یا فن پارے کے مرکزی خیال کو تمام تر جمالیاتی حسن کے ساتھ ہدفی زبان میں منتقل کرنا ہوتا ہے۔

ادبی ترجمے کی خوبی کا انحصار اس بات پر ہے کہ جس صنفِ ادب کا ترجمہ مقصود ہو اس کا تخلیق کار ہی کرے۔ یعنی اگر افسانے کا ترجمہ افسانہ نگار اور نظم کا ترجمہ نظم نگار کرے تو بہتر ہو گا۔ ادبی ترجمہ محض ایک

متن کی جگہ دوسری زبان کا متن فراہم کرنا اور محض جمالیاتی حسن برقرار رکھنا ہی نہیں۔ یہ دو تہذیبوں کا باہمی تعامل بھی ہے۔ جس میں ایک تہذیب دوسری تہذیب کی سرحدوں میں داخل ہو کر اس پر نہ صرف اثر انداز ہوتی ہے بلکہ اس سے ایک بامعنی مکالمہ بھی کرتی ہے اور تہذیبی تغیر کی راہ بھی ہموار کرتی ہے۔ اس لیے ادبی مترجم کو ماخذ زبان (S.T) کی تہذیب سے بھی واقفیت ہونی چاہیے، ورنہ ترجمہ ادھورا اور پھیکا ہو گا۔

ادبی ترجمہ زبان کو نئے اسالیب، اصناف و افکار اور لفظیات سے مالا مال کرتا ہے۔ اردو ادب میں تراجم کی بدولت دوسری زبانوں کے ادب کی اصناف، اسالیب اور افکار داخل ہوئے۔ اردو پر ہی کیا موقوف، زبانوں، ادبوں اور تہذیبوں میں باہمی تبادلے اور لین دین کا عمل نہ صرف مسلسل جاری رہتا ہے بلکہ ان کی زندگی اور ترقی کا ضامن بھی ہوتا ہے۔

ہر زبان کا ادب اپنے تشکیلی مراحل میں دوسری زبانوں کے ادب سے اسالیب، اصناف اور نمونے مستعار لیتا ہے۔ یہ سلسلہ اس وقت بھی دیکھنے میں آتا ہے جب ایک زبان کے ادب میں ترقی کی رفتار سست ہو جاتی ہے اور وہ کمزوری اور اور اضمحلال کے دور سے گزر رہا ہوتا ہے۔ ایسے میں وہ ترقی یافتہ زبانوں کے ادب کی طرف رجوع کر کے تخلیقی خلا یا سست روی کا مداوا کرتا ہے۔`

بعض اوقات کسی زبان کا ادب تغیر کے ایسے نازک دور سے گزرتا ہے اور اس کی اپنی اصناف اور نمونے غیر موثر اور ناکافی ہو جاتے ہیں۔ ایسے میں ایک زبان کا ادب دوسری اور ترقی یافتہ زبانوں کے ادب سے اصناف اور نمونے مستعار لے کر مائل بہ ارتقا رہتا ہے۔

ادبی ترجمے کی اسی اہمیت اور افادیت کے باعث ہر زبان اور ہر عہد میں ترجمے کا عمل جاری رہتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ کسی زبان میں یہ عمل کم دکھائی دیتا ہے اور کسی عہد میں اس کی رفتار گھٹ جاتی ہے۔ لیکن یہ سلسلہ ختم نہیں ہوتا۔ ادبی ترجمے کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے بھی بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ ہر زبان کے بڑے بڑے شعرا و ادبا نے تراجم کیے۔ اس ضمن میں اردو اور انگریزی زبان کے نامور شعرا اور ادبا کی طویل فہرست فراہم کی جا سکتی ہے جنھوں نے دوسری زبانوں کے ادب پاروں کے تراجم سے دنیا کو متعارف کرایا اور ان کو نئی زندگی بھی دی۔ بعض ادب پارے تو ایسی آفاقی قدر و قیمت اور حیثیت اختیار کر لیتے ہیں کہ ہر عہد میں ان کا از سرِ نو ترجمہ کرنے کی ضرورت محسوس کی جاتی ہے اور ان کا ترجمہ بار بار کیا بھی جاتا ہے۔ اس حوالے سے ہومر کی "ایلیڈ" اور "اوڈیسی" کو بطور مثال پیش کیا جا سکتا ہے۔

بہر حال ادبی ترجمہ زبان، تہذیب، فکر اور ادب کے فروغ کے لیے تازہ خون کی حیثیت رکھتا ہے۔

صحافتی ترجمہ

تراجم کی انواع میں ایک دلچسپ پہلو یہ ہے کہ صحافتی ترجمے کے قارئین سب سے زیادہ ہوتے ہیں۔ علمی ترجمے کے قارئین صحافتی ترجمے کی نسبت کم اور ادبی ترجمے کے قارئین سب سے کم یعنی آٹے میں نمک کے برابر ہوتے ہیں۔ دوسری طرف ادبی ترجمے کی عمر سب سے طویل علمی ترجمے کی عمر ادبی ترجمے کی نسبت کم اور صحافتی ترجمے کی عمر بہت ہی کم ہوتی ہے۔ بعض صورتوں میں اس کی عمر محض ایک دن ہی ہوتی ہے اور دوسرے دن اخباری عبارت ردی میں چلی جاتی ہے یا محض چند صحافتی اداروں اور لائبریریوں کے آرکائیوز (Archives) میں رکھ دی جاتی ہے۔

صحافتی ترجمے کے مسائل، مشکلات، تقاضے اور ضروریات بھی علمی اور ادبی ترجمے سے مختلف ہیں۔ ابلاغ صحافتی ترجمے کا بنیادی اور اہم تقاضا ہے۔ صحافتی مترجم میں خبر، مضمون، فیچر، پریس ریلیز یا اداریے کا ترجمہ کرنے کی صلاحیت ہونی چاہیے۔ لیکن تیز رفتاری سے کام کرتے ہوئے اسے اصل تحریر کے بنیادی تصور اور مرکزی خیال کو ذہن میں رکھنا ہوتا ہے۔ اس دوران آرائش لفظی، لسانی حسن، عبارت آرائی اور لفاظی سے زیادہ سادہ، سلیس، رواں اور قابلِ مطالعہ زبان لکھنی ہوتی ہے۔ جو قارئین کو بغیر الجھن میں مبتلا کیے سمجھ آجائے۔ صحافتی ترجمے کی اسی خصوصیت کے پیش نظر اسے آزاد ترجمہ یا کھلا ترجمہ بھی کہا جاتا ہے۔

اردو صحافت کے ارتقا کے اوّلین ادوار میں ادیب ہی صحافت کے پیشے سے وابستہ تھے۔ آغا باقر، سر سید احمد خان، مولانا ظفر علی خان، ابوالکلام آزاد اور ایسے سیکڑوں نام گنوائے جاسکتے ہیں جو صحافی ہونے کے ساتھ ساتھ مشاق ادیب، خطیب اور اعلیٰ پائے کے نثر نگار اور شاعر تھے۔ یہ سلسلہ ماضی قریب تک تو چلتا رہا اور صحافت کو کسی حد تک ادب ہی کا ایک ذیلی حصہ تصور کیا جاتا تھا اور صحافتی تحریر میں بھی ادبیت کے کچھ عناصر مل جاتے تھے لیکن علم کی حدوں میں وسعت اور نئے علوم و فنون کے اپنے دائرہ ہائے اثر کے پھیلاؤ اور روایتی علوم سے کنارہ کشی نے جہاں ترقی کے بہت سے در وا کیے وہاں مسائل اور مشکلات کے انبار بھی لگا دیے۔

فی زمانہ صحافت ادب سے الگ ایک منفرد، خود مختار شعبہ علم ہے جسے صحافت، (Journalism) یا ابلاغ عامہ (Mass Communication) کہا جاتا ہے۔ اس شعبے سے متعلق افراد زبان و ادب کا واجبی سا علم ہی رکھتے ہیں۔ اس کی توجہ کا مرکز اس شعبہ علم کے نظری مباحث اور عصر حاضر کی چکاچوند ہی ہوتا ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ صحافت نے جمہوری معاشروں میں اپنے سرگرم اور جاندار کردار کی وجہ سے مُقننہ، عدلیہ اور انتظامیہ کے بعد چوتھے ستون کی حیثیت اختیار کرلی ہے۔

ایسے میں ایک صحافی مترجم کا اس شعبے کی اہمیت کے باوصف زبانوں، تاریخ، جغرافیہ، سیاست، قانون اور معاشیات سے آگاہ ہونا ضروری ہے۔ ایک صحافی کو کسی ایک علم سے وابستہ الفاظ و اصطلاحات ہی واسطہ نہیں پڑتا بلکہ اسے مختلف علوم، علاقوں، تہذیبوں، اقوام، شعبہ ہائے زندگی اور اُمور سے متعلق مواد (Content) کا ترجمہ کرنا ہوتا ہے۔ اسے زبان کی باریکیوں اور خصوصاً اصطلاحات، روزمرہ اور محاورے پر قدرت یا کم از کم ان سے آگاہی ضرور ہونی چاہیے ورنہ نہ صرف خراب غلط اور مبہم ترجمہ ہو گا بلکہ کافی مضحکہ خیز عبارت سامنے آئے گی۔

ہمارے اخبارات اور خبر رساں اداروں نیوز ایجنسیوں میں عام طور پر انگریزی سے اردو میں ترجمہ کیا جاتا ہے۔ اس لیے مترجم کا ذولسانی ہونا شرط ہے۔ مترجم صحافی کو اپنا کام کافی تیزی سے نمٹانے کے لیے مسلسل مشق کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسے لفظ کا درست اور بر محل استعمال، سادہ اور سلیس انداز میں اپنی بات قاری تک پہنچانے کا ہنر آنا چاہیے۔ دوران ترجمہ لغت وفادار دوست کا فریضہ سرانجام دیتی ہے، لغت دیکھنے اور موزوں ترین لفظ کا انتخاب کرنے کی صلاحیت عبارت کو مضحکہ خیز اور بد نما ہونے سے محفوظ رکھتی ہے۔ صحافتی ترجمہ بناؤ سنگھار اور عبارت آرائی کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ نفسِ مضمون کی ادائیگی اور مفہوم کی عمدگی سے ترسیل اس کی نمایاں خصوصیت تصور کی جاتی ہے۔

صحافتی ترجمہ، مفہومی ترجمے کی ذیل میں آتا ہے۔ مفہوم کی ادائیگی اہمیت کے پیشِ نظر اس میں لفظی حسن یا ادبیت کے برعکس مفہوم کی ادائیگی پر ہے زور دیا جاتا ہے اور مترجم ماخذی زبان (S.T) کے مفہوم جس قدر عمدگی سے قاری تک منتقل کرے گا ترجمہ اتنا ہی اچھا سمجھا جائے گا۔

طریقہ کار (ترجمے کے طریقے)

ترجمے کے طریقہ کار پر غور و فکر کا عمل سیسرو کے عہد سے شروع ہوا۔ سرو کے بعد ہوریس اور سینٹ جیروم نے بھی اپنے تراجم کے طریقوں پر مختصر مگر جامع بات کی۔ ابتدائی طور پر مترجمین کے پیشِ نظر

یہ سوال رہا کہ آیا لفظی ترجمہ کیا جائے یا مفہوم کا۔ ابتدائی دور کے مترجمین نے اپنے نقطہ نظر اور طریقہ کار کی وضاحت اپنے تراجم کے دیباچوں یا مختصر تبصروں میں کی۔

ترجمے کے طریقۂ کار کے حوالے سے سے جس شخص نے سب سے پہلے باضابطہ طور پر اپنا نقطہ نظر پیش کیا، وہ انگریزی شاعر، مترجم اور نظریہ ساز جان ڈرائیڈن (John Dryden) ہے۔ ڈرائڈن نے ۱۶۸۰ء میں "Ovid Epistles" کا ترجمہ شائع کیا۔ اس تحریر میں ڈرائیڈن نے تمام تراجم کو تین حصوں میں تقسیم کیا:

۱۔ " Metaphrase : لفظ بہ لفظ یا سطر بہ سطر ترجمہ جس سے مراد لفظی ترجمہ ہے۔

۲۔ Paraphrase: پیرافریز میں مترجم آزادی سے ترجمہ کرتا ہے۔ مترجم ماخذی زبان کے مصنف کی فکر / خیال کی ترسیل تو کرتا ہے لیکن اس کے لفظیات کا خیال نہیں رکھتا۔ اس نوع کے ترجمے میں اصل مصنف کے سارے فقرے بدل دیے جاتے ہیں اور اس سے مراد وفادار یا مفہومی ترجمہ ہے۔

۳۔ Imitation اس نوع کے ترجمے میں مترجم اصل مصنف کے الفاظ اور مفہوم دونوں کو ترک کرتے ہوئے ترجمہ کرتا ہے۔ اس سے مراد آزاد /کھلا ترجمہ ہے اور یہ کم و بیش (Adaptation) کے زمرے میں میں آتا ہے"۔(۱۰)

ڈرائیڈن ۱۶۸۰ء میں ترجمہ کے طریقہ کار پر جو بات کی اس نے آنے والے ادوار میں ترجمے کے نظریے اور عمل دونوں پر بہت گہرے اور دور رس اثرات مرتب کیے۔ اسی لیے ڈرائیڈن کا شمار ان چند علما میں ہوتا ہے جنھوں نے ترجمے کے حوالے سے بنیادی مگر اہم بات کی۔ ڈرائیڈن کا نقطۂ نظر اس قدر جامع اور ہمہ جہت ہے کہ اس کے بعد اس موضوع پر بہت کچھ کہا اور لکھا تو گیا مگر اضافہ بہت کم ہوا۔

اردو زبان میں ترجمے کے نظریات پر ابتدائی نوعیت کا کام ہونا ابھی باقی ہے۔ اردو زبان میں ترجمے کے تصورات و نظریات اور طریقہ ہائے کار پر علمی سطح پر جتنا کام بھی ہوا، وہ مغربی افکار و تصورات سے ہی مستعار ہے۔

مرزا حامد بیگ ترجمے کی تین راہوں (تین طریقوں) کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

اس طرح ترجمے کی تین راہیں ہیں:

۱۔ لفظی ترجمہ ۲۔ آزاد ترجمہ ۳۔ معتدل ترجمہ

درجہ بالا تین اقسام طریقہ ہائے کار گزشتہ صفحات میں زیر بحث آنے والے جان ڈرائیڈن کی تثلیث میٹافریز، پیرافریز اور ایمیٹیشن کا ہی متبادل ہیں۔

اردو زبان میں ترجمے کے مباحث میں ابھی تک لفظی اور معنوی ترجمے کے مباحث ہی اپنا روپ بدل بدل کر ابھرتے دکھائی دیتے ہیں۔

مغرب میں بھی سیسرو سے لے کر عہد حاضر تک ترجمے کے طریقوں پر جتنا مواد بھی دستیاب ہے، وہ معمولی تغیر و تبدل کے ساتھ ڈرائیڈن ہی کے اصولوں کے گرد گھومتا ہے۔

ترجمے کے مباحث کا دائرہ پھیل کر لفظ اور مفہوم کی بحث سے تہذیب کی حدوں میں داخل ہو چکا ہے۔ اب ترجمہ محض ایک زبان کے متن کی جگہ دوسری زبان کے متن کی فراہمی کا میکانکی عمل نہیں بلکہ یہ دو تہذیبوں کے باہمی تفاعل اور تعامل کا نام ہے۔ ترجمے کے جدید طریقہ ہائے کار میں کہیں ماخذ متن کو نمایاں کرنے کی بات کی جاتی ہے تو کہیں مترجم کے عیاب (Invisibility of Translator) کی، کہیں مطابقتی اثر پیدا کرنے کو اہمیت دی جاتی ہے تو کہیں مطابقتی اثر کو ناممکن بتایا جاتا ہے۔ اسی طرح براہ راست ترجمے، بالواسطہ ترجمے، دستاویزی اور آلاتی ترجمے کے مباحث بھی سر اٹھاتے ہیں لیکن اگر ان تمام امور اور طریقہ ہائے کار کا بغور جائزہ لیا جائے تو وہ لفظی ترجمے، آزاد ترجمے اور معنوی ترجمے کی بدلی ہوئی صورتیں ہیں۔

عہد حاضر کے تمام تر مباحث اور موشگافیوں کے باوجود درحقیقت ترجمہ یا تو لفظی ہو گا، یا مفہومی یا آزاد۔ باقی مباحث کا تعلق ترجمے کے ارد گرد پھیلے امور اور ثانوی نوعیت کی باتوں سے ہے۔

مسائل و مشکلات

ترجمے کے نظریے اور عمل سے وابستہ اصحاب نے بجا طور پر اسے ایک مشکل فن قرار دیا ہے۔ ترجمے کی مشکلات و مسائل کی فہرست نہ صرف طویل ہے بلکہ علمی ترقیوں، عصری ضرورتوں اور فکری ارتقا کے نتیجے میں یہ فہرست طویل تر ہوتی رہی ہے۔ ترجمے کی غرض سے منتخب کیا جانے والا ہر نیا متن، مترجم کے لیے نئے سوال اٹھاتا ہے۔ اسے نئے چیلنجز سے دوچار کرتا ہے اور اسے تازہ مسائل، مشکلات اور الجھنوں میں مبتلا کرتا ہے۔ ترجمہ محض میکانکی عمل نہیں کہ متن ایک طرف سے مشین میں ڈالا اور دوسری طرف سے اس کا ترجمہ

بر آمد ہو گیا۔ بلکہ یہ ایک پیچیدہ ذہنی و علمی کام ہے، جس میں کامیابی کے لیے کتنے ہی کٹھن مراحل طے کرنے ہوتے ہیں تب جا کر ایک اچھے ترجمے کی صورت نظر آتی ہے۔ ترجمے کے مسائل و مشکلات میں جہاں نیا ماخذ متن (S.T) نئے مسائل لے کر آتا ہے وہاں نوع (قسم) کے ترجمے کے تقاضے اور اسی نسبت سے اس کے مسائل و مشکلات بھی دوسری انوع سے کسی حد تک مختلف ہوتے ہیں۔

اس مقالے میں توجہ کا مرکز انگریزی سے اردو میں ہونے والے تراجم اور ان کے مسائل و مشکلات سے ہے، اس لیے جہاں بھی علمی، ادبی یا صحافتی ترجمے کے مباحث یا مشکلات کا ذکر ہو گا، اس سے مراد انگریزی زبان سے اردو زبان میں ترجمے کے مسائل ہی لیے جائیں گے۔

جیسا کہ گزشتہ سطور میں بیان کیا گیا ہے کہ ہر نوع / قسم کے ترجمے کے مسائل و مشکلات کسی حد تک ایک دوسرے سے مختلف ہیں، اس خیال کو ذہن میں رکھتے ہوئے ان تینوں اقسام کے ترجمے سے وابستہ مسائل و مشکلات کا جائزہ لیا جاتا ہے۔

علمی ترجمے کا بنیادی نکتہ مفہوم کی ترسیل ہے، اس لیے علمی ترجمے کے مسائل دوسری اقسام کی نسبت کم پیچیدہ ہیں۔ علمی ترجمے کا بنیادی مسئلہ ماخذ متن (S.T) کی مکمل تفہیم ہے۔ جب تک ماخذ متن پر مترجم کو کامل دسترس اور مکمل عبور نہ ہو، معلومات کی ایک زبان سے دوسری زبان میں مکمل ترسیل ممکن نہیں ہوتی۔ ابلاغ علمی ترجمہ کی لازمی شرط ہے۔ ماخذی متن کے مفہوم کی نامکمل منتقلی قاری کے ذہن میں الجھن پیدا کرے گی اور اس سے ترجمے کا مقصد بھی پورا نہیں ہو گا۔ علمی ترجمہ چونکہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے لفظی ترجمہ ہوتا ہے اس لیے دوران ترجمہ مناسب و موزوں لفظ کا انتخاب بھی ایک اہم مسئلہ ہوتا ہے۔ اگر لفظ کا استعمال موزوں ترین صورت میں نہ ہو سکے تو ترجمہ ادھورا، نامکمل اور ناقص ہی رہے گا۔ اس ضمن میں مستند لغت سے مترجم کو بہت مدد ملتی ہے۔ لغت سے موزوں ترین لفظ کا انتخاب کرنے پر مہارت مترجم کے کام میں جان ڈال دیتی ہے۔

علمی تراجم کی راہ میں سب سے بڑی مشکل اصطلاحات کے ترجمے کی صورت میں سامنے آتی ہے۔ مترجم کو ایک طرف تو اصطلاح سازی کے فن سے واقفیت ہونا ضروری ہے تو دوسری طرف متعلقہ علم کی مروجہ اصطلاحات سے بھی اسے کامل آگاہی ہونی چاہیے۔ تیسری اور اہم بات یہ کہ اردو زبان میں اصطلاح موجود نہ ہونے کی صورت میں مترجم میں اصطلاح وضع کرنے کی صلاحیت بھی ہونی چاہیے۔ اس صلاحیت کی ضرورت اس لیے بھی رہتی ہے کہ علمی ترقیوں کے باعث علم کی حدود میں وسعت کا عمل مسلسل جاری رہتا

ہے۔ ہر شعبۂ علم میں نئے الفاظ اور اصطلاحات داخل ہوتی رہتی ہیں۔ ترجمہ کاری کا تجربہ رکھنے والا ہر شخص اس امر سے بخوبی آگاہ ہے کہ ہر علمی کتاب کا ترجمہ اسے نئے الفاظ اور اصطلاحات کے ترجمے سے ضرور دوچار کرتا ہے۔ اس مسئلے کا حل یہ ہے کہ مترجم نہ صرف متعلقہ شعبہ علم سے آگاہ ہو بلکہ وہ نئے الفاظ و اصطلاحات کا ترجمہ کرنے کی صلاحیت بھی رکھتا ہو۔ اس ضمن میں بعض کہنہ مشق اور بلند پایہ مترجمین نولفظ سازی (gism Neolo) سے کام لیتے ہیں لیکن یہ صلاحیت پیدا کرنے کے لیے لسانیات کے گہرے علم کے ساتھ ساتھ مشق اور ریاضت بھی درکار ہوتی ہے۔

علمی ترجمے کے دوران اصطلاح کے ترجمے کا مسئلہ دو اور طریقوں سے حل کرنے کی کوشش بھی کی جاتی ہے؛ پہلی صورت میں انگریزی اصطلاح کا موزوں ترجمہ (ڈھونڈ کر) پیش کر دیا جاتا ہے۔ دوسری صورت میں اصطلاح مستعار لے لی جاتی ہے۔ ہمارے سائنسی و سماجی علوم میں غیر ملکی زبانوں کی اصطلاحات کا ایک بڑا ذخیرہ موجود ہے جو اردو زبان میں اس طرح رچ بس گیا ہے کہ اب غرابت کا احساس تک نہیں ہوتا۔

اردو زبان میں بعض انگریزی اصطلاحات کے بہت سے مترادفات / تراجم دستیاب ہیں۔ اگر مترجم اس حوالے سے احتیاط سے کام نہ کرلے تو قاری کے لیے مسائل اور الجھنیں پیدا ہو گی۔ اس لیے مترجم کو ایک ہی اصطلاح یا اس کا ترجمہ شروع سے آخر تک برقرار رکھنا چاہیے تاکہ ابلاغ کے عمل کو سہل بنایا جاسکے۔

علمی متن کے مترجم (کے لیے یہ ایک) کے سامنے اصطلاحات کے انتشار کا مسئلہ اکثر رہتا ہے۔ اصطلاح سازی کا کام انفرادی اور اداروں کی سطح پر ہونے کے باوجود مختلف علوم کی بے شمار اصطلاحات کا ابھی تک تعین نہیں کیا جاسکا۔ یہ نہایت نازک مسئلہ اور مترجم کے لیے بڑی دشواری ہے۔ اگر ایک علم کے ماہرین کسی ادارے کی نگرانی میں اس پہلو پر توجہ دے کر اصطلاحات کے انتشار کو دور کریں اور ایک علم کی کچھ موزوں ترین، مستند اور متفقہ اصطلاحات لغت تیار کرلیں تو اس سے نہ صرف علمی ترجمے کے ایک اہم مسئلہ حل ہو گا بلکہ مستقبل میں ترجمہ کاری کی راہیں بھی ہموار ہوں گی اور مترجم کا کام نسبتاً سہل ہو جائے گا۔

علمی کتب / متون کے ترجمے کے دوران ناموں کے درست تلفظ اور املا کا مسئلہ بھی نمایاں ہوتا رہتا ہے۔ ایک زبان کے نام دوسری زبان اور تہذیب میں جاکر اکثر بدل جاتے ہیں اور یہ امر کافی حد تک فطری بھی دکھائی دیتا ہے۔ جس طرح بو علی سینا انگریزی میں جاکر 'Avecina' ہو گیا اور 'Aristotle' فارسی، عربی اور اردو میں جاکر ارسطو بن گیا۔ اس ضمن میں بہتر تو یہ ہو گا کہ اگر نام اپنے املا اور تلفظ کے اعتبار سے آسانی سے اپنی اصل صورت میں اردو میں بولا اور لکھا جاسکتا ہے تو اس کو بدلنے کی ضرورت نہیں کیونکہ نام تو

اصل ہی مناسب ہے۔ اس حوالے سے بے شمار مغربی مصنفین اور مفکرین کے نام اردو میں ہو بہو مروج ہیں اور یہی موزوں ترین عمل ہے۔ نام میں اس درجہ تبدیلی کر لینا کہ اگر ہم اس شخص کو اردو نام سے پکاریں تو وہ حیران ہو کر ہمارا منہ دیکھنے لگے، اچھی حکمت عملی نہیں کہا جا سکتا۔ عربی اور فارسی میں انگریزی اور بعض دوسری مغربی زبانوں کی آوازیں نہ ہونے کی وجہ سے لازماً ناموں میں تحریف کرنا پڑتی ہے، جو عرب مترجمین کی مجبوری تو ہو سکتی ہے مگر اردو زبان میں مغربی زبانوں اور خصوصاً انگریزی کی تمام آوازیں آسانی سے بولی اور لکھی جا سکتی ہیں۔ اس لیے ہر نام میں بے جا تبدیلی اور عربی و فارسی کی پیروی کرنا مناسب نہیں۔

اس نکتے کو غیر معمولی اہمیت دینے کی وجہ یہ ہے کہ اردو تراجم میں ناموں کے مسائل اکثر دکھائی دیتے ہیں۔ اکثر مترجمین ناموں کا تلفظ اور املا اپنے انفرادی رنگ میں کرتے ہیں اور قاری اس الجھن میں مبتلا رہتا ہے کہ اصل نام کیا ہے؟

علمی ترجمے میں مفہوم کی مکمل ترسیل، لفظ، محاورے اور اصطلاح کے موزوں استعمال، عبارت کے ربط اور رموز او قاف کا مناسب استعمال جیسے مسائل حل کر لیے جائیں تو ایک اچھا ترجمہ فراہم ہو سکتا ہے۔

ادبی متن کا ترجمہ، ترجمے کی مشکل ترین صنف ہے۔ ادبی ترجمے کے مسائل و مشکلات، نزاکتیں اور باریکیاں ادبی ترجمے کو دیگر انواع سے ممتاز بھی کرتی ہیں اور منفرد بھی۔ ادبی ترجمہ ایک متن کی جگہ دوسرا متن فراہم کرنا نہیں، نہ ہی لفظ کی جگہ لفظ لکھ دینے سے ہی ادبی ترجمے کا حق ادا ہو جاتا ہے۔ ایک زبان کا ادب اس کی تہذیب و ثقافت اور سماج کا عکاس ہوتا ہے، مترجم دورانِ ترجمہ دوسری تہذیب کی بو باس کو بھی ہدفی متن میں منتقل کرنے کی سعی کرتا ہے، وگرنہ ترجمہ ادھورا اور بے رنگ ہو کر رہ جاتا ہے۔ لہٰذا ادبی مترجم متن کے ساتھ ساتھ تہذیبوں کے باہمی تفاعل کے مسئلے سے بھی دوچار رہتا ہے۔ وہ ماخذ متن کی تہذیب کے جملہ عناصر کو سمجھے اور ترجمے میں انھیں سموئے بغیر اپنا کام نہیں کر سکتا۔

ترجمے میں تہذیب و ثقافت کی پیش کش کشش کے مسئلے کے بعد ادبی مترجم تشبیہات استعارات، علامتوں اور تلمیحات کے ترجمے کے مسئلے سے بھی دوچار رہتا ہے کیونکہ یہ سب چیزیں بھی ایک خاص ماحول، معاشرے، تہذیب کے بعد تاریخی پس منظر میں ہی پروان چڑھتی ہیں۔ دوسری زبان کا روزمرہ اور محاورہ بھی ادبی مترجم کے کام کو دشوار تر بناتا ہے۔ تلمیح اور علامت کی طرح محاورہ بھی ایک تہذیب کے ارتقا کی صورت میں وجود میں آتا ہے، اپنا خاص تہذیبی، معنوی اور تاریخی پس منظر رکھتا ہے۔ ادبی مترجم اس نوع کے مسائل و مشکلات سے عہدہ برآ ہو کر ہی کامیابی سے ہمکنار ہو سکتا ہے۔

ہر ادبی متن میں تخلیق کار کے اسلوب کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ اس کی ایک خاص ہیئت(Form) ہوتی ہے۔ ادبی مترجم ماخذ مصنف کے اسلوب کی خصوصیات ہدفی زبان میں منتقل کرتا ہے یا اپنا اسلوب اپناتا ہے، وہ وہی ہیئت برقرار رکھتا ہے یا ایک ہیئت کا ترجمہ کسی دوسری ہیئت میں کر دیتا ہے۔ یہ اور اس طرح کے نوع بہ نوع اور تہہ در تہہ مسائل ادبی مترجم کی راہ میں حائل ہو جاتے ہیں۔

ماخذ متن کی فکر (مرکزی خیال) کی ترسیل، اسلوب، تہذیبی عناصر کا تبادلہ، تشبیہہ، استعارہ علامت، روزمرہ اور محاورہ ہیئت جیسے مسائل و مشکلات ادبی متن کے ترجمے کی راہ میں حائل رہتے ہیں، ان مسائل کا کامل ادراک اور ان سے نمٹنے کی مناسب حکمت عملی مترجم کا کام آسان بنا کر سکتی ہے۔

صحافتی ترجمہ درجہ بالا اقسام کی نسبت آسان ہے لیکن اس کے اپنے تقاضے ہونے کی وجہ سے اس کے مسائل و مشکلات بھی دوسری اقسام سے قدرے مختلف ہوتے ہیں۔ صحافتی ترجمہ آزاد ترجمہ ہوتا ہے اور مترجم صحافی ایک متن کی قرأت کے بعد اس کے مفہوم کو پوری طرح اپنی گرفت میں لے کر اپنے انداز، الفاظ اور جملوں میں ترجمہ کر دیتا ہے۔ لیکن صحافتی ترجمے کی اس آسانی کا یہ ہرگز مطلب نہیں کہ یہ ترجمہ ہر قسم کے مسائل و مشکلات سے مبرا ہے ۔

ڈاکٹر مسکین حجازی نے اپنے ایک مضمون "صحافت میں ترجمے کے مسائل اور مشکلات" میں مرکزی نظام کے فقدان، اسم معرفہ کی پہچان، عربی اور فارسی کے نام بذریعہ انگریزی تاریخ و جغرافیہ، واقفیت عامہ، لسانی مسئلہ، وسائل کی کمی اور تربیتی سہولتوں کے فقدان جیسے مسائل و مشکلات کی نشاندہی کی ہے۔

مترجم کی تربیت، مشق، ریاضت، ماخذ و ہدفی زبان پر مکمل دسترس ترجمے کے متنوع نظریات و طریقۂ کار سے آگاہی، کام میں دلچسپی اور محنت ترجمے کی راہ میں حائل مسائل و مشکلات کا حل ہے۔

تقابلی ادب مفہوم:

تقابلی ادب کی اصطلاح قومی ادب کے ردعمل کے طور پر نمودار ہوئی۔ قومی ادب ایک محدود تصور ہے اور اس سے مراد ایک قوم کا ادب ہے جو ایک زبان، ایک خطے، ایک تہذیب، ایک نسل اور ایک سماج کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ قومی ادب ایک مخصوص روایت کی لڑی میں پرویا ہوتا ہے اور اپنے ارتقائی مراحل میں بسا اوقات اس روایت سے انحراف کی مثالیں بھی مل جاتی ہیں مگر ادب کا غالب حصہ اپنی ادبی روایت کی پاسداری میں ہی ترقی کے مراحل طے کرتا ہے۔ قومی ادب چونکہ ایک قوم کے ذہن کی پیداوار ہوتا ہے اور اس قوم کے

افکار و تصورات اور تخلیقی (صلاحیت) توانائی اس کا جزو ہوتی ہے اس لیے اس میں قومی تعصب کے عنصر کا پایا جانا بھی غیر فطری بات نہیں۔ یہ عنصر کم یا زیادہ تو ہو سکتا ہے مگر اس کے وجود سے انکار ممکن نہیں۔ اسی طرح قومی ادب کی اپنی بوطیقا ہوتی ہے جو تخلیقی فنکار کے فن کو مخصوص سانچے فراہم کرتی ہے۔ ہر قوم کا ادب اپنے اندر کچھ ایسی انفرادیت ضرور رکھتا ہے جو اسے دوسری اقوام کے ادب سے منفرد و ممتاز کرتی ہیں۔ یہ خصوصیات کبھی تو اصناف ادب کی صورت میں ملتی ہیں اور کبھی اسلوبِ بیان میں عکس انداز ہوتی ہیں۔ قومی ادب کی تشکیل و ترقی میں ایک قوم کی مقتدرہ کے اثرات بھی بہت گہرے ہوتے ہیں۔ سیاسی نظام، طرز حکومت، نظریات اور حکمران ہر عہد میں تخلیقی ادب پر اثر انداز ہوتے رہے ہیں۔

اس کے برعکس تقابلی ادب کسی ایک ملک، ایک قوم، ایک نظریے اور ایک زبان کے ادب سے سروکار نہیں رکھتا۔ تقابلی ادب کا تعلق جغرافیائی حدود سے آگے بڑھ کر یا انہیں توڑ کر کھلے ذہن اور وسیع پیمانے پر ادب کا مطالعہ ہے۔ تقابلی ادب کے بنیاد گزار اس امر پر پختہ یقین رکھتے تھے کہ شعر و ادب پر کسی ایک ملک ،معاشرے گروہ، قوم یا حکمران کا اجارہ نہیں بلکہ یہ ساری انسانیت کی مشترکہ میراث ہے۔ اس لیے اسے محدود جغرافیائی خطوں، نسلی تعصبات، لسانی عصبیتوں، گروہی تضادات، ثقافتی افتراکات کی قربان گاہ پر نثار کر دینا انسانیت کو عظیم تر تخلیقی سرمائے سے محروم کرنے کے مترادف ہے۔ اس لیے ادب کو ساری انسانیت کی میراث کے طور پر دیکھا، سمجھا اور پرکھا جائے۔ جرمن شاعر، ناول نگار اور دانشور گوئٹے وہ پہلا شخص تھا جس نے قومی ادب کے برعکس "عالمی ادب" (World Literature) کی بات کی۔ گوئٹے تک تراجم کے ذریعے چینی، فارسی اور سنسکرت زبان کا ادب پہنچ رہا تھا۔ جس کے نتیجے میں اس کا ادب کے حوالے سے نقطہ نظر وسیع تر ہوتا چلا گیا۔

گوئٹے نے اپنے ایک دوست ایڈلون فریڈرک کے نام ۲۷۔ جنوری ۱۸۲۷ء کو ایک خط میں لکھا کہ:

> "مجھے یقین ہے کہ ایک عالمی ادب تشکیل کے مراحل میں ہے، اقوام کے حق میں ہیں اور اس غرض سے دوستانہ تعلقات استوار کر رہی ہیں۔ جرمن اس ضمن میں سرگرمی کا مظاہرہ کر سکتے ہیں اور انھیں سرگرمی کا مظاہرہ کرنا بھی چاہیئے؛ اسے (جرمنی کو) اس عظیم باہمی نقطہ نظر کے فروغ کے لیے شاندار کردار ادا کرنا ہے"۔ (۱۲)

یوں قومی ادب کے بالمقابل عالمی ادب کے تصور کو متعارف کرانے کا سہرا گوئٹے کے سر ہے، جس نے عالمی ادب (World Literature) کی اصطلاح متعارف کرا کر ادب سے وابستہ اذہان کو نہ صرف بدل ڈالا بلکہ ان میں کشادگی اور وسعت پیدا کر دی۔

گوئٹے کے "عالمی ادب" کے حوالے سے درجہ بالا بیان کے ساتھ ساتھ اس کا ایک اور بیان جو عالمی ادب اور بعد ازاں تقابلی ادب کی بنیاد بنا۔ اس کا ماخذ بھی گوئٹے کا ایک مکتوب ہے، جو ۱۳۔ جنوری ۱۸۳۷ء کو تحریر کیا گیا۔ اس مکتوب میں گوئٹے بہت کھل کر کہتا ہے کہ:

"I am more and more convined that poetry is the universal porperty of mankind."(13)

یہاں گوئٹے کی شاعری کو ساری انسانیت کی ملکیت کہہ رہا ہے۔ شاعری سے مراد تخلیقی ادب کی تمام اصناف مراد ہیں۔ اس کا قول ادب کی قرأت اور تفہیم کے ایک نئے نقطہ نظر کی بنیاد بنا جو بعد ازاں تقابلی ادب کے روپ میں سامنے آیا۔

ابتدائی طور پر تقابلی ادب کی اصطلاح کا ظہور فرانس میں ۱۸۱۶ء میں ہوا جب تقابلی ادب کا ایک نصاب شائع کیا گیا۔ اس کے بعد اس اصطلاح کے مختلف پہلوؤں پر مباحثے کا آغاز ہو گیا۔ انگریزی زبان میں تقابلی ادب کے لیے " Comperative Literature "کی اصطلاح برتی جاتی ہے۔ انگریزی زبان میں اس اصطلاح کا استعمال سب سے پہلے نامور شاعر، نقاد اور مترجم میتھیو آرنلڈ نے ۱۸۴۸ء میں اپنے ایک مکتوب میں کیا۔ آرنلڈ نے تقابلی ادب کا جمع کے صیغے میں حوالہ دیا۔ ۱۹۶۳ء میں رینے ویلک نے آسٹن وارن کے اشتراک سے ایک کتاب 'Theory of literature' کے عنوان سے شائع کی۔ اس کتاب میں انھوں نے "عمومی ادب" تقابلی ادب اور قومی ادب کے عنوان سے ایک باب قائم کیا۔ تھیوری آف لٹریچر کے مصنف رینے ویلک نے ۱۹۷۰ء میں "The name and nature of comparative literature" کے عنوان سے ایک مضمون تحریر کیا۔ اس مضمون میں ویلک نے تقابلی ادب کے اوائلی ظہور پر بحث کرتے ہوئے بتایا کہ تقابلی ادب کی اصطلاح انیسویں صدی کی دوسری اور تیسری دہائی میں مستعمل ہوئی۔ انگریزی، فرانسیسی اور جرمن زبانوں میں اس نئے شعبہ علم کے ظہور، فروغ اور اس کی حمایت اور مخالفت میں نامور ادبا، شعرا اور ناقدین نے لکھا جس کے نتیجے میں مضامین اور کتب کا ایک گراں قدر خیرہ فراہم ہوا۔ اس شعبے کے مزید فروغ کے لیے بڑی مغربی زبانوں میں رسائل و جرائد کے اجرا کا سلسلہ بھی شروع ہوا اور یوں تقابلی ادب علمی دنیا میں

اپنانام اور مقام پیدا کرنے لگا۔ علما کے مابین علم کے تبادلے اور اس مضمون کے فروغ نے نئے ادبی مباحث کو جنم دیا اور مختلف زاویوں سے تقابلی ادب پر غور و فکر بھی کیا جانے لگا جس کے نتیجے میں اس کے تاریک گوشے منور ہوئے۔ اس ضمن میں سب سے بنیادی مگر اہم سوال اس مضمون کی تعریف متعین کرنا تھا۔

سوسن بیسنٹ نے تقابلی ادب کی تعریف کرتے ہوئے بتایا کہ:

"تقابلی ادب مختلف ثقافتوں کے متون کا مطالعہ ہے، ایک بین العلمی مضمون ہے اور مکان اور زمان کے بعد پیدا ہونے والے ادب کے درمیان رشتوں کے نقوش سے متعلق ہے"۔ (۱۴)

وارک یونیورسٹی کی پروفیسر سوسن بیسنٹ عصر حاضر کے تقابلی ادب اور علم ترجمہ کی نامور اور معتبر عالمہ ہیں۔ درجہ بالا دونوں شعبوں کے حوالے سے وہ کتب اور مضامین کی ایک بڑی تعداد کی مصنفہ بھی ہیں۔ انھوں نے تقابلی ادب کی جامع و مانع تعریف کی ہے، جو اس علم کے مختلف پہلوؤں کا بخوبی احاطہ کرتی ہے۔ اس ضمن میں بنیادی بات تو یہ ہے کہ تقابلی ادب کسی ایک متن کے مطالعہ تک محدود تصور نہیں بلکہ یہ متون کے مطالعے کا نام ہے۔ ایسے متون جو مختلف ثقافتوں میں تخلیق کیے گئے ہوں، یوں متون اور ان کی ثقافت، تقابلی ادب کا سب سے کلیدی نقطہ ہے۔ دوسری بات یہ کہ تقابلی ادب ایک بین العلمی مضمون ہے۔ تقابلی ادب کی تفہیم، تشریح اور فروغ کے لیے اس شعبے میں کام کرنے والے اسکالرز کو مختلف علوم و فنون سے آگاہ ہونا ضروری ہے۔ تقابلی ادب کی بین العلمی حیثیت پر سب سے واضح بیان امریکہ سے تعلق رکھنے والے پروفیسر ہینری ریمارک (H. Remark) کا ہے۔ جس کے خیال میں:

تقابلی ادب کسی ملک کی حدود کے باہر کے ادب کا مطالعہ ہے اور ادب کے علم اور ایقان کے دوسرے ذرائع مثلاً آرٹ (پینٹنگ، سنگ تراشی، آرکی ٹیکچر، موسیقی وغیرہ) فلسفہ، تاریخ، سماجی علوم (سیاسیات، معاشیات، سماجیات) سائنس، مذہب وغیرہ سے رشتوں کا مطالعہ ہے۔ مختصراً ایک ادب کے دوسرے ادب یا ادبوں سے اور انسانی اظہار کے دوسرے آفاق سے تقابل ہے"۔ (۱۵)

ہنری ریمارک نے تقابلی ادب کی تعریف کرنے کے ساتھ ساتھ اس کا دوسرے علوم سے تعلق بھی واضح کیا، جو سوسن بیسنٹ کی تقابلی ادب کی تعریف کے دوسرے پہلو کی شرح ہے۔

سوسن بیسنٹ کی تعریف کا تیسرا اگر توجہ طلب پہلو مکان اور زمان کے بُعد میں تخلیق پانے والے ادب کے مابین رشتوں کے نقوش سے تعلق رکھتا ہے۔ مکان کے بعد کا تصور تو تعریف کے پہلے عنصر میں بھی

موجود تھا مگر انھوں نے اس میں زمان کے بعد کا عنصر شامل کر کے اس شعبے کی حدود میں مزید وسعت پیدا کر دی۔ یوں ایک قدیم متن کا جدید متن سے تقابل بھی اور ان کے مابین رشتوں کا سراغ لگانا بھی اس میدان میں شامل ہے۔

بنظر غائر دیکھا جائے تو ادب کا مطالعہ تقابلی ہی ہوتا ہے۔ ایک شاعر، ادیب یا فنکار کا مطالعہ کرتے ہوئے فکری و لسانی دونوں حوالوں سے بہت سے دوسرے تخلیقی فن کار بھی ہمارے ذہن میں ابھرتے اور ڈوبتے رہتے ہیں۔ کہیں ہمیں کوئی تخلیق کار کسی بدیسی زبان سے متاثر دکھائی دیتا ہے تو کہیں اس پر کسی خاص فکر، تصور یا نظریے کا عکس نظر آتا ہے۔ تخلیق کار کے ذہن میں ایک پراسرار کیمیائی عمل کے نتیجے میں ایک نیا فن پارہ وجود میں آتا ہے۔ مثلاً اقبال کا مطالعہ کرتے ہوئے ہم مشرقی اور مغربی فکر و فلسفے اور شعری روایت کو کیسے فراموش کر سکتے ہیں۔ پھر اقبال کی زبان کو ہندی، فارسی اور عربی اثرات سے کیسے علیحدہ کیا جا سکتا ہے۔ ولی ہو یا میر و غالب، ان تمام تخلیق کاروں کی قرأت و تفہیم تقابلی انداز اپنائے بغیر کیسے ممکن ہے۔ یوں ہم کہہ سکتے ہیں کہ ادب کا مطالعہ دراصل تقابلی مطالعہ ہی ہوتا ہے۔

تقابلی ادب کا مطالعہ اعلیٰ درجے کی لسانی مہارتوں کا تقاضا کرتا ہے۔ (ذو لسانی اور کثیر اللسانی) کم از کم ذو لسانی مہارت تو ہونی ہی چاہیے۔ کثیر اللسانی مہارت زیادہ بہتر نتائج کا باعث بن سکتی ہے۔

رویوں میں کشادگی اور وسیع النظری بھی تقابلی ادب کا ایک بنیادی تقاضا ہے۔ گو قومی ادب اور قوم سے محبت ایک فطری جذبہ ہے مگر یہ جذبہ درجۂ اعتدال سے تجاوز کر جائے تو تعصب اور تنگ نظری کی صورت اختیار کر کے گمراہ کن نتائج کا باعث بنتا ہے جو تقابلی ادب کی راہ میں رکاوٹ ہے۔ تقابلی ادب عالمی بھائی چارے اور عالمی ہم آہنگی کا ایک موثر وسیلہ ہے۔ جہاں ادب کو حدود کے بغیر اور تعصبات سے بلند ہو کر قبول کیا جاتا ہے۔ عالی ظرفی، بلند حوصلگی، فراخ دلی اور کشادہ نظری تقابلی ادب کا محرک بھی اور تقاضا بھی، ضرورت بھی ہے اور شرط بھی۔ بعض ممالک اور خطوں میں مقتدرہ کی جکڑ بندیوں نے اذہان کو آہنی زنجیروں میں مقید کیے رکھا، مقتدرہ کا یہ فعل تقابلی ادب کی راہ کا روڑا ثابت ہوا۔ تقابلی ادب کی تاریخ اور تنقید میں جرمنی کو اس سوال کا سامنا رہا ہے۔

گوئٹے کے عالمی ادب کے تصور کے متعارف کرانے اور فرانس میں تقابلی ادب کی اصطلاح کے ظہور کے بعد یہ شعبۂ علم فرانس، جرمنی، انگلستان اور امریکہ میں ارتقاء کے مراحل بحسن و خوبی سے طے کرتا رہا۔ مختلف یونیورسٹیوں میں تقابلی ادب کے شعبے قائم ہوئے۔ ذہین طلبہ نے اس مضمون کا انتخاب کیا۔ تقابلی ادب

کی چیئرز قائم کی گئیں۔ اس شعبے کے مختلف پہلوؤں کا احاطہ کرنے کی خاطر اہم کتب شائع ہوتی رہیں، رسائل و جرائد کا اجرا بھی ہوا۔ تقابلی ادب کی انجمنوں کا قیام بھی عمل میں آیا اور اس منظم و مربوط سرگرمی کے نتیجے میں مغرب کے تقابلی ادب کے اہم مراکز میں مختلف مکتبہ ہائے فکر (Schools of thought) معرضِ وجود میں آئے جو ادب کا تقابل ایک خاص انداز، اسلوب اور نقطہ نظر سے کرتے تھے۔ ہر مکتبہ فکر کا تقابل کا انداز دوسرے سے مختلف ہونے کی بنا پر صاف پہچانا جاتا ہے۔

لیکن ساتھ ہی ہمیں تقابلی ادب کے حوالے سے زوال کا رجحان بھی دکھائی دیتا ہے۔ مغرب میں تقابلی ادب کے زوال کے ضمن میں رینے ویلک کے مضمون (Crisis of comparative literature) کو بطور اور حوالہ پیش کیا جاتا ہے۔ رینے ویلک نے اپنے مقالے میں اس مضمون کی فرسودہ منہاجیات اور متعصب قوم پرستی پر شدید تنقید کرتے ہوئے وارننگ دی کہ:

"تقابلی ادب کا مضمون ابھی تک باقاعدہ بنیادوں پر قائم نہیں ہوا اور ایسے مسائل میں الجھا ہوا ہے جو عرصہ دراز سے اپنی اہمیت کھو چکے ہیں"۔ (۱۶)

ویلک کی اس تنقید کے علاوہ ساختیات، رد تشکیل، تحلیل نفسی، علامتیت اور تانیثیت کے تصورات نے بھی تقابلی ادب کے شعبے اور مضمون کو ضعف پہنچایا۔ کیونکہ متن کے حوالے سے ابھرنے والے یہ جدید تصورات و نظریات متن کے مابین تقابل سے توجہ ہٹا کر متن کے قاری کو اہمیت دینے لگے۔

لیکن تقابلی ادب کو مغرب میں جس عنصر نے سب سے زیادہ متاثر کیا وہ علم ترجمہ (Translation studies) ہے۔ شروع میں تو ترجمہ تقابلی ادب ہی کا ایک ذیلی شعبہ تھا اور تقابلی ادب اور مطالعات میں سہولت کا ایک اہم اور لازمی عنصر تھا لیکن ۱۹۷۰ء کی دہائی میں اسرائیلی عالم اور مترجم جیمز ایس ہومز نے اس کے لیے باقاعدہ طور پر Translation studies یعنی علم ترجمہ کا لفظ استعمال کر کے بنیادی خدوخال واضح کیے۔ اس کے بعد دنیا بھر میں کتب کی اشاعت، رسائل کے اجراء، کانفرنسوں کے انعقاد، تحقیقی پروگراموں کے فروغ، علماء کی دلچسپی اور یونیورسٹیوں میں علم ترجمہ کے شعبوں کے قیام کے باعث یہ علم دنیا بھر میں تیزی سے ترقی کرنے لگا۔ اب ترجمہ محض ایک ذیلی کاروائی نہیں رہا بلکہ منظم و مربوط شعبہ علم بن گیا۔ یہ ایک بین العلومی شعبہ ہے جو لسانیات، تاریخ، بشریات، مطالعہ ثقافت، فلسفہ، نفسیات اور ادب کے متنوع عناصر کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے۔ اب دنیا کی جن یونیورسٹیوں میں علم ترجمہ کا شعبہ قائم ہے وہاں طلبہ کی معقول

تعداد اس کی طرف راغب ہو رہی ہے۔ اس کے برعکس مغرب میں تقابلی ادب کا شعبہ روبہ زوال ہے۔ سوسن بیسنٹ کے الفاظ ہیں:

"ہمیں علم ترجمہ اور تقابلی ادب کا از سر نو جائزہ لینا ہو گا کیونکہ مغرب میں تقابلی ادب او جھل ہو کر غیر واضح ہوتا جا رہا ہے جب کہ علم ترجمہ کا گراف اس کے بالکل برعکس ہے"۔

(۔۔۔)

لیکن مغرب کے برعکس بھارت، چین، جاپان، برازیل اور جاپان میں تقابلی ادب کی طرف رجحان بڑھ رہا ہے۔ ان ممالک میں تقابلی ادب مغرب کی نسبت نیا شعبۂ علم ہے لیکن ان ممالک میں اساتذہ و طلبہ نے بطور خاص اس پر توجہ دی ہے۔ ۱۹۸۱ء میں بھارت میں "انجمن برائے تقابلی ادب" کا قیام عمل میں آیا۔ بھارت میں لسانی تنوع اور ثقافتی رنگارنگی اس مضمون کے مطالعے اور فروغ کے لیے ایک ساز گار ماحول فراہم کرتی ہے۔

پاکستان میں اردو کو قومی زبان کا درجہ حاصل ہے اس کے علاوہ یہاں پنجابی، پشتو، بلوچی، سرائیکی، کشمیری سندھی، کھوار، گوجری اور ہندکو زبانوں کو علاقائی زبانوں کا درجہ حاصل ہے۔ ان علاقائی اور مقامی زبانوں میں ادب کا گراں بہا ذخیرہ موجود ہے، جس کا تقابلی مطالعہ پاکستان میں مطالعہ ادب کے نئے در وا کر سکتا ہے۔

اردو زبان کے ارتقا میں سنسکرت، فارسی اور عربی زبانوں کا نمایاں کردار ہے۔ ان زبانوں کے ہزاروں الفاظ اردو زبان کا جزو ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ عربی، فارسی اور مقامی زبانوں کی اصناف سخن نے بھی اردو ادب میں داخل ہو کر اظہار کے سانچے فراہم کیے ہیں۔

جدید دور میں انگریزی زبان و ادب نے اردو پر انمٹ نقوش ثبت کیے ہیں۔ انگریزی اصناف سخن، نظریات و تصورات اور تحقیق و تنقید کے اصولوں نے عصر حاضر کے اردو ادب پر مثبت اثرات مرتب کر کے اس کے ارتقا میں جاندار کردار ادا کیا ہے۔ انگریزی کے علاوہ روسی، فرانسیسی اور جرمن ادب بھی ترجمے کے ذریعے اردو زبان کا حصہ بنے ہے۔ یہ تمام امور تقابلی ادب کا موضوع بننے کے لائق ہیں۔

لیکن مقام حیرت ہے کہ اردو ادب میں ابھی تک تقابلی ادب کا آغاز ہی نہیں ہو سکا اور نہ ہی اس حوالے سے مواد دستیاب ہے۔ توحید احمد نے سوسن بیسنٹ کی ایک کتاب "تقابلی ادب: ایک تنقیدی جائزہ" اردو میں ترجمہ کی ہے اور جب بھی تقابلی ادب کے حوالے سے اساتذہ اور طلبہ میں گفتگو ہوتی ہے تو صرف اسی ایک کتاب کا حوالہ دیا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ کتاب صرف یورپ کے تقابلی ادب کے جائزہ پر مشتمل ہے۔ اس

کتاب کے مندرجات کی تفہیم کے لیے تقابلی ادب کی مبادیات سے آگاہی ضروری ہے اور اس حوالے سے اردو زبان میں مواد ناپید ہے۔ جو علم یورپ میں گزشتہ دو سو سال سے ترقی کر رہا ہے اور جس پر یورپ کی زبانوں میں درجنوں کتب، ہزاروں مقالات قلم بند کیے جا چکے ہیں، کے حوالے سے ہماری زبان کا دامن تہی ہونا اور مبادیات تک سے عدم واقفیت ہماری کم علمی اور نااہلی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ اس ضمن میں ہم بنیادی اہمیت کی کتب اور مقالات کے تراجم کر کے اردو کا دامن وسیع کر سکتے ہیں۔ اردو زبان میں تقابلی مطالعات کی ضرورت اور اہمیت کے پیش نظر اس نوع کا تحقیقی کام ہماری زبان و ادب اور تحقیق و تنقید کے ارتقا میں شاندار اور جاندار کردار ادا کر سکتا ہے۔

اقسام اور طریقہ کار

گوئٹے (Goethe) نے جب عالمی ادب کی اصطلاح وضع کی تو اس سے مراد عالمی ادب کے شہ پارے یا عالمی سطح پر اور دنیا کی مختلف زبانوں میں تخلیق ہونے والی اعلیٰ پائے کی اصنافِ ادب تھیں۔ دوسری طرف تقابلی ادب ان عالمی ادبی شہ پاروں کے مطالعے کے لیے ایک طریقہ کار فراہم کرتا ہے۔ عالمی ادب اور اس کے بعد تقابلی ادب کے تصورات کی ترویج کے بعد جب تقابلی ادب کی طرف رجحان پیدا ہونے اور بڑھنے لگا تو ماہرین اور طلبہ کی کثیر تعداد اس نئے ارتقا پذیر شعبۂ علم کی طرف راغب ہوئی اور یہ نیا شعبۂ علم نہ صرف تیزی سے مقبول ہونے لگا بلکہ یونیورسٹیوں میں تقابلی ادب کے شعبے قائم کیے گئے۔ اس مضمون کی مبادیات اور مختلف جہتوں پر کتب تصنیف ہوئیں، جرائد کا اجرا ہوا اور مغرب کے مختلف ممالک میں تقابلی ادب کی انجمنوں کا قیام عمل میں آیا۔ یوں تقابلی ادب ہمہ جہت اور متنوع علمی سرگرمیوں کا ایک زرخیز میدان بن گیا۔

ان علمی سرگرمیوں کے نتیجے میں مغرب کے مختلف ممالک اور زبانوں میں تقابلی ادب کے دبستان قائم ہوئے۔ ان دبستانوں یا اسکولوں میں فرنچ اسکول (French School) جرمن سکول (German School) برٹش سکول (British School) اور امریکہ میں تقابلی ادب کا امریکی اسکول وجود میں آئے۔

تقابلی ادب کے ان مکاتبِ فکر میں خطِ امتیاز کھینچنے والی چیز ان کا طریقۂ کار تھا۔ ہر مکتب فکر اپنے طریقے اور انداز سے ادب کا مطالعہ اور تقابل کرتا تھا۔ جو نہ صرف دوسرے مکتب / اسکول سے منفرد ہوتا تھا بلکہ اس کی اپنی امتیازی حیثیت بھی تھی اور اس طریقہ کار کے نتیجے میں تقابلی ادب کی ایک الگ قسم وجود میں آتی تھی۔ ہم ان مکاتب میں فرق کو دو عناصر کی مدد سے واضح کر سکتے ہیں۔ ایک ان کا طریقہ کار اور دوسرے

اس طریقہ کار کے نتیجے میں ابھرنے والی ادب کی قسم۔ مغرب کی مختلف اور قابل ذکر زبانوں میں ادب کا تقابل یعنی اس میں مماثلتوں اور اختلافات کا سراغ لگانے کا اپنا خاص اور منفرد رنگ تھا۔

اب ان مکاتب فکر کا الگ الگ جائزہ لیا جاتا ہے:

فرنچ اسکول

تقابلی ادب کے فرانسیسی اسکالروں نے "اثرات" (Influence) کے پہلو کے مطالعے پر خصوصی توجہ دی۔ اثر / اثرات (Influence) کا مطالعہ اس بنیادی تصور پر مبنی ہے کہ ادبی کام ایسے مصنف / تخلیق کار کی تحریر ہوتا ہے جس پر مختلف معاشرتی، سماجی، معاشی، تہذیبی، افکار و تصورات اور تحریکیں اثر انداز ہوتی ہیں۔ یہ تمام عناصر تخلیقی فنکار کی نفسیات کو متاثر کرتے ہیں اور اس کے تخلیقی کام میں اپنا اظہار پاتے ہیں۔ فرانسیسی مکتبِ فکر پر اثباتی فلسفے (Positivistic Philosophy) کے اثرات بھی دکھائی دیتے ہیں جس کے نتیجے میں اثر / Influence ایک میکانکی چیز بن گیا۔ یعنی مصنف کیا کرتا تھا، اکس سے ملتا تھا، کن کتب اور تحریروں کا مطالعہ کرتا تھا اور یہ سب باتیں کس طرح اس کی ذہن سازی کرتی تھیں اور اس کی تحریر پر اثر انداز ہوتی تھیں۔

اثر (Influence) میں دو چیزیں اہمیت اختیار کر گئیں۔ اثرات دینے والا (Influencer) اور اثرات لینے والا (Influencee) بعد ازاں اثرات ڈالنے والے کی نسبت اثرات لینے والا (Influence) زیادہ اہمیت اختیار کر گیا۔ بعد ازاں یہی چیز منظم صورت اختیار کر کے "Reception Theory" کی صورت میں جلوہ گر ہوئی، جس کے مطابق متن وصول کرنے والا سب سے اہم ہوتا ہے۔ کیونکہ باقی سب تو ہوا میں معلق ہے۔ لیکن وصول کنندہ (Receiver) کا پیغام وصول کرنا سب سے مقدم چیز ہے۔

برطانوی اسکول (Brithsh School)

برطانوی اسکول کے مطالعات کو جس اصطلاح میں سمیٹا جا سکتا ہے وہ موقعیت (Placing) ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ جب دو ادبی کاموں (Literary Works) یا تخلیقات کا پہلو بہ پہلو مطالعہ کیا جاتا ہے، دو مصنفوں کا ایک ساتھ تقابل کیا جاتا ہے یا پھر ادبی تحریکوں کا تو وہ ایک دوسری پر روشنی ڈالتی ہیں اور ایک

دوسرے کی تفہیم میں مدد گار بنتی ہیں۔ برطانوی دبستان کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ یہ دبستان کبھی تو امریکی اور کبھی فرانسیسی دبستانوں کی طرف جھکتا دکھائی دیتا ہے۔ سوسن بیسنٹ کے الفاظ ہیں:

"برطانیہ کی یونیورسٹیوں کے جدید زبانوں کے شعبہ جات سے اُٹھنے والا تقابلی ادب فرانسیسی دبستان کی جانب جھکتا تھا جبکہ انگریزی ادب کے شعبوں کے تقابلی ادب میں امریکی دبستان کی جھلکیاں نظر آتی تھیں"۔(۱۸)

تاہم برطانوی تقابلی ادب کی اصل اختراع موقعیت (Placing) نے اس کو دوسرے دبستانوں سے ممیز و ممتاز کیے رکھا۔

جرمن اسکول

فرانسیسی اسکول نے اثرات (Influence) کے مطالعہ کو اہمیت دی تو برطانوی اسکول نے موقعیت (Placing) کو مرکز نگاہ بنایا۔ اس کے برعکس جرمن دبستان نے Themes کے مطالعے اور تقابل پر خصوصی توجہ صرف کی۔ تقابلی ادب کے جرمن ماہرین قوم کی جڑوں کی تلاش اور "روح" کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ یہ امر قابل غور ہے کہ عالمی ادب کا تصور سب سے پہلے ایک جرمن شاعر، ناول نگار، مصنف اور مفکر گوئٹے نے ہی متعارف کرایا تھا جو مزید ترقی کر کے تقابلی ادب کی صورت میں یورپ میں بالخصوص اور دنیا بھر میں بالعموم پروان چڑھا۔ لیکن اپنی ابتدا اور ارتقا کے بعد جرمن ماہرین تقابلیات بتدریج وطن پرستی کی طرف راغب ہوئے اور یورپ کے بعض مصنفین اور خصوصاً ڈراما نگاروں کے ڈرامے اسٹیج پر پیش کرنے کی ممانعت ہونے لگی۔ اسی وجہ سے جرمن دبستان کے بارے میں یہ کہا جانے لگا کہ جہاں روسی اور فرانسیسی ناولوں اور انگریزی ڈراموں پر پابندی ہے وہاں تقابلی ادب کیا ترقی کرے گا۔ ابتداً جرمن تقابلی ادب نے ترجمہ شدہ ادب کو بہت اہمیت دی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ مختلف زبانوں کا ادب اصل زبان (Source Language) میں پڑھنے کی بجائے ترجمے کی صورت میں پڑھنا نسبتاً سہل ہے۔ اس لیے ترجمہ تحقیق کا مرکزی میدان قرار پایا۔

تقابلی ادب کے امریکی دبستان نے یورپ کے تقابلی ادب کے دبستانوں سے الگ راہ نکالی۔ یورپ کے ممالک کی قوم پرستی اور اپنے ملک کے زبان و ادب سے جذباتی لگاؤ کے برعکس امریکی دبستان نے کھلے ذہن کشادہ دل اور وسیع پیمانے پر ادب کے تقابل کی اہمیت کو تسلیم کرتا ہے۔

ہنری ریمارک(H.H. Remark) نے امریکی دبستان کی بنیاد بھی رکھی اور فکری و نظریاتی اساس بھی فراہم کی۔ امریکی دبستان نے فرانسیسی ماڈل کے طلسم کو توڑنے کی کوشش بھی کی۔ ریمارک کا خیال تھا کہ فرانسیسی ماڈل کی تنگ نظری، اجابتی رویے پر انحصار اور غیر تخیلی ہونا اس کے نقائص تھے۔ لہٰذا اس نے ایک طرف تو اس ماڈل پر کڑی تنقید کی اور دوسری طرف متبادل ماڈل فراہم کیا۔

ہینری ریمارک نے تقابلی ادب کا ایک وسیع تر تصور دیا۔ وہ تقابلی ادب کو ملک کی حدود کے باہر کے ادب کے مطالعے سے موسوم کرتے ہوئے تقابلی ادب کو ملک کی حدود کے باہر کے ادب کے مطالعے سے موسوم کرتے ہوئے تقابلی ادب کو بین العلمی انداز میں سمجھنے کی اہمیت پر زور دیتا ہے۔ وہ ادب کا آرٹ، فلسفہ، سماجی و سائنسی علوم، مذہبی مطالعات، دوسرے ادبوں اور انسانی اظہار کے دوسرے وسائل سے تقابل کا تصور پیش کرتا ہے۔ ریمارک نے امریکی تقابلی ادب کے خدوخال نمایاں کرنے کے ساتھ ساتھ تقابلی ادب کے امریکی دبستان کا منشور بھی فراہم کیا۔ ریمارک کا تقابلی ادب کے حوالے سے رویہ تاریخی اور عمومی نہیں بلکہ معاصرانہ اور تشریحی نوعیت کا ہے۔ اس نے عمومی اور تقابلی ادب کے مابین سرمئی منطقے کی نشاندہی بھی کی۔ ریمارک کا تقابلی ادب کا نقطہ نظر ہے کہ یہ تقابلی ادب مخصوص قواعد و ضوابط کا پابند نہیں بلکہ یہ ایک ذیلی مضمون ہے جو علم کے مختلف شعبوں کے مابین پُل کا کردار ادا کرتا ہے۔ امریکی تقابلی ادب کا کلیدی لفظ عمل(Process) ہے۔ امریکی تقابلی ادب کے بنیاد گزار تقابل کے حوالے سے قواعد سازی نہیں کرتے بلکہ تقابلی مطالعے کی اساس کا تعین متعلقہ مطالعہ کرنے والے اسکالر پر چھوڑ دیتے ہیں۔ امریکی تقابلی ادب کے دبستان کی نمایاں خصوصیت تقابلی ادب کے مطالعے سے سیاست کا اخراج ہے۔ یورپ کی تنگ نظر حکمت عملی کے برعکس اس کشادہ نظری نے تقابلی ادب کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا۔

تقابلی ادب کی بین العلومی نوعیت لسانی و جغرافیائی تعصبات سے دوری، عالمگیریت اور انسان دوستی اس دبستان کی نمایاں خصوصیات تھیں۔ اس دبستان کے علما کے تقابلی مطالعات کے لیے صرف منظم ہونے کی شرط کو بنیادی اور اہم قرار دے کر مزید قیود عائد کرنے سے بھی گریز کیا۔

یورپی اور غیر یورپی تقابلی ادب کے دبستانوں کے نقطہ نظر، طریقہ کار اور تصور کو سمجھنا اس لیے بہت ضروری ہے کہ یہ تقابلی ادب کے الگ الگ دھارے تھے۔ یورپی تقابلی ادب سیاسی و لسانی اثرات، مصادر کی کھوج اور قومی سطح پر پائے جانے والے شعور کی تہذیبی بنیاد پر تحقیق اور اس کی وضاحت پر زور دیتا۔ اس کے برعکس امریکی ناقدین بین الاقوامی منصب کو نبھانے کے لیے ساری انسانیت کے علمی و ادبی کارناموں بین

العلومی مطالعات اور وسیع تر تناظر میں تقابل کی اہمیت نمایاں کرتے ہیں۔ تقابلی ادب کے متذکرہ بالا دبستانوں کے ادبی تجزیے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب دبستان (سوائے امریکی دبستانوں کے) تقابل کے کسی ایک پہلو کو دوسرے کی نسبت زیادہ اہم سمجھتے ہیں، یوں ان کا طریقہ کار، طرز مطالعہ اور نقطہ نظر افراد و تفریط کا شکار نظر آتا ہے بلکہ اگر یوں کہا جائے کہ ہر دبستان کا طرز مطالعہ یک طرفہ ہے تو بے جا نہ ہو گا۔ اس کے برعکس امریکی تقابلی ادب کا امتزاجی اور ہمہ گیر طریقہ کار اور نقطہ نظر ہمارے حالات کے لیے زیادہ موزوں اور سود مند ثابت ہو سکتا ہے اس دبستان کے طریقہ کار (Methodology) کے اطلاق سے منتخب کیے گئے متون کی بہتر تفہیم ممکن ہے۔

منتخبہ مترجمین کا تعارف:

ڈاکٹر جمیل جالبی

جمیل جالبی کا اصل نام محمد جمیل خان ہے۔ وہ ۱۲۔ جون ۱۹۲۹ء کو ہندوستان کے شہر علی گڑھ میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام محمد ابراہیم خان اور والدہ کا نام اکبری بیگم ہے۔ جمیل جالبی کے آباؤ اجداد کا تعلق پٹھانوں کے یوسفزئی قبیلے سے ہے اور وہ سوات میں (موجودہ پاکستان) سے ہجرت کر کے ہندوستان گئے اور وہیں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ جمیل جالبی ہندوستان اور پاکستان کے مختلف شہروں میں رہ کر حصول علم میں مصروف رہے۔ میٹرک کا امتحان گورنمنٹ ہائی سکول سہارن پور سے ۱۹۴۳ء میں پاس کیا۔ ایف۔ اے اور بی۔ اے کے امتحانات میرٹھ کالج سے پاس کیے۔ جمیل جالبی تقسیم ہند کے بعد پاکستان چلے آئے اور یہاں آ کر مشکل مالی حالات کے باوجود حصول علم کا سلسلہ جاری رکھا اور ۱۹۴۹ء میں سندھ یونیورسٹی کراچی سے انگریزی ادب میں ایم۔ اے کی ڈگری حاصل کی۔ اس کے بعد اسی یونیورسٹی سے اردو ادب میں ایم۔ اے کرنے کے ساتھ ساتھ ایل ایل بی کی ڈگری بھی حاصل کر لی۔ جمیل جالبی نے ۱۹۵۰ء میں بہادر یار جنگ ہائی اسکول کے ہیڈ ماسٹر کی حیثیت سے ملازمت کا آغاز کیا۔ ۱۹۵۳ء میں سی ایس ایس (CSS) کے امتحان میں شمولیت اختیار کی اور کامیابی کے بعد انکم ٹیکس آفیسر کے عہدے پر فائز ہوئے۔ اس سروس میں رہ کر انھوں نے انکم ٹیکس

کمشنر کے عہدے تک ترقی لی۔ لیکن ساتھ ساتھ ان کی علمی، ادبی اور تخلیقی سرگرمیوں کا سلسلہ بھی تواتر سے جاری رہا۔ دوران ملازمت وہ مختلف ادبی رسائل کے مدیر بھی رہے۔ انھوں نے مختلف موضوعات پر مضامین بھی لکھے اور انگریزی ادب کی اہم کتب کے تراجم بھی شائع کی۔ اسی دوران ان کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ ان کا اصل میدان انکم ٹیکس کی فائلوں میں سر کھپانا نہیں بلکہ زبان وادب (اردو ادب) کی دنیا ہے۔ اسی بنا پر انھوں نے انکم ٹیکس کمشنر کے عہدے سے مستعفی ہو کر ساری توجہ تحقیق و تدوین اور تصنیف و تالیف کی طرف مبذول کر لی۔

ڈاکٹر جمیل جالبی نے میں نے ۱۹۷۱ء میں سندھ یونیورسٹی جامشورو سے ڈاکٹر غلام مصطفی خان کی نگرانی میں پی ایچ ڈی کی ڈگری مکمل کی۔ اس کے بعد ۱۹۷۳ء میں اسی یونیورسٹی سے ڈی لٹ بھی کیا۔

تحقیق و تدوین کے ساتھ ساتھ انھوں نے ملک کے اہم اداروں کے سربراہ کے طور پر بھی اپنی خدمات سرانجام دیں۔ انھیں ۱۹۸۳ء میں کراچی یونیورسٹی کا وائس چانسلر مقرر کیا گیا اور وہ ۱۹۸۷ء تک اس عہدے پر اپنے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ وائس چانسلر کی حیثیت سے انھوں نے یونیورسٹی کی بہتری کے لیے کئی منصوبے بنائے اور انھیں پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ اسی لیے ان کے دور کو یونیورسٹی کی ترقی کے سنہری دور کے طور پر یاد کیا جاتا ہے۔ ۱۹۸۷ء میں انہیں اردو کے ایک اہم ترقیاتی ادارے مقتدرہ قومی زبان کا صدر نشین مقرر کیا گیا۔ وہ ۱۹۸۷ء سے ۱۹۹۴ء تک اس عہدے پر کام کرتے رہے۔ اس عہدے پر رہ کر انھوں نے گراں قدر علمی و ادبی کارنامے سرانجام دیے۔ قومی انگریزی اردو لغت بھی اسی عہد کی یادگار ہے۔

جمیل جالبی ایک جامع الصفات اور کثیر الجہات شخصیت تھے۔ انھوں نے اپنی ہمہ جہت شخصیت، مسلسل محنت، ذوق و شوق اور تخلیقی ریاضت سے زبان و ادب کے متنوع گوشوں کو منور کیا۔ انھوں نے تحقیق و تدوین، تنقید، تاریخ نویسی، لغت نگاری اور تراجم میں اپنی صلاحیتوں کا اظہار کیا اور فی الحقیقت عظیم الشان اور عدیم المثال کارنامے سرانجام دیے۔ "تاریخ ادب" اردو جس محنت، استقلال اور تحقیقی ژرف نگاہی سے مکمل کی، وہ ان کی محنت و صلاحیت کا واضح ثبوت ہے۔ اس نوع اور درجے کا کام ایک شخص کے بس کی بات نہیں لگتا۔ یہ کام تو بجا طور پر اداروں کا ہوتا ہے، لیکن یہ جمیل جالبی کا عزم ان کی ہمت، صلاحیت اور محنت ہی ہے جس نے یہ کام ممکن کر دکھایا۔ "ارسطو سے ایلیٹ تک" ڈھائی ہزار سال پر محیط مغربی ناقدین کی تحریروں کے تراجم بھی ایک شخص نے کر ڈالے جو ایک غیر معمولی کارنامہ ہے۔ جمیل جالبی کی ادبی خدمات کئی کتابوں کی

متقاضی ہیں اور یہاں تو محض ان کے مختصر سے تعارف کی گنجائش ہی ہے اور وہ اس میں بھی خاص طور پر ترجمے کے میدان میں ان کی خدمات اور کارناموں کی حد تک۔

ترجمہ بھی جمیل جالبی کا ایک خاص میدان رہا۔ انھوں نے انگریزی زبان سے اردو میں تراجم کیے۔ ان کا پہلا ترجمہ "جانورستان" کے نام سے ۱۹۵۸ء میں شائع ہوا۔ یہ جارج آرول کے ناول" Animal Form"کا ترجمہ تھا۔ اس کے بعد انھوں نے انگریزی ادب کے اہم اور معروف شاعر و نقاد ٹی ایس ایلیٹ کے نو(۹) مضامیں کا ترجمہ "ایلیٹ کے مضامین" کے نام سے ۱۹۶۰ء میں شائع کیا۔ "ارسطو سے ایلیٹ تک" نیشنل بُک فاؤنڈیشن سے ۱۹۷۵ء میں شائع ہوئی۔ اس کتاب میں جمیل جالبی نے مغربی تنقید کی ڈھائی ہزار سالہ تاریخ میں تحریر ہونے والی اعلیٰ پائے اور دور رس نتائج کی حامل تحریروں کا ترجمہ کیا۔ پروفیسر عزیز احمد کی کتاب "Islamic Modernism in India and Pakistan"کا ترجمہ "برصغیر میں اسلامی جدیدیت" کے نام سے کیا۔ پروفیسر عزیز احمد ہی کی ایک اور کتاب "Isamic Culture" کا اردو ترجمہ "اسلامی کلچر" کے عنوان سے کیا۔

ارسطو کی بوطیقا(Poetics)کا ترجمہ ۱۹۹۸ء میں مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد سے کتابی صورت میں شائع ہوا۔ اس ترجمے کے ساتھ جمیل جالبی کا مسبوط تعارف بھی شامل ہے۔ جس میں انھوں نے ارسطو کا تعارف، بوطیقا کا تعارف، اہمیت، بوطیقا کے مضامین و موضوعات، اثرات اور اصطلاحات پر بحث کی ہے۔ جمیل جالبی کا یہی ترجمہ زیر بحث مقالے کا عنوان ہے۔ جمیل جالبی کا ترجمہ، اس کا ماخذ، اسلوب اہمیت اور اثرات پر آگے چل کر تفصیل سے لکھا جائے گا۔

عزیز احمد

عزیز احمد اردو زبان کے صفِ اوّل کے مترجم تھے۔ ایک ذہین، محنتی اور مستقل مزاج لکھاری ہونے کے ساتھ ساتھ وہ وسیع المطالعہ اور ہمہ جہت شخصیت تھے۔ ایک مترجم کے لیے درکار بنیادی خصوصیات سے مالامال تھے۔ اردو، انگریزی اور فارسی زبانوں پر انھیں کامل دسترس تھی۔ اس کے علاوہ جرمن اور فرانسیسی زبانیں بھی جانتے تھے۔ مشرقی تہذیب و ثقافت اور تاریخ سے آگاہی اور مغربی ممالک میں طویل قیام، سیاحت اور تعلیم و تدریس کی وجہ سے وہ ہدفی متون کی تہذیب، زبان اور تاریخ کا بھی شعور رکھتے تھے۔ ان اوصاف نے نہ صرف ان کی تخلیقی صلاحیت کو جلا بخشی بلکہ اُن کے تراجم کو بھی معیار اور وقار عطا۔

عزیز احمد نے ۱۱۔ نومبر ۱۹۱۳ء کو ہندوستان کے ضلع بارہ بنکی میں جنم لیا۔ ان کے والد کا نام بشیر الدین تھا جو پیشے کے لحاظ سے وکیل تھے۔ جب عزیز احمد کی عمر آٹھ سال تھی تو ان کے والد انتقال کر گئے۔ اس واقعے کے بعد عزیز احمد کی پرورش اور تعلیم و تربیت کی ذمہ داری ان کے ماموں محمد احمد نے لے لی۔ عزیز احمد کے والد کی طرح ان کے ماموں بھی وکالت کے پیشے سے وابستہ تھے۔ والد کی وفات کے بعد عزیز احمد کا بچپن نامساعد حالات میں گزرا جس کے اثرات ان کی آنے والی علمی، ادبی، فکری اور نفسیاتی زندگی پر مرتب ہوئے۔ ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد ۱۹۲۸ء میں عزیز احمد نے جامعہ عثمانیہ میں داخلہ لیا۔ جامعہ عثمانیہ مسلم تہذیب و تمدن کی بقا اور اردو زبان و ادب کے فروغ کے لیے کام کر رہی تھی۔ عزیز احمد نے اس جامعہ سے ۱۹۳۴ء میں فارسی، اردو اور انگریزی کے مضامین میں بی۔ اے آنرز کیا۔ مولوی عبدالحق، محی الدین قادری زور، عبدالقادر سہروردی اور مولوی وحید الدین سلیم جیسے نامور ادبا اور محققین اس ادارے سے وابستہ تھے۔

عزیز احمد نے ان اساتذہ کی شفقت، نگرانی اور رہنمائی میں علمی مراحل طے کیے۔ خاص طور پر وہ مولوی عبدالحق کے چہیتے شاگردوں میں شامل تھے، ان کی تربیت اور علمی ترقی میں مولوی صاحب نے بنیادی کردار ادا کیا۔ اس حوالے سے ڈاکٹر اعجاز حنیف کہتے ہیں کہ:

> "عزیز احمد ان خوش قسمت طلبہ میں سے تھے جن سے مولوی عبدالحق کو بڑا انس تھا، مولوی صاحب نے ہر موقع پر اس ہونہار شاگرد کا خیال کیا"۔ (۱۹)

جامعہ عثمانیہ سے بی۔ اے آنرز کر لینے کے بعد عزیز احمد ۱۹۳۵ء میں برطانیہ روانہ ہوئے، جہاں انھوں نے مزید تعلیم کے لیے لندن یونیورسٹی میں داخلہ لیا۔ لندن یونیورسٹی سے عزیز احمد نے بی۔ اے آنرز کیا اور انگریزی زبان و ادب پر مزید مہارت حاصل کی۔ لندن یونیورسٹی سے تعلیم کی تکمیل کے بعد عزیز احمد نے یورپ کی سیاحت شروع کی۔ ان کے ناول "گریز" کا پس منظر ان کا یہی یورپ کا سیاحتی سفر ہے۔ یورپ میں قیام اور لندن یونیورسٹی کی تعلیم نے عزیز احمد کو ذہنی و فکری وسعت عطا کی جس کے اثرات ان کی تخلیقات میں بھی دکھائی دیتے ہیں۔ لندن یونیورسٹی میں قیام کے دوران ان کی ملاقات انگریزی زبان کے معروف ناول نگار ای۔ ایم۔ فاسٹر سے ہوئی۔ برطانیہ روانگی سے قبل عزیز احمد نے فاسٹر کے کسی ناول کا مطالعہ نہیں کیا تھا مگر لندن میں قیام کے دوران انھوں نے ای۔ ایم فاسٹر کے تمام ناول پڑھ ڈالے اور ای۔ ایم۔ فاسٹر سے ان کا مکالمہ بھی جاری رہا جس کے عزیز احمد کی تخلیقات پر اثرات مرتب ہوئے۔ لندن میں قیام کے دوران وہ تخلیقی و تحقیقی سرگرمیوں میں مصروف رہے۔ اس کے علاوہ وہ تدریس کے شعبے سے بھی منسلک رہے۔ ۱۹۵۷ء میں

عزیز احمد حکومت پاکستان کی وساطت سے لندن یونیورسٹی کے "اسکول آف اورنٹیل اینڈ افریقن سٹڈیز" میں انڈین اسلام کے اووسیز لیکچرر مقرر ہوئے۔

اس ادارے سے وابستہ ہونے کے بعد عزیز احمد کی زندگی کا ایک نیا دور شروع ہوا ۔ اب ادب ان کی توجہ کا مرکز نہیں رہا بلکہ وہ تحقیق اور تاریخ نویسی کی طرف مائل ہوگئے جس کے نتیجے میں معتبر اور گراں مایہ کتب تصنیف کیں۔

عزیز احمد نے اپنی ۶۵ سالہ زندگی میں مسلسل تخلیقی، علمی ادبی اور تحقیقی کام کیا۔ انھوں نے "مرمر اور خون"، "ہوس"، "گریز"، "شبنم"، "آگ" اور "ایسی بلندی ایسی پستی" جیسے ناول ، "رقص ناتمام" اور "بیکار دن، بیکار راتیں" دو افسانوی مجموعے "ماہ لقا" کے عنوان سے ایک شعری مجموعہ، تنقید کی دو کتب، "ترقی پسند ادب" اور "شعرائے عصر کے کلام کا انتخاب" اقبال پر دو کتابیں "اقبال نئی تشکیل" اور "اقبال اور پاکستانی ادب" اور انگریزی زبان میں تاریخ پر کتب جن میں:

"A History of Islamic Society"

"An Intellectual History of Islam"

"Religion and Society in Pakistan"

قابل ذکر ہیں انھیں تاریخی کتب پر ۱۹۷۲ء میں لندن یونیورسٹی نے ڈی۔لٹ کی ڈگری عطا کی۔

مترجم کی حیثیت سے عزیز احمد نے بارہ کتب کا اردو میں ترجمہ کر کے اردو زبان و ادب کو مغرب کے شاندار علمی، ادبی اور تخلیقی کارناموں سے مالامال کیا۔ انھوں نے درج ذیل کتب کا ترجمہ کیا:

۱۔ فن شاعری (ارسطو کی تنقید کی پہلی کتاب)

۲۔ طربیہ خداوندی (دانتے)

۳۔ مقالات گارساں دتاسی (دو جلدیں)

۴۔ چنگیز خاں (ہیرالڈ ولیم)

۵۔ دنیا کے شاہکار افسانے (ولندیزی اور دیگر افسانے)

۶۔ دنیا کے شاہکار افسانے (روسی افسانے)

۷۔ دنیا کے شاہکار افسانے (فرانسیسی افسانے)

۸۔ دنیا کے شاہکار افسانے (جرمن افسانے)

۹۔ رومیو جولیٹ (شیکسپیئر)

۱۰۔ تیمور (ہیر الڈ ولیم)

۱۱۔ تاتاریوں کی یلغار

۱۲۔ ہمارا اعظم (ابس)

ارسطو کی "Poetics" کا سب سے پہلا ترجمہ "فن شاعری" کے نام سے عزیز احمد نے ہی کیا، یہ ترجمہ جامعہ عثمانیہ سے ۱۹۴۲ء میں تفصیلی تعارف کے ساتھ شائع ہوا۔ اس کے علاوہ ضمیمے میں اہم شخصیات، تصورات اور اصطلاحات کی وضاحت بھی کی۔ عزیز احمد اپنی وفات ۱۹۷۸ء تک مسلسل پڑھنے لکھنے میں مصروف رہے۔ ان کے علمی وادبی اور تحقیقی کارناموں پر ضخیم کتب تحریر کی جاچکی ہیں۔

شمس الرحمٰن فاروقی

عصرِ حاضر میں جن اہل قلم نے اردو زبان وادب کی مختلف اصناف میں اعلیٰ پائے کی تخلیقات پیش کیں شمس الرحمٰن فاروقی ان میں صفِ اوّل میں ہیں۔ ادبی صحافت اور "شب خون" کے ذریعے جدید افکار و نظریات کی ترویج کی، کلاسیکی شاعری کی تفہیم کے لیے "شعر شور انگیز" کے ذریعے نئے زاویے فراہم کیے۔ اعلیٰ پائے کی تنقیدی کتب کے ذریعے اردو زبان کو "جدیدیت" کے تصور سے روشناس کرایا، "داستان امیر حمزہ" کے مطالعے کے ذریعے داستان گوئی کی روایت کا احیا کیا۔ "کئی چاند تھے سر آسمان" کی تخلیق سے اردو فکشن کے دامن کو وسعت بخشی، شاعری، افسانہ نگاری اور داستان گوئی میں بھی اپنے جوہر دکھائے۔ وہ اردو، انگریزی، فارسی اور عربی ادب کے جید عالم تھے۔ اس کے علاوہ سنسکرت اور فرانسیسی زبانوں سے بھی خوب واقف تھے۔ وہ نہ صرف انگریزی اور اردو زبان وادب کی تاریخ کا بھرپور شعور رکھتے تھے بلکہ عالمی ادب پر بھی ان کی نظر کافی گہری تھی۔ سچ تو یہ ہے کہ شمس الرحمٰن فاروقی جیسی ہشت پہلو شخصیات اردو ادب میں خال خال ہی دکھائی دیتی ہیں۔

شمس الرحمٰن فاروقی ۳۰۔ دسمبر ۱۹۳۵ء کو متحدہ ہندوستان کے شہر اعظم گڑھ، موجودہ اتر پردیش میں پیدا ہوئے۔ زندگی کے ابتدائی ایام میں گورکھپور میں قیام رہا۔ میٹرک کا امتحان ۱۹۴۹ء میں جوبلی ہائی اسکول گورکھپور سے پاس کیا۔ اسلامیہ انٹر کالج، گورکھپور سے ایف۔ اے اور مہارانا پرتاب کالج، گورکھ پور سے بی۔ اے کیا۔ الہ آباد یونیورسٹی سے انگریزی ادب میں ایم۔ اے کی ڈگری حاصل کی۔ ایم۔ اے میں انھوں نے

پہلی پوزیشن حاصل کی۔ وہ شعبہ انگریزی میں تدریسی خدمات سر انجام دینا چاہتے تھے اور یہاں لیکچرار کی چار اسامیاں بھی خالی تھیں مگر اُن کی خدمات حاصل نہ کی گئیں۔ وہ دو سال تک کالج میں پڑھاتے رہے۔ ۱۹۵۷ء میں انھوں نے ہندوستانی سول سروسز آئی سی ایس کے امتحان میں کامیابی حاصل کی اور اپنی خواہش کے مطابق محکمہ ڈاک (Postal Services) کا انتخاب کیا۔ اس شعبے سے وابستگی نے شمس الرحمن فاروقی کی ادبی زندگی پر گہرے اثرات مرتب کیے۔ مرکزی حکومت کے محکمے کا افسر ہونے کی بنا پر ان کا تبادلہ ملک کے بڑے بڑے شہروں میں ہوتا رہا جہاں کی ادبی فضا اور کتب خانوں سے انھوں نے بھرپور استفادہ کیا۔ اس کے علاوہ سول سروس کے باقی محکموں کی نسبت یہاں مطالعے کے لیے بھی فرصت میسر تھی جس سے فاروقی صاحب کی نے کماحقہٗ فائدہ اٹھایا اور وہ زبان و ادب کے ایک جید عالم کی صورت میں نمایاں ہوئے۔ وہ ۱۹۹۴ء میں اپنی ریٹائرمنٹ تک پوسٹل سروسز کے محکمے سے وابستہ رہے اور اس محکمے کے سب سے بلند منصب پوسٹ ماسٹر جنرل کے عہدے تک پہنچے۔ اس کے علاوہ وہ ۱۹۸۰ء میں قلیل مدت تک ترقی اردو بیورو سے بھی وابستہ رہے اور شاندار خدمات انجام دیں۔

بیگم جمیلہ ہاشمی سے ان کی ملاقات یونیورسٹی میں طالب علمی کے زمانہ میں ہوئی۔ وہ فاروقی صاحب کی بے پناہ صلاحیتوں اور امکانات سے خوب واقف تھیں۔ یہی جمیلہ ہاشمی شمس الرحمٰن فاروقی کی اہلیہ بنیں اور فاروقی صاحب کی نجی اور ادبی ترقی کا محرک بھی۔ جمیلہ ہاشمی جو شادی کے بعد جمیلہ فاروقی کہلائیں، شعبہ تدریس سے وابستہ تھیں اور کالج کی پرنسپل تھیں۔

شمس الرحمٰن فاروقی غیر معمولی تخلیقی صلاحیتوں کے مالک تھے۔ اپنی بھرپور اور طویل ادبی زندگی میں انھوں نے زبان و ادب کے مختلف گوشوں کو منور کیا۔ ان کی تخلیقی سرگرمیوں کا آغاز زمانہ طالب علمی سے ہی ہو گیا تھا اور ان کی متنوع تحریریں ادبی جرائد میں شائع ہوتی رہیں۔ لیکن ان کی ادبی زندگی کا فیصلہ کن دور ۱۹۶۶ء کے بعد شروع ہوا۔ ۱۹۶۶ء میں انھوں نے اپنی اہلیہ جمیلہ فاروقی کی معاونت سے ادبی جریدے "شب خون" کی اشاعت کا آغاز کیا۔ "شب خون" نہ صرف ہندوستان بلکہ ساری اردو دنیا میں ایک رجحان ساز اور عہد ساز جریدہ ثابت ہوا۔ اس جریدے میں بڑے بڑے شعرا و ادبا کی تحریروں کے ساتھ ساتھ نو آموز اور نوجوان تخلیق کاروں کی تحریروں کی اشاعت کا بھی اہتمام کیا جاتا۔ اس جریدے نے ہندوستان کے کئی نئے لکھاریوں کو متعارف کرایا نیز ان کی ذہن سازی اور تربیت میں بھی کلیدی کردار ادا کیا۔ "شب خون" میں شمس الرحمٰن فاروقی نے تسلسل اور تواتر کے ساتھ لکھا۔ ان کے تنقیدی مضامین نے اردو دنیا کو جدیدیت کے

تصور اور رجحان سے روشناس کرانے میں بنیادی کردار ادا کیا۔ یوں وہ اردو میں جدیدیت کے امام قرار پائے۔ شمس الرحمٰن فاروقی کا اصل میدان انگریزی تھا، اردو ان کی مادری زبان تھی، فارسی پر انھیں کامل دسترس تھی اور سنسکرت، عربی اور فرانسیسی زبانوں سے بھی وہ واقف تھے۔ انگریزی، عربی، فارسی، فرانسیسی، سنسکرت ادب نے ان کی فکر و نظر میں بے پناہ وسعت پیدا کر دی تھی، جس کا اظہار ان کی تخلیقات خاص طور پر تنقیدی افکار میں ہوا۔ لہٰذا اردو میں جدیدیت کے رجحان کو فروغ دینے کے عمل میں انھوں نے محض نقالی نہیں کی بلکہ بدیسی افکار و تصورات کے کامل فہم کے بعد انھیں اپنے ادبی و تہذیبی مزاج سے ہم آہنگ کیا۔ ان کی ناقدانہ تحریریں وسعت مطالعہ اور علمیت کا بین ثبوت ہیں، جن کے ذریعے انھوں نے تنقیدی ڈسکورس بدل ڈالا۔ اردو تنقید کی دنیا کو وسعت دینے کا یہ سلسلہ نصف صدی پر محیط ہے۔ ''شب خون'' چار دہائیوں تک باقاعدگی سے شائع ہوتا رہا اور ۱۹۶۶ء سے ۲۰۰۵ء تک اردو زبان و ادب کے دامن من کو تازہ افکار اور نادر تخلیقات سے وسعت دیتا رہا۔

شمس الرحمٰن فاروقی کے کام کو دیکھ کر انھیں نابغہ روزگار شخصیت کہنا ہی مناسب معلوم ہوتا ہے۔ انھوں نے ادبی صحافت، افسانہ نگاری، شاعری، زبان / لسانیات، تنقید، ناول نگاری اور داستان گوئی میں اپنی غیر معمولی قابلیت کے جوہر دکھائے۔ تراجم بھی فاروقی صاحب کا ایک خاص میدان تھا۔ انھوں نے اردو سے انگریزی اور انگریزی سے اردو میں تراجم کیے۔ انھوں نے اپنے معروف ناول ''کئی چاند تھے سر آسماں'' کا خود ہی انگریزی میں ترجمہ کیا۔ اردو کے ساتھ ساتھ وہ انگریزی زبان میں بھی مسلسل لکھتے رہے۔

شمس الرحمٰن فاروقی کا ایک منفرد کارنامہ داستان گوئی کا احیا بھی ہے۔ انھوں نے اس مردہ صنفِ ادب میں نئی روح پھونک کر اسے پھر سے زندہ کر دیا۔ علم عروض پر بھی عبور حاصل کیا، ابتدائی اردو اور اردو روزمرہ کے لغات مرتب کیے۔ انھوں نے اپنی لیاقت اور قابلیت کی بنا پر نئی نسل کی بھرپور رہنمائی اور تربیت کی۔

شاندار علمی کارناموں کی بنا پر زندگی میں ہی شمس الرحمٰن فاروقی کو لیجنڈ کا درجہ حاصل ہو گیا اور ان کی خدمات کا بھرپور اعتراف کیا گیا۔ حکومت ہند نے ان کی شاندار علمی و ادبی خدمات کے صلے میں انھیں ''پدما شری ایوارڈ''، ''سرسوتی سمان ایوارڈ'' اور ''ساہتیہ اکیڈمی ایوارڈ'' سے نوازا۔ حکومت پاکستان نے انھیں ۲۰۱۰ء میں ''صدارتی ایوارڈ برائے حسن کارکردگی'' عطا کیا۔ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے انھیں ڈی۔ لٹ کی اعزازی ڈگری تفویض کی۔

شمس الرحمٰن فاروقی نے ارسطو کی " Poetcs" کا اردو ترجمہ "شعریات" کے عنوان سے ترقی اردو بورڈ کی فرمائش پر کیا۔ اردو زبان و ادب کا شمس ۲۵۔ دسمبر ۲۰۲۰ء میں الہ آباد میں غروب ہوا۔

ارسطو تعارف اور ذہنی ارتقا

فلسفہ و سائنس اور علم و حکمت کی تاریخ پر ارسطو کے علمی کارناموں اور تحقیقی کاوشوں نے گہرے اور انمٹ نقوش ثبت کیے۔ دو ہزار سال سے زائد عرصہ گزر جانے کے باوجود ارسطو نہ صرف دنیائے علم میں زندہ و زیر بحث ہے بلکہ اس کی بعض تصانیف، نظریات اور اصطلاحات آج بھی رائج اور متعلق ہیں اور اہلِ علم افکار کی وضاحت میں ان کی مدد لیے بغیر نہیں رہ سکتے۔ ارسطو ۳۸۴ء ق۔م میں سٹیگرا (Stagira) میں پیدا ہوا ، جو مقدونیہ کا ایک شہر تھا۔ یہ شہر ایتھنز سے دو سو میل شمال کی طرف واقع تھا۔ ارسطو کے والد کا نام نیکو میکس (Nichomachas) تھا۔ نیکومیکس مقدونیہ کے بادشاہ ایمنٹاس کا شاہی طبیب بھی تھا اور قریبی دوست بھی۔ مقدونیہ کا یہی بادشاہ ایمنٹاس سکندر اعظم کا دادا تھا۔ ابتدائی طور پر ارسطو کی تربیت اور پرورش سائنسی ماحول میں ہوئی اور وہ اپنے باپ کے ساتھ مل کر طب کے شعبے میں مصروف عمل رہا۔ اسی ابتدائی ماحول اور تربیت کا یہ نتیجہ نکلا کہ ارسطو کا رجحان سائنس اور طبعی علوم کی طرف ہو گیا اور بعد ازاں اس نے اپنی غیر معمولی طباعی کی بدولت گراں قدر علمی و سائنسی کارنامے سرانجام دیے اور یونان کے علوم طبعی کا بنیاد گزار بنا۔

باپ کے زیر سایہ علمی تربیت کے ابتدائی مراحل سے گزرنے کے بعد اٹھارہ سال کی عمر میں ارسطو نے حصول علم کے لیے ایتھنز کا رُخ کیا۔ ایتھنز پہنچ کر وہ افلاطون کی اکادمی (Academy) میں داخل ہو گیا۔ ارسطو، افلاطون کی اکادمی (Academy) میں بیس سال تک زیر تعلیم رہا۔ ارسطو کی ذہن سازی، علمی ترقیوں اور غیر معمولی کارناموں میں افلاطون اور اس کی اکادمی نے کلیدی کردار ادا کیا۔ ایک طرف تو افلاطون ہے جو اپنے دور کا عظیم ترین فلسفی اور مایہ ناز استاد ہے جو علم و حکمت میں بے مثال ہے اور دوسری طرف ارسطو جیسا فطین طالب علم ہے۔ ایک جوہر قابل دوسرے جوہر قابل سے اس طرح ملتا ہے جیسے ڈائنامائٹ سے آگ۔ شاگرد نے اُستاد سے جی بھر کر استفادہ کیا۔ لیکن دونوں کی عمروں میں نصف صدی کا فرق تھا جسے بجا طور Generation Gap کہنا مناسب ہو گا۔ ارسطو افلاطون کے افکار، نظریات اور تعلیمات کو آنکھیں میچ کا قبول نہیں کرتا اور نہ ہی وہ استاد کی اندھی تقلید کرنے کے لیے تیار ہے۔ ارسطو کی عظمت کا راز اس کی عدیم

المثال تنقیدی فکر میں پوشیدہ ہے۔ وہ ہر چیز کو اپنی نظر سے دیکھتا ہے۔ ایک سائنسدان کی طرح اس کا تجزیہ کرتا ہے اور ردو قبول میں احتیاط سے کام لیتا ہے۔ اپنی انھیں خصوصیات کے باعث اس نے نہ صرف افلاطون کے تصورات کو اپنی تنقید و تحقیق کی کسوٹی پر کسا بلکہ قبل از سقراطی (Pre- Socratic) فلسفہ و سائنس اور ادب کو بھی تحقیق و تنقید کے بے رحم اور کڑے پیمانوں سے ناپا اور تولا اور پھر بڑے توازن اور متانت سے اپنی رائے دی جو آنے والی صدیوں کے لیے قانون اور نظیر (Precedent) ٹھہری۔ تاہم ارسطو کی ذہن سازی، فکری تربیت اور سائنسی تحقیق میں افلاطون اور اکادمی نے بنیادی کردار ادا کیا اور وہ اگر افلاطون کے زیر تربیت نہ رہتا اور اس سے کسبِ فیض نہ کرتا تو وہ دنیائے علم کے منصب جلیلہ پر بھی فائز نہ ہو پاتا جس پر اس سے قبل کوئی فرد متمکن دکھائی نہیں دیتا۔ ارسطو کی تصانیف کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ ارسطو اپنے جلیل القدر استاد سے اختلاف میں مصروف رہتا ہو گا کیونکہ ارسطو کے زیادہ تر افکار افلاطون کی فکر کا رد عمل (Anti Thesis) ہیں لیکن سچ تو یہ ہے کہ ارسطو نے افلاطون کی زندگی میں اس سے دل کھول کر استفادہ کیا اور دوسری طرف افلاطون بھی ارسطو کی فطانت کا معترف تھا اور کہتا تھا کہ وہ اکادمی کی "عقل مجسم" ہے۔ ارسطو کے ذہنی ارتقا کی تفہیم کے لیے ایک اور توجہ طلب پہلو سے آگاہی بھی ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ اسے کتابیں جمع کرنے کا بے حد شوق تھا۔ ظاہر ہے اس دور میں نہ تو چھاپہ خانہ تھا اور نہ ہی کتب کا حصول عہد حاضر کی طرح آسان، لیکن اپنی کتاب دوستی کے سبب اس نے کتب کا ایک عظیم ذخیرہ جمع کر لیا تھا۔ یہ کتب قلمی نسخوں کی صورت میں تھیں۔ ارسطو سے قبل اس بڑے پیمانے پر کتب فراہم کرنے میں یونان کے عظیم ڈراما نگار پوری پیڈیز نے محنت کی تھی۔ اسی وجہ سے ارسطو کے گھر کو اہل علم "پڑھنے والے کا گھر" کہا کرتے تھے ۔ارسطو نے کتب کا ایک بڑا ذخیرہ جمع کرنے کے ساتھ ساتھ انھیں ترتیب دینے کے اُصول بھی وضع کیے۔ یوں عصر حاضر کی لائبریری سائنس کا اولین معمار بھی ارسطو ہی قرار پاتا ہے۔

ارسطو، افلاطون کی موت تک اکادمی میں زیر تعلیم رہا۔ یہ افلاطون کا فیضان ہی تھا جس کے نتیجے میں اکادمی میں ارسطو جیسا عظیم فلسفی اور سائنسدان پیدا ہوا۔

ارسطو کے ایتھنز میں قیام کے دوران ایک دولت مند شخص ہرمیاز (Hermias) نے اس کی شاگردی اختیار کی۔ ہرمیاز کا شمار اپنے عہد کے دولت مند افراد میں ہوتا تھا۔ وہ جلد ہی اتارنیوس کی شہری ریاست (City State) کا حکمران بن گیا۔ حکمران بننے کے بعد اس نے اپنے استاد ارسطو کو دربار میں بلایا اور اپنی بہن یا بھتیجی ارسطو کے نکاح میں دے دی۔ ارسطو کی دیگر کامیابیوں کے ساتھ ساتھ وہ اس میدان میں بھی

ناکام نہیں ہوا اور سقراط کے برعکس کہ جس کے اپنی بیوی سے سخت اختلافات رہتے تھے ایک خوشگوار ازدواجی زندگی بسر کی۔ اس خاتون نے ارسطو کے بیٹے کو جنم دیا جس کا نام ارسطو نے اپنے باپ کے نام پر نیکو میکس رکھا۔ ارسطو کی اخلاقیات کی معروف کتاب "Nichomachian Ethics" کی تدوین نیکو میکس نے کی تھی۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ اکادمی سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد ارسطو کی علمی شہرت دور دور تک پھیل چکی تھی۔ جس کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ جب مقدونیہ کے بادشاہ فلپ(Philip) کو اپنے بیٹے سکندر کی تعلیم و تربیت کے لیے اتالیق کی ضرورت پڑی تو اس نے ارسطو کی خدمات حاصل کیں اور ارسطو کو پیلا(Pella) بلایا۔

فلپ ایک اولوالعزم حکمران تھا۔ وہ یونان کو متحد کر کے سیاسی انتشار اور معاشی ابتری کا خاتمہ کرنا چاہتا تھا۔ وہ اپنے بیٹے کے ساتھ مل کر یونانی ریاستوں کو متحد کرنا چاہتا تھا۔ اس لیے اس نے سکندر کے حوالے سے بڑے بڑے خواب دیکھے تھے۔ اس نے اپنے بیٹے کو نہ صرف تمام تعلیمی سہولتیں فراہم کیں بلکہ اس کی تربیت کے لیے اپنے عہد کے سب سے بڑے استاد کی خدمات بھی حاصل کیں۔ جب ارسطو، فلپ کے دربار میں پہنچا تو سکندر کی عمر تیرہ(۱۳) سال تھی۔ سکندر ایک جذباتی، مغرور، شراب کا رسیا اور گھوڑوں کا شیدائی۔ سکندر دو سال تک ارسطو کے زیر تربیت رہا۔ اس دوران ارسطو نے سکندر کی تربیت کی بھرپور کوشش تو کی لیکن وہ اس طوفانی طبعیت کے مالک شاگرد کو رام کرنے میں پوری طرح کامیاب نہ ہو سکا۔ فلپ نے اسی لیے ارسطو کو چنا تھا کہ وہ سکندر کو رام کرلے گا لیکن نتیجہ اس کے برعکس تھا۔ البتہ ارسطو اور سکندر کے درمیان تعلقات خوشگوار رہے اور سکندر نے بعد ازاں جس طرح محبت اور عقیدت سے اپنے استاد کا ذکر کیا اور برسر اقتدار آنے کے بعد جس طرح اسے نوازا وہ اس بات کا بین ثبوت ہے کہ دونوں کے درمیان کم از کم تعلقات تو اچھے ہی رہے۔ ارسطو سکندر کو فلسفہ و سائنس کی اعلیٰ تعلیم نہ دے سکا، لیکن اس کی شخصیت پر کچھ نہ کچھ اثرات تو ضرور مرتب کیے۔ وِل ڈیوراں لکھتا ہے کہ:

> "سکندر کی طبعیت میں متحد کرنے کا جو جذبہ تھا وہ کسی حد تک اپنی قوت و وقار میں استاد ارسطو کا مرہون منت تھا، جس طرح ارسطو نے علم کی منتشر دنیا میں ربط و تنظیم پیدا کی اسی طرح اس کے شاگرد سکندر نے منتشر سیاسی وحدتوں کو ایک حکومت کی لڑی میں پرونے کی کوشش کی۔ یوں کہا جاسکتا ہے کہ سکندر نے اس حد تک ارسطو سے ضرور کسبِ فیض کیا کہ وہ انتشار میں نظم پیدا کرے"۔ (۲۰)

اپنے باپ کی موت کے بعد جب سکندر نے اقتدار سنبھالا اور یونان کی شہری ریاستوں کو بزور شمشیر متحد کرنے کے بعد دنیا کی تسخیر کے لیے نکل کھڑا ہوا تو ان ریاستوں کے عوام اس کے تمام جاہ و جلال کے باوصف اس کے حامی نہ تھے۔ فقط حکمران ہی اس کے مطیع اور وفادار تھے۔ ارسطو بھی سکندر کے حامیوں میں پیش پیش تھا کیوں کہ اس نے یونان کی منتشر اور متحارب ریاستوں میں سیاسی وحدت قائم کر لی تھی۔

ارسطو نے ترپن (۵۳) سال کی عمر میں لائیسیم (Lyceum) کے نام سے اپنا مدرسہ قائم کیا۔ لائیسم کے قیام کے بعد ارسطو کے پاس حصولِ علم کے لیے آنے والوں کا تانتا بندھ گیا۔ یہ طلبہ ارسطو کے ساتھ مل کر کھانا کھاتے تھے۔ کھل کر اس سے گفتگو کرتے تھے۔ وہ باقاعدہ کمرہ جماعت میں درس نہیں دیتا تھا بلکہ وہ ورزشی میدان کی روشوں میں ٹہلنے کے دوران طلبہ سے باتیں کیے جاتا تھا۔ ارسطو کا لائیسیم (Lyceum) اکادمی کی فوٹو کاپی نہ تھا بلکہ دونوں دانش گاہوں میں ایک بنیادی فرق تھا۔ اکادمی کے طلبہ ریاضی، فلسفہ، سیاسیات اور فکری مباحث میں مشغول رہتے تھے، اس کے برعکس لائیسیم میں علم الحیات اور طبعی علوم کی تعلیم دی جاتی تھی۔ اکادمی میں داخلے کے لیے ریاضی سے آگاہی لازمی تھی جب کہ لائیسیم میں ایسی کوئی شرط نہ تھی۔ اکادمی نے جلیل القدر علما پیدا کیے جن میں ارسطو سرفہرست ہے اور جس نے صدیوں تک فلسفہ و سائنس اور علم و ادب کو متاثر کیا بلکہ یہ کہنا بے جانہ ہو گا کہ ارسطو کے اثرات کا سلسلہ برابر جاری ہے لیکن لائیسم میں تربیت پانے والوں میں ہمیں افلاطون اور ارسطو کا ہم پلہ تو دور کی بات پاسنگ بھی دکھائی نہیں دیتا۔ اس لیے اکادمی اور لائیسیم کے مابین تقابل میں اکادمی کی برتری کے ثبوت واضح ہیں۔ افلاطون کے مقابلے میں ارسطو کے پاس مالی وسائل بھی زیادہ تھے اور سیاسی لحاظ سے بھی یونان میں سکندر کے طلوع کے بعد استحکام پیدا ہو گیا تھا جس کے اثرات لائیسیم ضرور مرتب ہوئے۔ ان تمام اُمور سے ارسطو نے تو بھرپور استفادہ کیا جن میں سے کچھ کی تفصیل آئندہ صفحات میں آئے گی لیکن لائیسیم اکادمی سے بلند مرتبہ دکھائی نہیں دیتا۔ اس ضمن میں ایک دلچسپ پہلو یہ بھی ہے کہ آج بھی بہت سے اداروں کے ناموں کے کے ساتھ اکادمی کا سابقہ یا لاحقہ دکھائی دیتا ہے جو افلاطون کی دانش گاہ کو خراج تحسین پیش کرنے کا ایک انداز ہے جب کہ لائیسیم کا لفظ محض ارسطو کے احوال و آثار میں ہی زیر بحث آتا ہے۔ اس کے علاوہ خال خال ہی سنائی دیتا ہے۔

ارسطو کو سائنسی تحقیق اور علم کے فروغ کے لیے بے مثل سہولیات میسر تھیں۔ سکندر نے برسرِ اقتدار آکر اپنے استاد کی دل کھول کر امداد کی۔ اس نے مالیوں، شکاریوں، شکار گاہ کے محافظوں اور ماہی گیروں کو حکم دے رکھا تھا کہ ارسطو کو جس حد تک نباتاتی اور حیوانیاتی مواد کی ضرورت ہو، اسے فراہم کر دیا

جائے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے ارسطو نے یونان اور ایشیا میں ایک ہزار کے لگ بھگ آدمی پھیلا دیے تھے جو ہر علاقے سے نباتات اور حیوانات کے نمونے فراہم کرتے تھے۔ ان بے مثال سہولیات اور وسائل کے سبب ہی ارسطو دنیا کا پہلا عظیم الشان چڑیا گھر قائم کرنے میں کامیاب ہوا جس نے سائنسی تجربات میں اس کی مدد کی اور جس کا نتیجہ فلسفہ و سائنس کی ترقی کی صورت میں نکلا۔ ان علمی کاموں کے لیے بے پناہ مالی وسائل کی ضرورت تھی۔ اس لیے قدرتی طور پر یہ سوال اٹھتا ہے کہ ارسطو یہ سب کچھ کرنے میں کیسے کامیاب ہوا؟ ارسطو کے حالاتِ زندگی سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک تو وہ خود غریب آدمی نہ تھا بلکہ اسے مالدار کہنا مناسب ہوگا۔ دوسری بات یہ کہ اس کی شادی ہرمیاز کی بہن یا بھتیجی سے ہوئی تھی۔ ہرمیاز یونان کی شہری ریاست اتارنیوس کا حکمران تھا اور ارسطو کا شاگرد بھی۔ لیکن سکندر نے سائنس اور طبعی علوم کی تحقیق و ترقی کے لیے دل کھول کر ارسطو کو روپیہ فراہم کیا۔

> "مختصر یہ کہ یورپ کی تاریخ میں پہلی بار سائنسی علوم کی تحقیق میں ریاست نے یوں مدد کی اور اخراجات برداشت کیے"۔ (۲۱)

ارسطو جس نے ایک طرف تو منتشر علوم کی شیرازہ بندی کی اور دوسری طرف خود بھی تجربات و مشاہدات میں منہمک رہ کر سائنسی تصورات پیش کیے۔ اس کے پاس سائنسی تجربات کے لیے وہ آلات (Instruments) نہ تھے جو سائنسی تحقیق کے لیے بنیادی بھی ہوتے ہیں اور ضروری بھی اور سائنسی تجربات کو اعتبار اور وقار بخشتے ہیں۔ ارسطو کے پاس وقت کا تعین کرنے کے لیے نہ "گھڑی" تھی اور نہ حرارت کا اندازہ لگانے کے لیے "مقیاس الحرارت" جانداروں کا مشاہدہ کرنے کے لیے نہ "خوردبین" تھی اور نہ ستاروں کا مطالعہ کرنے کے لیے "دوربین"۔ اس کے پاس اس عہد میں فقط دو آلات تھے ایک پرکار (Compass) اور دوسرا مسطر (Rule) اس بے سروسامانی کے عالم میں ارسطو نے عمیق اور دوررس نتائج کے حامل سائنسی تجربات کی توقع رکھنا عبث ہے۔ لیکن اس کے باوجود وہ اپنی خلاقی اور سائنسی رجحان کی بنا پر سائنسی تجربات و مشاہدات میں محو رہا اور اس نوع اور اس درجے کا سائنسی مواد فراہم کیا جو دو ہزار سال تک نصابِ علم کے درجے پر فائز رہا۔ یہ ارسطو کی تحقیق ہی کا نتیجہ ہے کہ ارسطو کے بعد سائنس نے بہت ترقی کی۔

ارسطو کا امتیاز یہ ہے کہ وہ بہت سے علوم کا موسس ہے، بہت سے علوم و فنون اس سے پہلے موجود تھے لیکن ان کے اوراق پریشان تھے اور ماہرین علم، علما اور فلسفیوں کی آرا بکھری پڑی تھیں۔ بعض علوم پر محض ابتدائی نوعیت کے مباحث ہوئے تھے۔ فکر موجود تھی، فلسفہ موجود تھا، سائنس بھی موجود تھی اور سائنسی

طرز فکر کے آثار بھی کہیں دکھائی دیتے ہیں۔ اسی طرح ادب بھی موجود تھا اور ادب پر خیال آرائی بھی کی گئی تھی۔ ا ارسطو نے علم و حکمت کے ان بکھرے ہوئے موتیوں کو ایک لڑی میں پرویا، ایک نظم و ترتیب پیدا کی۔ درست فکر اور صحیح نتائج تک پہنچنے کے لیے اس نے فقط اپنی غیر معمولی ذہنی استعداد کی بدولت ایک نیا علم منطق (Logic) ایجاد کیا اور اسے بہت ترقی دی۔ برٹرنڈ رسل اس حوالے "فلسفہ مغرب کی تاریخ" میں لکھتے ہیں:

"یوں تو ارسطو کا اثر مختلف میدانوں میں بہت زیادہ تھا لیکن سب سے زیادہ منطق میں تھا"۔ (۲۲)

اسی طرح اس نے حیاتیات (Biology) کی بنیاد رکھی اور تجرباتی طریقہ کار اپناتے ہوئے اس علم کے فروغ کے لئے راستہ ہموار کیا۔ یہ سچ ہے کہ " ارسطو سے پہلے منتشر معلومات کے سوا علم حیاتیات کے متعلق کوئی کچھ جانتا بھی نہ تھا"۔ (۲۳) سائنسے علم کبھی جمود کا شکار نہیں رہتا اور سائنس کسی چیز کو حتمی، اٹل اور غیر متغیر نہیں مانتی سو مرور ایام کے ساتھ ارسطو کے سائنسی تصورات و نظریات سائنسی تاریخ کا حصہ بن چکے ہیں لیکن اس کی قبولیت سے انکار ممکن نہیں۔

ارسطو سے قبل ادبی تحقیق ہومر کے چند اقوال افلاطون کے چار مکالموں اور "جمہوریہ" میں افلاطون کی شاعروں پر تنقید تک محدود تھی۔ ارسطو نے استقرائی طریقہ کار اپناتے ہوئے ہومر سے لے کر اپنے عہد تک کے سارے ادب کا نہایت باریکی اور گہرائی سے مطالعہ کر کے ادبی تنقید کے اصول وضع کیے اور فنِ تنقید کی ابتدا کی۔ ارسطو کی (Poetics) کو فن تنقید کی پہلی کتاب ہونے کا شرف حاصل ہے۔ خطابت جو اہل یونان کی دلچسپی کا ایک بڑا میدان تھا، میں بھی ارسطو نے اپنی صلاحیت کے جوہر دکھائے اور ان کے فن پر ایک شہرہ آفاق کتاب رطوریقا (Rhetorics) قلمبند کی۔ یہ تو مختصراً ان شعبہ ہائے علم کا تذکرہ تھا جن کا موسس ارسطو ہے۔ دوسری طرف مختلف موضوعات اور علمی منطقوں میں اس نے کثیر تعداد میں کتب تصنیف کیں۔ اس ضمن میں بعض مورخین ارسطو کی کتب کی تعداد پانچ سو بتاتے ہیں اور بعض ایک ہزار۔ لیکن ارسطو کی جو کتب محفوظ رہ گئیں اور ہم تک پہنچی ہیں ان کی تعداد بھی کچھ کم نہیں۔ ظاہر ہے کہ ارسطو کی تصانیف یونان کا انسائیکلوپیڈیا بریٹی نیکا ہیں جن میں سے اہم کتب "اخلاقیات"، " سیاسیات "، "مابعد الطبیعیات"، "اعضائے حیوانات"، " تخلیق حیوانات"، "حرکات حیوانات"، "طبیعیات"، " فلکیات"، "موسمیات"، "رطوریقا" اور "بوطیقا" ہیں۔

ارسطو نے تمام عمر حصول علم اور تصنیف و تالیف میں بسر کی اور اپنے عہد میں جتنے بھی مروجہ علوم تھے سبھی میں اپنی صلاحیت کا اظہار کیا۔ اس نے اپنی باسٹھ سالہ زندگی میں مقدار اور معیار دونوں اعتبار سے اتنا کام کیا جو ایک انسان نے اس سے پہلے یا اس کے بعد کبھی نہ کیا۔ تبھی تو اسے الفیلوسوف(The Philosopher) کے لقب سے پکارا گیا اور اس کی موت کے بعد دو ہزار سال تک دنیا نے ایسا فلسفی پیدا نہ کیا جسے قریب قریب اس کا ہم پلہ قرار دیا جا سکے لیکن ان سب کارناموں کے باوجود ایتھنز میں حالات ارسطو کے لیے سازگار نہ تھے۔ لوگوں میں اس کی شدید مخالفت پائی جاتی تھی اور لوگ اس کی موت یا جلاوطنی کے خواہشمند تھے اور پھر یوں ہوا کہ ۳۲۳ق۔م میں سکندر اعظم عالم شباب میں چل بسا اور ایتھنز کے لوگوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ وہ شاید اس لمحے کا شدت سے انتظار کر رہے تھے۔ سکندر کی موت کے ساتھ ہی بغاوت نے سر اٹھایا۔ ایتھنز کی آزادی کا اعلان کر دیا گیا اور ساتھ ہی ارسطو کے لیے بھی امتحان کی گھڑی آن پہنچی۔ ایتھنز والوں نے یوری میدون (Eurymedon) کی قیادت میں ارسطو پر بے دینی اور بد چلنی کا الزام لگایا۔ ارسطو نے بھانپ لیا کہ اس کے ساتھ بھی سقراط کی طرح کا سلوک ہونے جا رہا ہے۔ لیکن اس نے دانش مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایتھنز چھوڑ دیا اور اہل یونان کو فلسفہ کے خلاف دوسری بار جرم کا ارتکاب کرنے سے باز رکھا اور ایک سال بعد کچھ عرصہ علیل رہا اور ۳۲۲ ق ۔م میں وفات پا گیا۔ اسی سال یونان کے نامور خطیب دیماستھینیز نے بھی زہر پی کر خودکشی کر لی۔ یونان کی بدقسمتی دیکھیے کہ ایک سال کے عرصے میں اس کا سب سے بڑا فاتح، سب سے بڑا خطیب اور سب سے بڑا فلسفی چل بسے۔

اردو میں مغربی تنقید کے ماخذ: "Poetics" کا تعارف:

ارسطو کی "Poetics" ادبی تنقید کی پہلی کتاب ہے۔ ارسطو سے قبل تنقیدی آرا غیر مربوط، منتشر اور غیر منضبط تھیں۔ تنقید کو باقاعدہ علم یا فن کا درجہ حاصل نہیں تھا اور نہ ہی ادب کا مطالعہ خالصتاً ادبی نقطۂ نظر سے کیا جاتا تھا۔ ہومر کی رزمیہ نظموں "ایلیڈ" اور "اوڈیسی" میں پائے جانے والے تنقیدی اشارے ہلکے، مبہم اور غیر واضح ہیں اور پھر چونکہ یہ دونوں رزمیہ نظمیں ہیں اس لیے اِن میں تنقیدی افکار محض بر سبیل تذکرہ ہی در آئے ہیں۔ وہ شعوری کوشش یا تنقیدی فکر کی آبیاری کی غرض سے نہ تھے۔ اسی طرح ارسطو کے استاد افلاطون (Plato) کے فقط چار مکالمات میں ہومر کی طرح بر سبیل تذکرہ تنقیدی فکر بھی موجود ہے۔ اس کے علاوہ اس کی معروف تصنیف جمہوریہ (Republic) میں اخلاقی و سیاسی حوالے سے شاعری پر تنقید کی

گئی، شاعری کو مخرب الاخلاق قرار دے کر مثالی ریاست سے دیس نکالا دے دیا گیا۔ افلاطون کے ہاں ادب و تنقید کا مطالعہ خود مختار علوم کی حیثیت سے نہیں بلکہ اخلاق، سیاست اور فلسفہ کے تناظر میں ہوا ہے، یوں اس کی آرا و تنقیدی افکار کو صحیح معنوں میں تنقیدِ ادب کے منطقے میں شمار کرنا، اس علم کے ساتھ ناانصافی کے مترادف ہے۔

افلاطون کے شاگرد ارسطو کو یہ شرف و امتیاز حاصل ہے کہ اس نے تمام تر یونانی ادب کا بطور ادب مطالعہ کر کے اصول سازی کی۔ وہ سائنس دان ہونے کے باوصف سائنسی انداز فکر اور طریقہ کار کا دلدادہ تھا اس لیے اس نے ایک سائنس دان کی طرح سب سے پہلے اپنے مطالعہ و تحقیق کی خاطر سارا مواد فراہم کیا، پھر اس کا غیر جذباتی و غیر جانبدارانہ انداز میں مطالعہ کیا اور پھر استقرائی انداز بروئے کار لاتے ہوئے اصول سازی کی۔

یونانی ادب کے مطالعے کے دوران وہ یونانی ادب اور دیگر فنونِ لطیفہ (مصوری، موسیقی) کا تجزیہ بھی کرتا ہے۔ ان کے آغاز و ارتقا کا سراغ بھی لگاتا ہے، اصناف سخن اور المیہ نگاروں کے مابین تقابل بھی کرتا ہے، اصناف سخن کی درجہ بندی بھی کرتا ہے اور ان کی تعریفیں (Definitions) بھی متعین کرتا ہے، ادب کی تشریح اور اثرات کی وضاحت کے لیے اصطلاحات بھی وضع کرتا ہے اور مروجہ اصطلاحات کو نئے معانی بھی عطا کرتا ہے۔ یوں ارسطو کے استقرائی، منطقی، تجزیاتی اور سائنسی مطالعے کے نتیجے میں تنقیدِ ادب کی پہلی کتاب "Poetics" معرض وجود میں آتی ہے۔ جو مغربی تنقید کا ماخذ ٹھہری۔

"Poetics" میں المیہ پر تفصیلی بحث کی گئی ہے جبکہ طربیہ، رزمیہ، پرجوش شرابی کورس اور شعری زبان پر اختصار سے لکھا گیا۔ یہ کتاب چھبیس ابواب پر مشتمل ہے جن میں سے شروع کے پانچ ابواب موضوع کے تعارف پر مشتمل ہیں۔ چودہ ابواب المیہ (Tragedy) کے تفصیلی مطالعے پر مشتمل ہیں۔ تین ابواب میں شعری زبان پر بحث کی گئی ہے اور آخری چار ابواب رزمیہ شاعری (Epic Poetry) اور تنقیدی اعتراضات اور ان کے جوابات کا احاطہ کرتے ہیں۔

یہاں اس امر کی صراحت بھی ضروری ہے کہ "Poetics" کی تصنیف کے دوران ایک طرف تمام تر یونانی ادب ارسطو کے پیشِ نظر تھا۔ وہاں دوسری طرف افلاطون کے "جمہوریہ" میں شاعری پر کیے گئے اعتراضات بھی اُس کے پیشِ نظر تھے۔ ارسطو نے افلاطون کے اعتراضات کی حد تک کمال مہارت، چابکدستی اور اور خلاقی کا مظاہرہ کرتے ہوئے نہ صرف تمام اعتراضات کا شافی جواب فراہم کیا بلکہ کہیں بھی اپنے استاد کا

نام تک نہیں لیا۔ یوں ارسطو اپنی غیر معمولی تنقیدی صلاحیت کی بنا پر "Poetics" کا خالق اور "معلم اوّل" قرار پایا۔

یوں کہا جا سکتا ہے کہ ارسطو کے افکار یونانی شاعری، فنون لطیفہ اور افلاطون کے افکار کے مطالعے کا نتیجہ ہیں۔ جس طرح ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ارسطو فکر و فلسفہ کے میدان میں اپنے استاد سے اختلاف کرتا ہے۔ اسی طرح وہ تنقید کے میدان میں بھی اختلاف کے نتیجے میں اپنا نظریہ وضع کرتا ہے یوں یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک طرف ارسطو، افلاطون کا "Anti thesis" ہے تو دوسری طرف ارسطوئی افکار افلاطونی فکر و فلسفہ کا "Antithesis" بھی ہیں اور اگر افلاطونی فکر نہ ہوتی تو ارسطو کے افکار بھی معرض وجود میں نہ آتے۔ ارسطو نے اپنے تنقیدی افکار "Poetics" میں پیش کیے ہیں۔

"Poetics" جو کہ چھبیس ابواب پر مشتمل ہے۔ سب سے پہلے ارسطو نے ایک مختصر مگر نہایت ہی جامع تعارف پیش کرتے ہوئے "بوطیقا" کی تصنیف کا مقصد شروع میں ہی واضح کر دیا کہ وہ صرف اور صرف شاعری اور اس کی مختلف اقسام پر سکلام کرنا چاہتا ہے، اچھی نظم کے پلاٹ اس کے اجزائے ترکیبی اور مختلف حصوں پر بحث کرنا چاہتا ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ شاعری پر محض شاعری کی حیثیت سے تنقید کرنا چاہتا ہے اور افلاطون کی طرح اسے سیاسیات اور اخلاقیات کی روشنی میں نہیں پرکھنا چاہتا۔ تعارف میں اس نے دو مذید اہم نکات کی طرف توجہ دی۔ ایک تو یہ کہ اس نے معاصر یونانی اصناف سخن کا ذکر کیا، جن میں رزمیہ، المیہ، طربیہ اور پرجوش شرابی کورس شامل ہے اور سب سے اہم نکتہ یہ بھی واضح کیا کہ یہ سب نقل/ ترجمانی (Mimesis/Imitation) کے طریقے ہیں۔ لیکن ان کے نقل کرنے کے ذریعے موضوع اور طریقے ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔

یوں ارسطو "Poetics" کے تعارف میں اس کی تصنیف کا مقصد، یونانی اصناف سخن، نقل اور نقل کے طریقوں سے بحث کرتا ہے۔ یہ تعارف یا تمہید "Poetics" کو ایک نہایت ہی مضبوط بنیاد فراہم کرتی ہے اور "Poetics" کے مابعد مباحث یہیں سے پھوٹتے اور پروان چڑھتے ہیں۔

اس کے بعد ارسطو نے نقل یا نمائندگی کے ذرائع پر بحث کرتے ہوئے واضح کیا کہ:

"ایک فن اور ہے جو محض زبان کے ذریعے نمائندگی کا عمل کرتا ہے۔ یہ نمائندگی نظم یا نثر کے ذریعے اور نظم میں ایک ہی بحر میں یا مختلف البحر ہو سکتی ہے۔ لیکن یہ فن اب تک بے نام رہا ہے"۔ (۲۴)

یعنی یہ بات واضح کر دی کہ شعر و ادب میں نقل (Mimesis) کے لیے الفاظ کو بطور ذریعہ استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کے برعکس مصوری رنگوں اور رقص موزوں حرکات و سکنات کا ذریعہ (Medium) استعمال کرتی ہے۔

دوسرے باب میں ارسطو شاعرانہ نمائندگی کے موضوع کا جائزہ لیتے ہوئے نمائندگی کا موضوع انسانوں اور خصوصاً میدان عمل میں سرگرم انسانوں کو بتاتا ہے، گویا نمائندگی کا موضوع انسانی عمل ہے۔ تیسرے باب میں وہ شاعرانہ نمائندگی کے طریقے کی وضاحت کرتے ہوئے بتاتا ہے کہ:

"شاعر یا تو بیانیہ (Narration) کا طریقہ استعمال کرتا ہے یا وہ تمام کرداروں کو حرکت و عمل کی حالت میں ڈرامائی طور پر پیش کرتا ہے"۔ (۲۵)

یوں شاعر "بیانیہ" یا "عملیہ" (in the form of narration or in the form of action) طریقے سے اپنا مدعا پیش کرتا ہے۔

"Poetics" کے چوتھے باب میں ارسطو نے شاعری کے آغاز کی دو بنیادی وجوہات بتائیں:

ایک نقل کا جذبہ جو جبلی طور پر انسان میں موجود ہوتا ہے۔ انسان نقل کے ذریعے سیکھتا بھی ہے اور نقل دیکھ کر لطف اندوز بھی ہوتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ سریلی آواز اور آہنگ کے لیے احساس بھی ہماری جبلت میں شامل ہے۔ ان جبلی اور فطری میلانات سے ابتدا کر کے بتدریج فی البدیہہ کوششوں کے نتیجے میں شاعری نے جنم لیا۔ اس کے بعد شعرا دو حصوں میں بٹ گئے۔ ایک ایسے شعرا تھے جو اچھے اور متین اعمال کی نمائندگی کرتے تھے اور دوسرے وہ جو کم تر لوگوں کے اعمال کی نمائندگی کرتے تھے۔ اوّل الذکر سے المیہ اور آخر الذکر سے طربیہ کا ارتقا ہوا۔

پانچویں باب میں ارسطو نے طربیہ کے آغاز، طربیہ کی تعریف اور رزمیہ اور المیہ کا موازنہ کیا ہے۔ ارسطو نے طربیہ کی تعریف کچھ یوں کی ہے:

"طربیہ ادنی اور کم تر درجے کے کرداروں کو پیش کرتا ہے۔ رزمیہ والمیہ کے موازنے میں اس نے وضاحت کی کہ دونوں اعلیٰ اور بلند تر قسم کے کرداروں کی

نمائندگی کرتے ہیں۔ رزمیہ طویل اور المیہ نسبتاً مختصر ہوتا ہے۔ رزمیہ ایک ہی بحر پر مشتمل ہوتا ہے اور بیانیہ نیا انداز کا حامل ہوتا ہے جبکہ المیہ میں اعمال کو عملی صورت میں پیش کیا جاتا ہے۔ المیہ میں رزمیہ کے تمام عناصر موجود ہیں، رزمیہ میں المیہ کے سارے عناصر موجود نہیں لہٰذا جو شخص المیہ کا ناقد ہو گا وہ رزمیہ کا محاکمہ اور جائزہ بھی لے سکتا ہے"۔ (۲۶)

اس باب میں المیہ کی طوالت پر بحث کرتے ہوئے ارسطو نے ایک ایسا جملہ قلمبند کیا جو بعد ازاں نہ صرف تنقیدی موشگافیوں کا موجب بنا بلکہ اس سے دیگر اصولوں کا استنباط کرنے کی کوشش بھی کی گئی۔ پہلے جملہ ملاحظہ ہو:

"المیہ میں شاعر کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ جہاں تک ممکن ہو، اس کے واقعات چوبیس گھنٹوں کے اندر یا اس سے کچھ ہی زیادہ عرصے میں تمام ہو جائیں"۔ (۲۶)

یہاں سے ارسطاطلیسی ناقدین نے وحدتِ زمان (Unity of Time) کا تصور اخذ کیا۔ بعد ازاں "وحدت عمل" (جس پر آئندہ صفحات میں بات ہو گی) اور "وحدتِ مکاں" کے تصورات بھی پیش کیے گئے۔ یہ ایک ایسا تفصیل طلب موضوع ہے جس پر بہت خامہ فرسائی کی جا چکی ہے۔ یہاں ان نکات کو دہرانا مناسب نہیں۔ البتہ ایک نکتے کی صراحت ضروری ہے کہ "Poetics" کے مباحث میں "وحدتِ زمان" اور "وحدتِ عمل" کے تصورات تو موجود ہیں البتہ "وحدتِ مکاں" کا سراغ کہیں نہیں ملتا۔ اسے غلط طور پر پر ارسطوئی افکار سے وابستہ کر دیا کیا گیا ہے۔

"Poetics" کا چھٹا باب سب سے اہم اور کلیدی قدر و قیمت کا حامل ہے۔ اس باب میں ارسطو المیہ کی تعریف اس کے اجزائے ترکیبی اور ان کی درجہ بدرجہ اہمیت بیان کی ہے، اس باب کو "بوطیقا" کی روح اور عطر کہنا موزوں ہو گا۔

ارسطو المیہ کی تعریف کچھ اس طرح کرتا ہے:

"لہٰذا، المیہ ایسے عمل کی نمائندگی ہے جو سنجیدہ، توجہ کے لائق، بذات خود مکمل اور ایک خاص حجم کا حامل ہو، اس کی زبان ہر طرح کے صنائع بدائع سے مزین ہوتی ہے، جو ڈرامے کے مختلف حصوں میں ان کی مناسبت سے استعمال ہوتے ہیں۔ اس کی

ہیئت بیانیہ نہیں بلکہ عملیہ ہوتی ہے اور یہ درد مندی اور خوف کے ذریعے ان جذبات
کی اصلاح اور مناسب تنقیہ کرتا ہے"۔ (۲۷)

ارسطو کی یہ تعریف "Poetics" کا نچوڑ ہے۔ آنے والے ابواب میں ارسطو نے انھیں بنیادی باتوں کی تفصیل بیان کی اور اصول اخذ کیے۔ اسی باب میں ارسطو نے المیہ کے اجزائے ترکیبی بھی بتائے جن میں پلاٹ، کردار، کلمہ بندی، فکر، سینری اور گیت شامل ہیں۔

اس باب میں ارسطو نے المیہ کی تعریف اور اس کے اجزائے ترکیبی کے بیان کے ساتھ ساتھ ان اجزا کی اہمیت پر بھی اظہار خیال کیا ہے۔ ارسطو نے ان عناصر کو ان کی اہمیت کے اعتبار سے پہلے سے چھٹے نمبر پر ترتیب سے پیش کر کے المیہ (Tragedy) میں ان کی اہمیت، کردار اور افادیت کا تعین کیا۔ المیہ کے اجزائے ترکیبی میں ارسطو پلاٹ کو سب سے زیادہ اہمیت کا حامل قرار دیتے ہوئے بتاتا ہے کہ:

"پلاٹ المیہ کا اصل الاصول اور گویا اس کی روح ہے"۔ (۲۸)

دوسرے نمبر پر وہ کردار کو جگہ دیتا ہے اور بتاتا ہے کہ:

"کردار کا مرتبہ ثانوی ہے"۔ (۲۹)

ارسطو کے نزدیک پلاٹ اور کردار کے بعد فکر (Thought) کا مقام ہے۔

" اہمیت کے تیسرے درجے پر فکر ہے۔ فکر سے مراد ہے کسی مقررہ صورتحال میں
ایسی بات کہنے کی صلاحیت جو ممکن اور مناسب ہو"۔ (۳۰)

فکر کے بعد ارسطو کلمہ بندی (Diction) کو جگہ دیتا ہے ارسطو کے نزدیک کلمہ بندی سے مراد الفاظ کے ذریعے معنی کی ادائیگی ہے۔ پانچویں نمبر پر گیت اور چھٹے نمبر سینری آتی ہے۔ ان دونوں عناصر کو ارسطو "تزئینی اجزا" قرار دیتا ہے یعنی ان اجزا کا تعلق المیہ کے حسن سے ہے۔ سینری کا تعلق شاعری سے کم اور اسٹیج کی آرائش سے زیادہ ہے۔

ساتویں باب میں ارسطو نے پلاٹ اور اس کے حدود کا ذکر کیا ہے۔ جیسا کہ المیہ کی تعریف میں بیان کیا گیا کہ:

"المیہ کسی ایسے عمل کی نمائندگی ہے جو بذات خود مکمل، سالم اور ایک خاص قسم
کے حجم کا حامل ہو۔ حجم کی شرط اس لیے ہے کہ ممکن ہے کوئی عمل اپنی جگہ سالم تو ہو
لیکن حجم سے خالی ہو۔ سالم اسے کہتے ہیں جو آغاز، وسط اور انجام رکھتا ہو"۔ (۳۱)

گویا المیہ کا پلاٹ مناسب حجم کا حامل ہونے کے ساتھ ساتھ آغاز، وسط اور انجام پر مشتمل ہوتا ہے اور اس کے تمام حصوں میں مناسب اور منطقی ربط پایا جانا بھی لازم ہے۔

اس باب میں ارسطو کے قلم سے خوبصورتی پر ایک فقرہ نکلا جو اپنی معنویت، اہمیت اور افادیت کی بنا پر نہ صرف امر ہو گیا بلکہ ایک اہم اور دور رس نتائج کے حامل جمالیاتی فلسفے کی بنیاد بھی بنا۔ جملہ کچھ یوں ہے:

"خوبصورتی کا دارومدار جسامت اور حسنِ ترتیب پر ہے"۔ (۳۲)

ایک چھوٹے سے جملے میں جہانِ معنی پنہاں ہے اور فلسفۂ حسن اور جمالیات کے منطقوں میں غور و فکر اور نظریہ سازی کرنے والوں نے اس جملے کو نہ صرف حرزِ جاں بنایا بلکہ اس سے لامحدود روشنی اور بصیرت حاصل کی۔

"Poetics" کا آٹھواں باب پلاٹ کی وحدت (Unity of Plot) کا احاطہ کرتا ہے۔ ارسطو کا خیال ہے کہ پلاٹ میں سالم عمل کو پیش کرنا چاہیے اور اس کے مختلف حصوں میں ایک تعمیری ربط اور نامیاتی وحدت ہونی چاہیے۔ اگر پلاٹ کا کوئی ایک حصّہ بھی نکال دیا جائے یا اس کی جگہ بدل دی جائے تو سارا پلاٹ ہی درہم برہم ہو جائے گا:

" کیونکہ ایسی چیز جس کی موجودگی یا غیر موجودگی سے کوئی فرق دکھائی نہ دے
مکمل ڈھانچے کا نامیاتی حصّہ نہیں ہو سکتی"۔ (۳۳)

"Poetics" کی نویں باب میں ارسطو نے شاعرانہ سچائی اور تاریخی سچائی کے مابین امتیاز کی وضاحت کی ہے۔ ارسطو نے یہاں کمال مہارت اور دانشمندی سے شاعر اور مؤرخ کے کام کے اختلاف کا ذکر کیا۔

"اصل فرق یہ ہے کہ مؤرخ صرف وہی باتیں لکھتا ہے جو ہو چکی ہیں اور شاعر ان باتوں کا ذکر کرتا ہے جو واقع ہو سکتی ہیں"۔ (۳۴)

اس بنیادی مگر اختلاف کی بنا پر ارسطو شاعری کو تاریخ کی نسبت زیادہ "فلسفیانہ چیز" قرار دیتا ہے، جو آفاقی چیزوں کے اظہار کی طرف مائل ہے۔ اس کے برعکس تاریخ "مخصوص حقائق" سے ہی سروکار رکھتی ہے۔ شاعری اور تاریخ میں تقابل کے نتیجے میں شاعری کی برتری ظاہر کرنے کے بعد ارسطو نے شاعری کے بارے میں مزید وضاحت کی کہ:

اس لیے ضرورت ہے کہ وہ (شاعر) تین میں سے ایک شے کی نمائندگی کرے:
اول، اشیا جیسی کہ وہ ہیں یا تھیں۔

دوم، اشیا جیسی کہ انھیں بیان کیا یا سمجھا جاتا ہے۔
سوئم، اشیا جیسی کہ انھیں ہونا چاہیے"۔ (۳۵)

اس مقام پر ارسطو نے کمال ہنر مندی اور چابکدستی سے افلاطون کا نام لیے بغیر اس کے تصور نقل کو نہ صرف مسترد کر دیا جس کے مطابق فنکار نقل کی نقل کرتا ہے بلکہ اس کا نہایت ہی شافی جواب بھی فراہم کر دیا۔ ارسطو کی فکر کا کمال اور اس کے فن کی عظمت کا ایک راز یہ بھی ہے کہ وہ ایک طرف تو فرسودہ اور پیش پا افتادہ تصورات کو رد کرتا چلا جاتا ہے اور دوسری طرف اپنی غیر معمولی ذہنی استعداد کی بدولت نئے افکار کے موتی بھی بکھیرتا چلا جاتا ہے۔

دسویں باب میں ارسطو پیچیدہ اور غیر پیچیدہ پلاٹ کی بحث سے یہ اصول دریافت کرتا ہے کہ پیچیدہ پلاٹ میں حالات کی تبدیلی، تقلیب (Revolution) یا دریافت (Discovery) دونوں یا کسی ایک کے نتیجے میں عمل میں آتی ہے۔ تقلیب یا دریافت کو پلاٹ کے داخلی ڈھانچے سے برآمد ہونا چاہیے اور وہ گزشتہ واقعات کا نتیجہ بھی ہو۔

گیارھویں باب میں ارسطو نے تقلیب، دریافت اور دردناکی کی تعریفات کرنے کے ساتھ ساتھ یونانی ادب کے حوالوں اور مثالوں سے اس کی وضاحت بھی کی ہے۔

تقلیب کے بارے میں ارسطو کہتا ہے کہ:

"صورت حال کی تقلیب سے مراد یہ ہے کہ واقعات کا رُخ پھر کر بالکل مخالف سمت میں جا پڑے"۔ (۳۶)

لیکن تقلیب کے لیے ارسطو نے قانون لزوم (Law of Necessity) اور قانونِ احتمال (Law of Probability) کی پابندی کو ضروری قرار دیا ہے۔

ارسطو کے نزدیک "لاعلمی کا علم میں بدل جانا دریافت کہلاتا ہے"۔ (۳۷)

دردناک منظر سے مراد تکلیف یا تباہی کا باعث بننے والا منظر ہے، جس میں جسمانی اذیت، کرب، موت یا زخم خوردگی وغیرہ شامل ہے۔

بارھویں باب میں ارسطو نے بہ لحاظ کمیت المیہ کے حصّوں کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ پرلوگ، اپی سوڈ، ایکسوڈ اور کورس گیت، المیہ کے کمیتی اجزا ہیں۔ کورس گیت میں پیروڈ اور اسٹاسی مون بھی شامل ہیں۔

"Poetics" کے تیرھویں باب میں ارسطو نے المیاتی عیب کے بارے میں بتایا ہے۔ علمیاتی عیب سے مراد المیہ کے ہیرو کی کوئی ایسی خرابی، کمزوری یا عیب ہے جو اس کے مصائب کا باعث بن جائے۔ المیاتی عیب کے بارے میں ارسطو کا خیال ہے کہ:

"اس (ہیرو) کی مصیبت کا سرچشمہ کوئی بدی یا فسق و فجور نہیں بلکہ کوئی غلطی یا انسانی کمزوری ہو"۔ (۳۸)

یہیں سے ارسطا طلیسی ناقدین نے "Hamartia" کا نظریہ اخذ کیا۔ بعد ازاں اس تصور کو مختلف ناقدین اور شارحین نے مختلف معنی پہنائے اور مختلف ڈرامہ نگاروں اور فنکاروں کو اس تصور کو اپنے اپنے انداز میں استعمال کیا۔ برنارڈ شا کے ڈراموں میں "Hubris" یعنی غرور اور گھمنڈ کا تصور موجود ہے۔ بعض شارحین نے "Hamartia" کی تشریح فیصلے کی غلطی بھی کی ہے۔ اس کے علاوہ اس تصور سے "اخلاقی کمزوری" کا تصور بھی اخذ کیا گیا۔

پندرھویں باب میں ارسطو المیہ کے کرداروں کی وضاحت کرتے ہوئے بتاتا ہے المیہ کردار نگاری لیے چار باتیں ضروری ہیں:

پہلی بات یہ کہ کردار نیک ہو، دوسری چیز رعایت ہے، تیسری ضروری شرط یہ ہے کہ کردار جیتا جاگتا ہونا چاہیے اور چوتھی بات یہ ہے کہ کردار نگاری میں یکساں روی کو بطور خاص ملحوظ خاطر رکھا جائے۔

کردار نگاری میں لازمی اور قرین قیاس باتوں کو ملحوظ خاطر رکھنا چاہیے۔ مشینی لطیفہ غیبی (Ex-Machina) کا استعمال محض ان واقعات میں ہو جو ڈرامے سے قبل یا بعد پیش آئے ہوں۔ پلاٹ اور کردار کے مقابلے میں ارسطو پلاٹ کی بنیادی اور کردار کی ثانوی اہمیت کا قائل ہے۔ اس حوالے سے سجاد باقر رضوی نے بڑی پتے کی بات بتائی ہے کہ:

"ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پلاٹ اور کردار کے درمیان کسی ایک کی فضیلت کا مسئلہ اس کے عہد کا بحث طلب مسئلہ تھا۔ ارسطو بنیادی طور پر المیہ کو انسانوں کی تقلید نہیں کہتا بلکہ انسانی عمل کی تقلید کہتا ہے۔ اس لیے پلاٹ جو انسانی افعال کی کڑیوں کا سلسلہ ہوتا ہے، المیہ میں کردار پر فوقیت رکھتا ہے اور یہی المیہ کا بنیادی جزو ہے اور اس کی روح ہے۔ کردار کی حیثیت ثانوی ہے"۔ (۳۹)

سولھویں باب میں ارسطو نے دریافت کی مختلف اقسام کی وضاحت کرتے ہوئے بتایا کہ اس کی پہلی اور کم فنکارانہ قسم نشانیوں کے ذریعے دریافت ہے، دوسری قسم کی دریافت شاعر مصنوعی طور پر ایجاد کرتا ہے، تیسری قسم کی دریافت کا دارومدار حافظے پر ہوتا ہے، چوتھی قسم کی دریافت تعقل اور استدلال سے پیدا ہوتی ہے اور پانچویں قسم کی دریافت واقعات ہی کی مدد سے وجود میں آتی ہے۔ ارسطو سب سے فنکارانہ نوع کی دریافت اسے قرار دیتا ہے جو ڈرامے کے واقعات ہی کا نتیجہ ہو اس کے بعد استدلال کی مدد سے ہونے والی دریافت کا درجہ آتا ہے۔

سترھویں باب میں ارسطو المیہ نگاری کے لیے ضروری ہدایات فراہم کرتا ہے۔ اس مقام پر وہ پانچ بنیادی مگر اہم نکات کی طرف توجہ دلاتا ہے۔ پہلی بات یہ ہے کہ المیہ کا پلاٹ تعمیر کرنے اور اسے موزوں الفاظ سے مزین کرنے کے دوران شاعر کو چاہیے کہ وہ جس منظر کی عکاسی کر رہا ہے، اسے چشمِ تصور کے سامنے رکھے۔ دوسری بات یہ ہے کہ شاعر انھیں حرکات و سکنات سے کام لے جو المیہ سے مناسبت رکھتی ہیں۔ کرداروں سے ہم احساسی (Empathy) پیدا کرے اور انھیں جیسے جذبات اپنے اندر ابھارے۔ تیسری بات یہ ہے کہ شاعر اپنی کہانی کا ایک خاکہ تیار کرے اور بعد ازاں اس میں مختلف واقعات کا رنگ بھرے۔ اس کے بعد کرداروں کے نام متعین کرے اور آخر میں (پانچویں نمبر پر) مناظر درج کرے۔ یہاں اس امر کو بطور خاص ملحوظ رکھے کہ وہی مناظر درج کرے جو پلاٹ سے مربوط ہوں۔

اٹھارھویں باب میں ارسطو نے المیہ لکھنے والے شاعروں کو کچھ مزید ہدایات دی ہیں۔ اس باب میں خاص طور پر بتایا گیا کہ "پیچ اور سرانجام" المیہ کے دو حصے ہوتے ہیں۔ جو واقعات پلاٹ سے باہر ہوتے ہیں مگر ان واقعات سے جوڑ دیے جاتے ہیں جو پلاٹ میں شامل ہوتے ہیں یوں پیچ وجود میں آتا ہے۔ اس کے بعد جو کچھ بھی ہے وہ سرانجام ہے۔ گویا کہانی کے آغاز سے حالات کی تبدیلی تک پیش آنے والے حالات واقعات پیچ کی صورت گری کرتے ہیں۔ اس کے بعد ارسطو نے اس باب میں المیہ کی چار قسمیں یعنی پیچیدہ، سادہ، اخلاقی اور دردناک کا ذکر کیا ہے۔ اس کے بعد ہدایت دی ہے کہ رزمیہ نظم کا ڈھانچہ المیہ کے لیے موزوں نہیں۔ رزمیہ طویل اور المیہ اختصار کی حامل صنف ہے۔ اس کے بعد کورس کے بارے میں بتایا کہ اسے سوفوکلیز کی طرح ڈرامے کا حصہ بنانا چاہیے۔

انیسویں باب میں ارسطو نے نہایت اختصار کے ساتھ فکر (Thought) اور کلمہ بندی (Diction) کو زیر بحث لایا ہے۔ فکر المیے کا تیسرا اور کلمہ بندی المیے کا چوتھا عنصر ہے۔ ارسطو نے بوطیقا میں

فطری ترتیب سے المیہ کے اجزا کا اندراج کر کے انھیں زیر بحث لایا ہے۔ فکر کے حوالے سے اس نے بتایا کہ اس ضمن میں اس نے فنِ خطابت پر اپنی معروف تصنیف "Rhetorics" میں جو لکھا ہے وہ المیہ پر بھی صادق آتا ہے۔ فکر اسی میدان سے متعلق ہے۔ کلمہ بندی (Diction) کا تعلق بھی ارسطو کے خیال میں طرز تقریر سے ہے۔ اس میں سوال و جواب، بیان، التجا، دھمکی اور حکم وغیرہ شامل ہیں۔

بیسویں باب میں ارسطو نے زبان کے حوالے سے بات کی ہے۔ یہ ساری بحث بہت ہی بنیادی نوعیت کی ہے اور اس کے مطالعے سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ علم لسانیات ابھی عہد طفلی میں ہے اور اس کے ابجد پر غور و فکر کا آغاز ہو رہا ہے۔ اس باب میں ارسطو بتاتا ہے کہ:

"زبان عمومی طور پر مندرجہ ذیل اجزا پر مشتمل ہوتی ہے: حرف، سالمہ، حرف عطف، اسم، فعل، شکل تعریفی اور جملہ یا فقرہ"۔ (۴۰)

اس کے بعد ارسطو نے درجہ بالا اصطلاحات کی تعریفیں اور تشریحات کی ہیں۔ فی زمانہ ان مباحث کی حیثیت محض تاریخی نوعیت کی رہ گئی ہے۔ عزیز احمد اس ضمن میں رقم طراز ہیں کہ:

"زبان کے متعلق ارسطو نے جو بحث کی ہے وہ تنقید یا نظریہ تنقید کے نقطہ نظر سے قطعاً بیکار ہے۔ اس زمانے میں علم لسانیات، علم صوتیات اور علم قواعد زبان سب عالم طفلی میں تھے اور فلسفی ان سے کچھ کچھ دلچسپی لے رہے تھے"۔ (۴۱)

اکیسویں باب بعد میں ارسطو نے کلمہ بندی (Diction) پر بحث کی ہے۔ انیسویں باب کی طرح یہاں بھی زبان کے حوالے سے بنیادی نوعیت کی باتوں کو زیر بحث لایا گیا۔ اس باب میں ارسطو نے الفاظ کی اقسام بتاتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"ہر لفظ مروج یا دخیل یا استعاراتی یا تزئینی یا گھڑا ہوا، مطول یا مخفف یا مبدل ہوتا ہے"۔ (۴۲)

الفاظ کی اقسام گنوانے کے بعد ارسطو نے لفظ کی ہر قسم کی تعریف اور وضاحت کی، جس کا دہرانا طوالت کا باعث ہو گا اور فی زمانہ ان مباحث کی حیثیت محض تاریخی ہے۔

"Poetics" کا بائیسواں باب اسلوب کی بحث پر مشتمل ہے۔ باب کے آغاز میں ارسطو نے ایک کلیدی اہمیت کا حامل جملہ تحریر کیا کہ:

"اسلوب کا کمال یہ ہے کہ وہ واضح لیکن پیش یا افتادہ نہ ہو"۔ (۴۳)

اس کے بعد ارسطو نے شاعری میں روزمرہ الفاظ، ناموس الفاظ، استعاراتی ونادر الفاظ اور مطول الفاظ کے استعمال کی بحث چھیڑی جس کا لب لباب یہ ہے کہ کسی بھی نوع کے الفاظ کے استعمال میں اعتدال وتوازن ضروری ہے۔ نہ روزمرہ الفاظ کا کثرت سے استعمال مستحسن ہے اور نہ ہی غیر معمولی الفاظ کا اسی طرح استعاراتی الفاظ کا کثرت سے استعمال کلام کو معما بنا دیتا ہے۔ اس بحث کو ارسطو نے کچھ یوں سمیٹا ہے:

> "ان مختلف طریقہ ہائے اظہار اور علیٰ ہذاالقیاس مرکب الفاظ، نادر یا ناموس الفاظ وغیرہ کو بہ حسن وخوبی استعمال کر لینا معرکے کی بات ہے۔ یہ واحد صلاحیت ہے جو کسی کو سکھائی نہیں جا سکتی۔ یہ نابغہ کی علامت ہے کیونکہ استعاروں کو خوبی سے استعمال کرنے کی لیاقت مشابہتوں کو محسوس کر لینے کی قوت پر دلالت کرتی ہے"۔ (۴۴)

بوطیقا کے تئیسویں باب میں ارسطو نے رزمیہ شاعری(Epic Poetry) کے بنیادی اجزا اور اصولوں کو زیر بحث لاتے ہوئے بتایا کہ یہ بھی المیہ کی طرح نمائندگی / نقل ہے جو ایک بحر کا استعمال کرتی ہے. اس کا انداز بیانیہ ہوتا ہے اور ایک مرکزی موضوع بھی۔ اس کا پلاٹ بھی واحد عمل پر مشتمل اور آغاز، وسط اور انجام پر محیط ہونا چاہیے۔ اس سے بھی المیہ والا لطف ہی حاصل ہوتا ہے اور یہ تاریخ سے مختلف شے ہے۔ تاریخ ایک پورے عہد کو زیر بحث لاتی ہے جبکہ رزمیہ ایک عمل کو۔ رزمیہ نظم بھی غیر معمولی طوالت کی حامل نہ ہو بلکہ اس کی طوالت کو مناسب حدود و قیود کا پابند رکھا جائے۔ یہاں اس نے بعض ایسی رزمیہ نظموں کا حوالہ بھی دیا جو ضرورت سے زیادہ طویل ہیں اور ان سے کئی المیے برآمد کیے جاسکتے ہیں۔

ارسطو نے ہومر کی رزمیہ نظموں "ایلیڈ" اور "اوڈیسی" کو فنی اعتبار سے بہترین نظمیں قرار دیتے ہوئے ہومر کی فنکارانہ، شاعرانہ اور تکنیکی صلاحیت کو سراہا۔

"Poetics" کے چوبیسویں باب میں ارسطو نے رزمیہ شاعری پر مزید روشنی ڈالتے ہوئے سب سے پہلے اس امر کی وضاحت کی کہ المیہ کی طرح رزمیہ کی بھی چار قسمیں ہوتی ہیں۔ سادہ پیچیدہ، اخلاقی اور دردناک المیہ۔ رزمیہ اور المیہ کے حصوں میں بھی اشتراک پایا جاتا ہے۔ صرف منظر اور گیت وہ عناصر ہیں جو صرف المیہ کے عناصر شمار کیے جاتے ہیں۔ رزمیہ، المیہ سے طویل ہوتی ہے مگر اس طوالت میں بھی اعتدال ہونا چاہیے۔ رزمیہ کی طوالت اور بیانیہ اسلوب کی بدولت اس میں وہ مناظر اور واقعات بھی پیش کیے جاسکتے ہیں جو المیہ میں اس لیے نہیں پیش کیے جاسکتے کہ المیہ اختصار کا حامل ہوتا ہے اور اس کا انداز عملی ہوتا ہے۔

ارسطو رزمیہ کے لیے ہیروئی بحر کو مناسب خیال کرتا ہے۔ ارسطو نے اس باب میں بھی اسلوب، پیش کش اور واقعات کے انتخاب کی بنا پر ہومر کی شاعرانہ عظمت اور انفرادیت کو سراہا ہے۔ اس باب کا انداز تقابلی اور تجزیاتی ہے۔

"Poetics" کا پچیسواں باب تنقیدی اعتراضات اور ان کے جوابات کا احاطہ کرتا ہے۔ اس باب میں ارسطو نے ایک مرتبہ پھر اس بات کا اعادہ کیا کہ مصوری کی طرح شاعری بھی نقل / نمائندگی (Imitation) ہے۔ اس لیے وہ تین میں سے ایک شے کی نمائندگی یا نقل کرتی ہے۔

"اوّل اشیا جیسی کہ وہ ہیں یا تھیں۔ دوئم، اشیا جیسی کہ انھیں بیان کیا یا سمجھا جاتا ہے۔ سوئم، اشیا جیسیکہ انھیں ہونا چاہیے"۔ (۴۵)

ارسطو نے یہاں ایک اور بنیادی نکتے کی صراحت بھی کر دی کہ دوسری فنون کا درستی کا معیار اور ہے اور شاعری میں درستی کا معیار اور- وہ بتاتا ہے کہ:

"شاعری میں دو طرح کے نقائص ہو سکتے ہیں۔ اوّل تو وہ جو اس کی اصل پر اثر انداز ہوں، دوئم وہ جو ضمنی اور اتفاقی ہوں"۔ (۴۶)

اگر کوئی شخص شاعرانہ صلاحیت سے عاری ہونے کے باوجود شعر کہتا ہے اور غلطیوں کا ارتکاب کرتا ہے تو وہ شعر کا اصلی نقص یا عیب شمار کیا جائے گا۔ اس کے برعکس اگر خامی یا نقص غلط انتخاب کی بنا پر ہے تو اصلی عیب شمار نہ ہو گا۔ ارسطو یہاں گھوڑے کی دائیں ٹانگوں کو بیک وقت اٹھاتے ہوئے دکھانے اور علم طب کی غلط تفصیلات کے اندراج کی مثالیں دے کر بتاتا ہے کہ اگر شاعر نے ایسی غلطیاں کیں تو وہ اس کے اصل عیوب شمار نہ ہوں گے۔ یہاں ارسطو دراصل شاعرانہ آزادی کے تصور کی بات کرتا دکھائی دیتا ہے۔ اس باب میں بیان کی گئی دیگر تفصیلات متذکرہ بالا نکات کی صراحت اور وضاحت ہیں۔ اس باب کے آخر میں ارسطو نے تنقیدی اعتراضات کے پانچ سرچشموں یعنی چیزوں کا ناممکن ہونا، اخلاقی طور پر تکلیف دہ ہونا، تضاد پر مبنی ہونا، غلط یا خلاف عقل ہونا، کا ذکر کیا ہے۔

بوطیقا کے چھبیسویں اور آخری باب میں ارسطو نے رزمیہ اور المیہ کا موازنہ کیا ہے۔ رزمیہ اور المیہ کے موازنے اور تقابل کے نتیجے میں ارسطو المیہ کی برتری ثابت کرتا ہے۔ وہ بتاتا ہے کہ المیہ میں رزمیہ کے تمام عناصر موجود ہونے کے ساتھ ساتھ موسیقی اور مناظر جیسے تزئینی اور اضافی اجزا شامل ہوتے ہیں جو المیہ

کی وقعت، اہمیت اور اثر پذیری میں اضافہ کا باعث بنتے ہیں۔ اس کے علاوہ رزمیہ کے مقابلے میں المیہ کا اختصار بھی اس کی نمایاں خصوصیت اور برتری کا سبب ہے۔

اس بحث کو ارسطو کچھ یوں سمیٹتا ہے:

"اب اگر المیہ ان تمام پہلوؤں سے رزمیہ پر فوقیت رکھتا ہے اور اس پر طرّہ یہ کہ فن کی حیثیت سے اپنا تفاعل بہتر طریقے سے ادا کرتا ہے کیونکہ فن کے لیے ضروری ہے کہ وہ محض ضمنی یا اتفاقی لطف نہیں بلکہ جیسا میں کہہ چکا ہوں ایسا لطف پیدا کرے جو اس سے مخصوص ہے تو یہ نتیجہ بالکل صاف ہے کہ المیہ افضل فن ہے، کیونکہ وہ اپنے مقصود کو زیادہ مکمل اور بے عیب طور پر حاصل کرتا ہے"۔ (۴۶)

اس اقتباس سے جہاں المیہ کی رزمیہ پر فوقیت اور فضیلت کا اظہار ہوتا ہے وہاں ایک نہایت ہی قابل توجہ اور باریک نکتہ یہ بھی ابھرتا ہے کہ المیہ کا مقصد قاری کو لطف فراہم کرنا ہے لیکن یہ محض اتفاقی اور ضمنی لطف نہیں بلکہ ایسا لطف ہے جو رحم اور خوف کے جذبات کو ابھار کر ان کا تزکیہ اور اصلاح (Katharsis) کرے۔

"Poetics" کی اہمیت:

ارسطاطلیسی کتب، رسائل اور تصورات میں "شعریات" نمایاں مقام و مرتبے کی حامل ہے۔ مشرق و مغرب میں جس، فلسفی عالم اور نقاد نے بھی فلسفہ، ادبیات اور فکر انسانی کے ارتقا کو اپنے مطالعے، تحقیق اور تجزیے کا موضوع بنایا، ارسطو کی اس تصنیف کو بطور خاص قدر کی نگاہ سے دیکھا اور اس میں پیش کیے گئے افکار و تصورات کو سراہا۔ ارسطو کی یہ مختصر تصنیف ادب و تنقید اور فکر و فلسفہ کے بنیادی تصورات کی فراہمی کی کلید بھی ہے اور خزانہ بھی۔ اس کتاب میں ارسطو نے فنونِ لطیفہ، شاعری، ادب اور تنقید کے حوالے سے سب سے پہلے گہرا غور و فکر کیا، ادب کا بطور ادب مطالعہ و تجزیہ کیا، شاعری کی ماہئیت، اہمیت اور اثرات کا مطالعہ، تجزیہ اور اپنے فکر فلک رس کو بروئے کار لا کر ایسی نظریہ سازی کی جو اہل ادب اور ناقدین فن کے لیے خضر راہ ثابت ہوئی۔ ول ڈیوراں (Will Durant) ارسطو کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ:

"یوں کہنا چاہیے کہ گویا جمالیات، حسن اور آرٹ کے نظریات کا مؤسس وہی (ارسطو) ہے ----- لیکن اس نے تطہیر کا جو نظریہ پیش کیا ہے۔ وہ ایسا خیال انگیز

ہے کہ ابد تک اس کے وسیلے سے ہم آرٹ یا فن کی اس قوت کو سمجھنے کی کوشش کر سکتے ہیں، جو بعض اوقات باطنی قوتوں کی طرح پر اسرار معلوم ہوتی ہے۔ یہ نظریہ اس بات کی روشن مثال ہے کہ وہ ہر دائرے میں قیاس آرائی کر سکتا تھا اور اکسیر گر کی طرح جس چیز کو چھوتا تھا، کندن بن جاتی تھی"۔ (۴۷)

جیسا کہ گزشتہ سطور میں تحریر کیا گیا کہ ارسطو کی "شعریات" نے فکر انسانی کے ارتقا اور ادبی نظریہ سازی میں نہایت اہم کردار ادا کیا۔ یہ ارسطو کی غیر معمولی ذہنی استعداد اور سائنسی اندازِ فکر کی کرشمہ سازی ہے کہ یہ مختصر سی تصنیف علم و فن کا خزانہ بن گئی۔ شمس الرحمٰن فاروقی کے خیال میں:

"اس بات کو بہر حال ارسطو کی فکر کا اعجاز ہی کہنا چاہیے کہ اس چھوٹے سے رسالے میں کم سے کم تین طرح کے مباحث کی سمائی ہو گئی ہے۔ سب سے پہلے تو اسے فلسفہ شعر کی کتاب کہنا چاہیے۔ دوسری طرف یہ رسالہ رزمیہ اور المیہ شاعری پر اصولی اور نظریاتی بحث کرتا ہے۔ اس کی تیسری اور ہمارے نقطۂ نظر سے سب سے کارآمد حیثیت یہ ہے کہ اس میں ارسطو نے المیہ اور رزمیہ شاعروں کے لیے ہدایت نامہ مرتب کیا ہے کہ وہ کیا کریں اور کیا نہ کریں"۔ (۴۸)

شمس الرحمٰن فاروقی کے نشان زد کردہ درجہ بالا شعریات کی اہمیت کے تین پہلو دراصل بوطیقا کی اہمیت کے تین لازوال عناصر ہیں۔ صدیاں بیت گئیں، ڈھائی ہزار سال میں علم و فن اور ادب و تنقید کی دنیا ارتقا کی بڑی بڑی منازل طے کرتی چلی گئی لیکن شعریات کی اہمیت میں کسی عہد میں بھی کمی نہیں آئی اور نہ شاید کبھی آئے گی۔ اس ضمن میں میاں محمد شریف نے اپنی کتاب "جمالیات کے تین نظریے" میں بڑی پتے کی بات لکھی ہے کہ:

"ارسطو کے بوطیقا والے نظریۂ المیہ سے بڑھ کر تاریخ ادب کو شاید ہی کسی اور نظریے نے متاثر کیا ہو، قابل ذکر بات یہ ہے کہ دو ہزار سال سے زیادہ عرصہ گزر جانے پر بھی اس کے اثرات بدستور قائم ہیں، آج بھی اس کی اکثر باتوں کو نظری اور عملی دونوں طور پر تسلیم کیا جاتا ہے"۔ (۴۹)

میاں محمد شریف کی یہ رائے نہایت ہی صائب اور مبنی بر حقیقت ہے۔ سجاد باقر رضوی، میاں محمد شریف کی رائے سے اتفاق اور اس میں اضافہ کرتے ہیں کہ:

"تنقیدی تصورات کے ارتقا میں بوطیقا کے نظریات ایک عظیم اہمیت کے حامل ہیں ۔ ارسطو کے اس رسالے نے عہد بہ عہد ادبی تصورات اور تنقیدی نظریات کو متاثر کیا ہے۔ آج ہمارے عہد میں بھی بوطیقا کی اہمیت اتنی ہے کہ مغربی تنقید میں نو ارسطاطلیسی مدرسہ فکر پیدا ہو گیا ہے جو ارسطو کے طریق کار کو ادبی تنقید کے لیے مستحسن سمجھتا ہے"۔ (۵۰)

نہ صرف نو ارسطاطلیسی مدرسۂ فکر بلکہ ادبی تنقید سے وابستہ و متعلق ہر نقاد اور تجزیہ کار نے ارسطو کے افکار کو اہمیت دی اور ان کے مطالعے سے رہنمائی اور دانائی دونوں کا اکتساب کیا۔

ارسطو کے تنقیدی افکار کی اہمیت سے شعریات کے مترجم اور انگریزی نقاد سینٹسبری (Saintsbury) کا یہ قول توضرب المثل کی حیثیت اختیار کر چکا ہے کہ:

"جو شخص بھی نقاد بننا چاہتا ہے اس کے لیے ارسطو کا مطالعہ از بس ضروری ہے"۔ (۵۱)

میں اس میں یہ کہہ کر اضافہ کروں گا کہ جس طرح عالمی ادب و شاعری کی روایت سے شناسائی اور اس کی تفہیم کے لیے ہومر (Homer) کا مطالعہ اور اس کی تصانیف سے شناسائی ضروری ہے، اسی طرح تنقیدی فکر سے آگہی ارسطوئی افکار کے مطالعے کے بغیر ناممکن ہے۔

ارسطو کا کارنامہ یہ ہے کہ وہ بہت سے سائنسی اور عمرانی علوم کا موسس ہے۔ منطق، نفسیات اور حیاتیات کے علوم کی بنیاد اسی نے رکھی اور ان کے بنیادی تصورات بھی فراہم کیے۔ درجہ بالا علوم کی طرح وہ "فن تنقید" کا بنیاد گزار بھی ہے۔ اس نے تنقیدی اوراق کی شیرازہ بندی نہیں کی بلکہ تنقیدی فکر کو ایک سانچے میں ڈھالا۔ اس کے بعض افکار معاصر ادب پر تبصرہ ہونے کے باعث عارضی، وقتی اور ہنگامی نوعیت کے قرار دیے جاسکتے ہیں لیکن اس کے بہت سے افکار و تصورات اور اصطلاحات آفاقی حیثیت، اہمیت اور افادیت کی حامل ہیں۔ ان اصطلاحات سے ہر عہد میں ادب کی تفہیم اور نظریہ سازی کے لیے مواد حاصل کیا جاتا رہے گا۔ اس ضمن میں ڈاکٹر جمیل جالبی کے درجہ ذیل الفاظ شعریات پر بصیرت افروز تبصرے کی حیثیت رکھتے ہیں:

"ارسطو سے لے کر ایلیٹ تک اگر مغرب کی تنقید نگاری پر نظر ڈالی جائے تو مغرب کی تنقید یا ارسطو سے اتفاق کے نتیجے میں یا اختلاف کے نتیجے میں یا ان دونوں کے

امتزاج سے پیدا ہوئی ہے۔ غرض کہ مغرب کی تنقید میں ارسطو ایک خدا کی طرح قائم و دائم ہے اور تنقید کوئی پہلو کوئی راستہ اختیار کرے، اس کے حلقۂ اثر سے باہر نہیں جا سکتی"۔ (۵۲)

مغرب میں تنقیدی فکر اور اصول تنقید کے ارتقا میں ارسطوئی افکار کو مضبوط بنیاد کا درجہ حاصل ہے۔ گویا مغربی تنقید میں ارسطو اقلیدس کی مبادیات کی مانند اٹل بھی ہے اور حکمی بھی۔ نہ صرف مغرب بلکہ جدید اردو تنقید کے ارتقا اور اصول سازی میں بھی ارسطو کے افکار کو بنیادی اہمیت حاصل رہی ہے۔ جدید اردو تنقید کے ارتقا میں مغرب کے تنقیدی افکار و تصورات کا خاصا عمل دخل دکھائی دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جدید اردو تنقید پر قلم اٹھانے والوں اور اردو تنقید کے ارتقا پر کتب تصنیف کرنے والوں نے اپنے مطالعات کا آغاز ارسطو سے کیا ہے۔ اس ضمن میں چند اہم اور بنیادی کتب میں سے اقتباسات ملاحظہ کیجیے:

ڈاکٹر سید عبداللہ نے اردو تنقید پر اپنی بنیادی نوعیت کی کتاب "اشاراتِ تنقید" میں لکھا ہے کہ:

"ارسطو پہلا مفکر تھا جس نے چند خالصتاً جمالیاتی اصول قائم کیے ------ اور جمالیات کے علم کی بنیاد رکھی"۔ (۵۳)

اسی طرح ڈاکٹر عبادت بریلوی "اردو تنقید کا ارتقا" میں رقمطراز ہیں کہ:

"ارسطو کے نظریۂ شعر سے ساری دنیا نے اثرات قبول کیے"۔ (۵۴)

سید عابد علی عابد نے "اصول انتقاد ادبیات" میں ارسطو کے تنقیدی افکار کے حوالے سے درجہ ذیل جملے تحریر کیے ہیں:

"یورپ میں انتقاد ادبیات پر پہلی کتاب ارسطو کی کتاب "الشعر" ہے---- جس شخص نے خالصتاً ادب کو سامنے رکھ کر اس پر ایک مکمل انتقادی کتاب لکھی ہے، وہ ارسطو ہی ہے۔ اس سے پہلے جو کچھ لکھا گیا وہ محض مختصر اور مبہم سے اشارات پر مشتمل ہے"۔ (۵۸)

محمد سلیم الرحمٰن ارسطو کی "بوطیقا" کی اہمیت کے بارے میں کہتے ہیں کہ:

"اگر خالصتاً ادبی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو ارسطو کی دو ہی تصانیف خصوصی توجہ کی مستحق ہیں۔ ایک تو "بوطیقا" جس کی اہمیت کے بارے میں کچھ کہنا تحصیل حاصل ہے اور دوسری "طوریقا"۔ (۵۶)

درجہ بالا اقتباسات سے ایک طرف تو ارسطو کی "Poetics" کی ہے اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے اور دوسری طرف اردو تنقید اور ناقدین پر اس کے اثرات کا ثبوت بھی ملتا ہے۔ بوطیقا کی اردو زبان میں اہمیت کا ایک بین ثبوت یہ بھی ہے کہ بیسویں صدی میں اس کتاب کے چار تراجم ہوئے اور جید ناقدین نے اس کی اہمیت، اثرات اور اصطلاحات کی شرحیں لکھیں۔ اردو زبان میں بوطیقا کے تراجم اور تشریحات سے اس امر کا احساس بھی بخوبی ہوتا ہے کہ ڈھائی ہزار سال قبل تصنیف کی گئی کتاب عصر حاضر کے ادبی مسائل سے کس قدر متعلق (Relevant) ہے۔

اردو زبان میں "بوطیقا" میں درج افکار و تصورات کی اہمیت کا اندازہ اس پہلو سے بھی بخوبی ہوتا ہے کہ ڈاکٹر وزیر آغا نے مشرقی و مغربی تنقیدی افکار و تصورات اور جدید و قدیم علوم کے غائر مطالعے کے بعد جب اردو تنقید میں "امتزاجی تنقید" (Synthetic Criticism) کا نظریہ پیش کیا تو ارسطو کے افکار و تصورات کو بھی ان کی اہمیت کے باعث اس تنقیدی نظریے میں جگہ دی۔ اس ضمن میں ڈاکٹر وزیر آغا کے افکار ملاحظہ ہوں:

> "امتزاجی تنقید تخلیقی عمل کے باب میں افلاطون اور ارسطو کے نظریوں اور جمالیاتی حظ کی تحصیل کے سلسلے میں ارسطو اور لانجائنس کے نظریوں کے امتزاج کو بطور پس منظر قبول کرنے پر مائل ہے کیوں کہ اس کے نزدیک تخلیقی عمل میں تخلیق کار ایک طرف تو ذات کی لازوال اور بیکراں روشنی کا نظارہ کرتا ہے تو دوسری طرف اس نور ازل کو سنگ، سر، رنگ اور لفظ وغیرہ کے ذریعے صورت پذیر ہوتے ہوئے دیکھتا ہے۔-----ایک طرف وہ کیتھارسس کے ذریعے جذباتی تشنج سے رہائی پاتا ہے اور دوسری تخلیق کے حسن سے آشنا ہو کر عالم وجد میں چلا جاتا ہے، علاوہ ازیں وہ تخلیقی عمل کے دوران خود ہی تخلیق کا خالق بھی ہوتا ہے اور قاری یا ناظر بھی"۔ (۵۷)

درج بالا اقتباس سے یہ حقیقت آئینہ ہو جاتی ہے کہ بوطیقا جو کہ مغربی تنقید کا ماخذ (Source) بھی ہے اور بنیاد بھی، کے تصورات عہدِ موجود میں ادب کی تفہیم کے لیے کس قدر سود، مندِ لابدی، اہم اور کارآمد ہیں۔

"Poetics" میں زیر بحث لائے گئے جو افکار و تصورات اور اصطلاحات مغربی تنقید کی حیثیت سے امر رہیں گے، ان کا ارسطو کا نقل(Mimesis)کا تصور، شاعری کی بمقابلہ تاریخ آفاقی و عمومی حیثیت ،ارسطو کا کیتھارسس کا نظریہ، شاعر و فن کار کو دی گئی ہدایات، المیاتی عیب(Hamartia) کا تصوراور فن کا مقصد و مدعا۔ بطور خاص قابل ذکر ہیں۔

علم و ادب کی تاریخ میں درجہ بالا افکار و تصورات کی موافقت اور مخالفت میں لکھنے والو نے دفتر کے دفتر سیاہ کر ڈالے اور سچ تو یہ ہے کہ جس قدر مباحث نے طول پکڑا اسی قدر الجھنیں اور ابہام بھی پیدا ہوئے، لیکن خامہ فرسائی کا سلسلہ نہ صرف تسلسل و تواتر سے جاری رہا بلکہ ابھی تک نہ رکا ہے اور نہ کبھی رُکے گا۔ کیونکہ:

> "آج سے تقریبا دو ہزار تین سو سال پہلے جو سوال ارسطو نے اٹھائے تھے وہ آج بھی زندہ ہیں اور ادبی تنقید کے ایک لامتناہی سلسلے کا آغاز کرتے ہیں۔ اس وجہ سے ذہن انسانی کی تاریخ میں بوطیقا کی ایک دائمی اہمیت ہے۔ بوطیقا کے بغیر آپ کا مطالعہ نامکمل ہے۔ اس کے بغیر آپ مغرب کی قدیم و جدید تنقیدی و ادبی روایت کو نہیں سمجھ سکتے"۔ (۵۸)

حوالہ جات

۱۔ مرزا حامد بیگ، ڈاکٹر، فنِ ترجمہ نگاری، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، ۲۰۱۹ء، ص ۴۶

۲۔ حسن الدین احمد، فن ترجمہ (مضمون) مشمولہ، فنِ ترجمہ کاری، پورب اکادمی، اسلام آباد، ۲۰۱۵، ص ۱۵

۳۔ فاخرہ نورین، ڈاکٹر، ترجمہ کاری، ادارہ تحقیقات اردو، اسلام آباد، ۲۰۱۴، ص ۱۶۰

۴۔ Oxford Advanced learners Dictionary, p 1438

۵۔ Schleiermacher, on different methods of Translating, 1992, p 36

۶۔ Reiss, K.Text Types Translation Types and Translation assessment, translate by. A. Chesterman, 1989, p 105-15

۷۔ مرزا حامد بیگ، ڈاکٹر، ایضاً، ص ۶۵

۸۔ ظہور الدین، پروفیسر، فن ترجمہ نگاری (مضمون) مشمولہ، فنِ ترجمہ کاری، پورب اکادمی، اسلام آباد، ۲۰۰۵، ص ۱۳۲

۹۔ فاخرہ نورین، ڈاکٹر، ایضاً، ص ۱۹

۱۰۔ Dryden, Metaphrase, paraphrase and Immitation, in R Schulte, 1992, p 36

۱۱۔ مرزا حامد بیگ، ڈاکٹر، ایضاً، ص

۱۲۔ گوئٹے، (مکتوب) بنام ایڈلف فریڈرک، محررہ ۲۷ جنوری ۱۸۲۷ء

۱۳۔ گوئٹے، (مکتوب) ایضاً

۱۴۔ توحید احمد، (مترجم) تقابلی ادب: ایک تنقیدی جائزہ، از سوسن بیسنٹ، پورب اکادمی، اسلام آباد، ۲۰۱۵، ص ۸

۱۵۔ H. Remark

۱۶۔ توحید احمد، ایضاً، ص ۴۴

۱۷۔ توحید احمد، ایضاً، ص ۲۰

۱۸۔ توحید احمد، ایضاً، ص ۱۸

۱۹۔ اعجاز حنیف، ڈاکٹر، عزیز احمد: شخصیت و فن، پورب اکادمی، اسلام آباد، ۲۰۱۴، ص ۲۲

۲۰۔ عابد علی عابد، سید، (مترجم)، داستانِ فلسفہ، ازول ڈیوراں، ص ۱۰۰

۲۱۔ عابد علی عابد، سید، ایضاً، ص ۱۰۲

۲۲۔ فلسفہ مغرب کی تاریخ، پورب اکادمی، اسلام آباد، ۲۰۰۶ء، ص ۲۵۲

۲۳۔ عابد علی عابد، سید، ایضاً، ص ۱۱۸

۲۴۔ شمس الرحمٰن فاروقی، (مترجم)، شعریات، ازارسطو، فکشن ہاؤس، لاہور، ۲۰۱۹، ص ۵۱

۲۵۔ شمس الرحمٰن فاروقی، ایضاً، ص ۵۶

۲۶۔ ایضاً، ص ۶۳

۲۷۔ ایضاً، ص ۶۴

۲۸۔ ایضاً، ص ۶۷

۲۹۔ ایضاً، ص ۶۷

۳۰۔ ایضاً، ص ۶۸

۳۱۔ ایضاً، ص ۶۹

۳۲۔ ایضاً، ص ۶۹

۳۳۔ ایضاً، ص ۷۲

۳۴۔ ایضاً، ص ۷۳

۳۵۔ ایضاً، ص ۱۲۱

۳۶۔ ایضاً، ص ۷۷

۳۷۔ ایضاً، ص ۷۷

۳۸۔ ایضاً، ص ۸۵

۳۹۔ شجاد باقر رضوی، ڈاکٹر، مغرب کے تنقیدی اصول، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۲۰۰۸ء، ص ۶۲-۶۳

۴۰۔ شمس الرحمٰن فاروقی، ایضاً، ص ۱۰۴

۴۱۔ عزیز احمد، ایضاً، ص ۲۶

۴۲۔ شمس الرحمٰن فاروقی، ایضاً، ص ۱۱۱

۴۳۔ ایضاً، ص ۱۰۷

۴۴۔ ایضاً، ص ۱۱۳-۱۱۴

۴۵۔ ایضاً، ص ۱۲۱

۴۶۔ ایضاً، ص ۱۲۱

۴۷۔ ول ڈیوراں، داستانِ فلسفہ، مترجم سید عابد علی عابد، مجلس ترقی ادب لاہور---ص ۳

۴۸۔ شمس الرحمٰن فاروقی، ایضاً، ص ۶

۴۹۔ میاں محمد شریف، پروفیسر، جمالیات کے تین نظریے، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۶۳، ص ۶

۵۰۔ سجاد باقر رضوی، مغرب کے تنقیدی اصول، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۲۰۰۸ء، ص ۴۱-۴۲

۵۱۔ میاں محمد شریف، پروفیسر، ایضا ً، ص ۳

۵۲۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، ارسطو سے ایلیٹ تک، نیشنل بُک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، ۲۰۱۹، ص ۲۹

۵۳۔ سید عبد اللہ، ڈاکٹر، اشارات تنقید، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۸۶ء، ص ۲۳

۵۴۔ عبادت بریلوی، ڈاکٹر، اردو تنقید کا ارتقا، انجمن ترقی اردو، کراچی، ۲۰۱۴، ص ۵۳

۵۵۔ عابد علی عابد، سید، اصول انتقادِ ادبیات، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۶۶ء، ص ۱۱

۵۶۔ محمد سلیم الرحمٰن، یونانی مشاہیر ادب، (قدیم دور) توسین، سرکلر روڈ، لاہور، ۱۹۹۲ء، ص ۳۳

۵۷۔ وزیر آغا، ڈاکٹر، تنقید اور جدید اردو تنقید، انجمن ترقی اردو، کراچی، ۲۰۱۴ء، ص ۸۷-۸۸

۵۸۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، ارسطو سے ایلیٹ تک، نیشنل بُک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، ۲۰۱۹، ص ۹۵

باب: دوم

"Poetics" کے منتخبہ اردو تراجم کا انگریزی متن سے تقابل

اردو زبان میں دستیاب "Poetics" کے تمام تراجم کی ماخذ زبان انگریزی ہے۔ انگریزی کو عصرِ حاضر میں عالمی زبان کا رتبہ حاصل ہے۔ ایک طرف انگریزی ایک زندہ و متحرک زبان کی حیثیت سے مائل بہ ارتقا ہے تو دوسری طرف انگریزی زبان نے دنیا کی بہت سی زبانوں پر اثرات مرتب کیے ہیں۔ جن زبانوں نے انگریزی زبان کے علمی و لسانی ذخیرے سے استفادہ کیا ہے، ان میں اردو زبان بھی شامل ہے۔ انگریزی کی طرح اردو بھی ایک زندہ و ترقی پذیر زبان ہے، جس نے اپنی زندگی کے ارتقائی سفر میں سنسکرت، ہندی، فارسی، عربی کے علاوہ انگریزی زبان سے بھی بہت کچھ حاصل کیا ہے۔ انگریزی اور اردو زبان میں باہمی اثرات کا سلسلہ انگریزوں کی ہندوستان آمد سے ہی شروع ہو جاتا ہے۔ گو بیسویں صدی کے وسط میں ہندوستان کی آزادی اور پاکستان کے قیام کے بعد انگریز ہندوستان سے وطن واپس لوٹ گئے لیکن انگریزی کے عالمی رابطے اور علم کی زبان کی صورت اختیار کرنے کے باعث اثرات کا سلسلہ متواتر جاری ہے۔

> "اس وقت اردو کی ترقی کا زیادہ تر دارومدار انگریزی زبان پر ہے۔ انگریزی کے طرز بیان، اسلوب، قواعد، ذخیرۂ الفاظ اور اصطلاحات نے اردو پر خاطر خواہ اثر ڈالا ہے۔ اردو میں تراجم کا زیادہ تر ذخیرہ انگریزی ہی کی وساطت سے آیا ہے اور اصطلاحات کا ترجمہ بھی انگریزی سے کیا جاتا ہے"۔ (۱)

اردو چونکہ ایک ترقی پسند، وسیع القلب اور تغیر پذیر زبان ہے، اس لیے اس نے ایک طرف تو انگریزی زبان سے ہونے والے تراجم کے باعث اپنے دامن میں وسعت پیدا کی ہے، جس کا تذکرہ متذکرہ بالا اقتباس میں بھی ہوا ہے۔ دوسری طرف انگریزی زبان کے سیکڑوں الفاظ اور اصطلاحات اردو کا جزو بن کر اس کی لسانی و علمی ترقی کا سبب بنے ہیں۔

"Poetics" کے منتخبہ اردو تراجم کے انگریزی متن سے تقابل سے قبل انگریزی و اردو زبانوں کے ارتقا اور باہمی اثر پذیری کا مطالعہ دلچسپی سے خالی نہ ہو گا۔

انگریزی زبان صدیوں کے لسانی ارتقا کے بعد عصر حاضر کی سب سے موثر، طاقتور اور عالمی زبان کی صورت میں ابھری ہے۔ اس کے ارتقا میں رومی سلطنت کے موجودہ برطانیہ پر حملے اور ان کی زبان لاطینی کے اثرات کا سراغ ملتا ہے۔ انگریزی زبان میں انتیس(۲۹) فیصد لاطینی الفاظ کی موجودگی لاطینی زبان کے انگریزی پر اثرات کا پتہ دیتی ہے، جن میں سے بہت سے الفاظ و اصطلاحت فی زمانہ مروج و مستعمل ہیں۔ طاقتور رومی سلطنت کی یلغار اور ان کی زبان کے اثرات کے بعد دوسرا قابل ذکر واقعہ جس نے انگریزی زبان کی صورت پذیری میں اپنا کردار ادا کیا وہ جرمینک ہجرت (Germanic Migration) تھی۔ جرمنی کے علاقے سیکسینی سے لوگ ہجرت کر کے موجودہ انگلستان پہنچے اور جو زبان وہ اپنے ساتھ لے گئے اس کی مقامی زبان سے آمیزش سے اینگلو سیکس(Anglo- Saxon) یا قدیم انگریزی(Old English) کے خدوخال نمایاں ہوئے۔

چھٹی صدی عیسوی میں انگلستان پر عیسائیت کے اثرات مرتب ہونا شروع ہوئے۔ انگلستان میں سینٹ آگسٹائن کی آمد ہوئی اور انہوں نے لوگوں کو عیسائیت کی تبلیغ کرنا شروع کی۔ وہ اپنے ساتھ بائیبل اور دوسری عیسائی مذہب کی کتب بھی لائے۔ یہ کتب لاطینی، یونانی اور سریانی زبانوں میں تھیں۔ یہ اس دور کی علمی و مذہبی زبانیں تھیں۔

آٹھویں سے گیارہویں صدی کے دوران وائکنگ حملوں(Viking Invasions) کا آغاز ہوا، یہ سلسلہ تین صدیوں تک جاری رہا۔ وائکنگ موجودہ سویڈن، ڈنمارک اور ناروے کے باشندے تھے جو سمندر کے راستے انگلستان میں وارد ہوئے۔ ان کی زبانوں کے اثرات نے بھی انگریزی زبان پر اثرات ڈال کر اس کی صورت پذیری میں اپنا حصّہ ڈالا۔ گیارہویں صدی عیسوی میں انگلستان پر نارمن حملہ ہوا۔

نارمن فرانسیسی باشندے تھے اور وہ فرانس سے انگلستان پر حملہ آور ہوئے تھے۔ نارمنوں کی انگریزوں کے ساتھ جنوبی ساحلی علاقوں میں جنگ ہوئی جس میں انگریزوں کی شکست کے نتیجے میں نارمنوں نے انگلستان پر قبضہ کر لیا۔ یہ لوگ اپنے ساتھ فرانسیسی اور لاطینی زبانیں لائے۔ ان کے زمانۂ اقتدار میں انگریزی زبان پر فرانسیسی اور فرانسیسی کے وسیلے سے کچھ مزید لاطینی الفاظ انگریزی کا حصّہ بنے۔ انگریزی الفاظ Justice، Liberty اور Journey، اسی دور کی یادگار ہیں۔

پندرھویں اور سولھویں صدی میں نئے علاقوں، ملکوں اور براعظموں کی دریافت کا سلسلہ شروع ہوا۔ کرسٹوفر کولمبس نے امریکہ دریافت کیا۔ انگریزوں کے نقطہ نظر سے جہاز رانوں نے نئے علاقے (ملک اور براعظم) دریافت کیے۔

اٹھارھویں اور انیسویں صدی میں انگلستان ایک طاقتور سیاسی و معاشی طاقت کی صورت میں ابھرنا شروع ہوا جہاں پرتگالیوں اور فرانسیسویوں نے دنیا کے مختلف علاقوں میں نو آبادیاں قائم کرنا شروع کیں۔ وہاں انگریزوں نے بھی ایشیا اور افریقہ کے مختلف علاقوں میں نو آبادکاری (Colonization) کی۔ انگریزوں کے دنیا کے مختلف علاقوں اور خصوصاً برصغیر میں آمد اور نو آبادکاری کے نتیجے میں جہاں مقامی زبان پر انگریزی زبان کے اثرات مرتب ہوئے وہاں انگریزی زبان نے بھی دوسری زبانوں کے الفاظ مستعار لیے۔

یوں ہم نے دیکھا کہ انگریزی زبان کے ارتقا میں لاطینی، یونانی، فرانسیسی جرمن اور اسکینڈے نیویا کی زبانوں نے اپنا کردار ادا کیا۔ یوں انگریزی زبان میں الفاظ واصطلاحات کا ایک گراں بہا اور وافر ذخیرہ فراہم ہو گیا۔ اس کے علاوہ انگریزی زبان نے درجہ بالا زبانوں سے تراجم کے ذریعے بھی اپنے دامن کو وسعت بخشی۔

اردو زبان کی طرح انگریزی بھی دوسری زبانوں کے الفاظ بڑی کشادگی سے اپنے اندر سمو لیتی ہے۔ اس کے علاوہ انگریزی زبان میں الفاظ سازی کی بھی زبردست صلاحیت موجود ہے۔ بقول عطش درانی:

> "انگریزی کے ذخیرۂ الفاظ میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔ اس کی بڑی وجہ انگریزی کی الفاظ سازی کی صلاحیت ہے۔ اس زبان میں الفاظ کی درآمد تین طرح سے ہو رہی ہے۔ ا۔ ترجمہ ۲۔ تسمیہ ۳۔ وضع الفاظ۔ دیگر زبانوں سے الفاظ سامنے آتے ہیں ترجمہ کر لیا جاتا ہے۔ بعض نئی چیزوں کو نام دے دیے جاتے ہیں اور بعض مفاہیم کے لیے نئے نئے الفاظ گھڑ لیے جاتے ہیں"۔ (۲)

انگریزی کی طرح اردو بھی ایک ترقی پذیر اور دنیا کی بڑی زبانوں میں سے ایک ہے زبان ہے۔ یہ پاکستان کی قومی زبان ہونے کے ساتھ ساتھ برصغیر میں رابطے کی زبان (Lingua Franca) بھی ہے۔ جیسا کہ گزشتہ سطور میں تحریر کیا گیا کہ اپنے ارتقائی سفر میں اس زبان نے دنیا کی بڑی اور اہم زبانوں (سنسکرت، عربی، فارسی، ہندی، مقامی بولیوں) سے بہت سے الفاظ واصطلاحات مستعار لے کر اپنے ذخیرہ الفاظ میں بے پناہ اضافہ کیا ہے۔ اردو میں جہاں دیگر زبانوں سے اکتساب فیض کیا ہے وہاں گزشتہ دو صدیوں کے دوران انگریزی زبان سے سب سے زیادہ فائدہ اٹھایا ہے۔ انگریزی زبان کے سیکڑوں الفاظ واصطلاحات

اردو زبان میں داخل ہو کر اس کا جزو بن چکے ہیں۔ اس حوالے سے ڈاکٹر طارق رحمٰن نے "اردو انگریزی مشترکہ ذخیرہ الفاظ" کے حوالے سے ایک لغت مرتب کیا ہے جس میں انگریزی کے ایسے سیکڑوں الفاظ کا اندراج کیا گیا ہے جو نہ صرف اردو زبان نے جذب و قبول کر لیے ہیں بلکہ ہماری روز مرہ گفتگو کا بھی حصّہ ہیں۔ مذکورہ کتاب کے پیش لفظ میں "فتح محمد ملک" رقم طراز ہیں کہ:

> "یہ ایک خوش آئند بات ہے کہ اردو زبان کی نشو و نما میں جس طرح کل عربی اور فارسی کا فیضان شامل تھا بالکل اسی طرح آج انگریزی کے مثبت اثرات اس کی وسعت پذیری کا ثبوت فراہم کر رہے ہیں۔ یہ عمل یک طرفہ ہر گز نہیں۔ گزشتہ تین سو برس کے دوران انگریزی نے بھی اردو کے بہت سے الفاظ اپنا لیے ہیں اور مسلسل اپناتی چلی آ رہی ہے"۔ (۳)

اس لغت میں جہاں اردو زبان میں جذب ہونے والے انگریزی الفاظ کا اندراج کیا گیا ہے، وہاں ایسے الفاظ بھی درج کیے گئے ہیں جو انگریزی نے اردو زبان سے مستعار لیے ہیں۔ مثال کے طور پر، الماری (Almirah)، آمین (Amen)، بابا (Baba)، بازار (Bazaar)، بیگم (Begum)، برقعہ (Burqa)، کارواں (Carvan)، چیتا (Cheeta)، دیسی (Desi)، دیوان (Devan)، گرو (Guru)، حرم (Harem)، جن (Jinn)، خاکی (Khaki)، مسیحا (Messiah)، پنڈت (Pandit)، پاجامہ (Pyjama)، صاحب (Sahib)، اور ٹھگ (Thug) اور ایسے اور بھی بہت سے الفاظ ہیں جو انگریزوں کے قیام ہندوستان کے دوران انگریزی زبان میں داخل ہوئے فی زمانہ جہاد (Jihad) اور مجاہد (Mujahid) بھی اس کی مثالیں ہیں۔

یوں دونوں زبانوں کی قربت کے باعث باہمی اثرات کا ایک طویل سلسلہ دکھائی دیتا ہے۔ اس سلسلے کو محض لفظیات تک محدود سمجھنا تنگ نظری کی دلیل ہے۔ یہ سلسلہ افکار و تصورات، اسالیب بیان اور ادبی اصناف تک پھیلا ہوا ہے۔

انگریزی سے اردو ترجمے کے دوران ایک مترجم دونوں زبانوں کے اس لسانی تعامل (Interaction) انجذاب اور اثر پذیری کو نظر انداز نہیں کر سکتا۔

دونوں زبانوں میں اس قربت اور لین دین کے باوجود لسانی اختلافات بھی کم اہمیت نہیں رکھتے۔ دونوں زبانوں کا ارتقا الگ الگ علاقوں اور تاریخی و ثقافتی اثرات کے تحت ہوا۔ دونوں کے صوتی نظام، حروف

تہجی، رسم الخط اور گرامر میں واضح فرق موجود ہے۔ ایک مترجم کا ان اختلافات کو جاننا اور پیش نظر رکھنا از حد ضروری ہے دونوں زبانوں کے جملوں کی ساخت، تذکیر و تانیث کے قواعد، واحد و جمع بنانے کے اُصول، انداز بیان (Narration) (انگریزی میں Direct اور Indirect انداز بیاں جبکہ اردو میں فقط Direct انداز بیان کی صورت دکھائی دیتی ہے)

اردو جملے کی ساخت اور انگریزی جملے کی ساخت میں بھی فرق صاف دکھائی دیتا ہے جس کا تفصیلی تجزیہ و تقابل آئندہ صفحات میں کیا جائے گا۔ لہٰذا انگریزی سے اردو زبان میں ترجمے کے دوران مترجم کو وہ سہولت اور آسانی ہر گز میسر نہیں ہوتی جو مقامی یا ہم اصل (Cognate) زبانوں کے ترجمے میں ہوتی ہے۔

ان بنیادی اُمور کی تفہیم کے بعد فنِ ترجمہ کاری کے معروف دبستانوں (لفظ بہ لفظ، مفہومی اور آزاد ترجمہ) کی تکنیکوں کی روشنی میں "Poetics" کے منتخبہ اردو تراجم کا مآخذ انگریزی متون سے تقابل کیا جائے گا۔ اس تقابل سے اس امر کا سراغ لگانے کی سعی بھی کی جائے گی کہ "Poetics" کے اردو مترجمین ماخذ متن کو ہدفی متن میں تبدیل کرنے میں کس حد تک کامیاب رہے ہیں اور اس کوشش کے دوران انھیں کن مسائل و مشکلات سے نبرد آزما ہونا پڑا ہے۔

عزیز احمد کے ترجمے "فنِ شاعری" کا ماخذ انگریزی متن سے تقابل

اردو زبان میں "Poetics" کا پہلا ترجمہ عزیز احمد نے "فنِ شاعری" کے عنوان سے کیا۔ یہ ترجمہ پہلی مرتبہ جامعہ عثمانیہ سے ۱۹۴۱ء میں شائع ہوا۔ اس ترجمے کے دیباچے سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ یہ ترجمہ عزیز احمد نے اپنی ذاتی پسند اور دلچسپی کی بنا پر کیا یا اس کا محرک جامعہ عثمانیہ کے صاحبان بست و کشاد یا مولوی عبدالحق تھے۔ تاہم ترجمے کے محرک سے قطع نظر اردو زبان میں "Poetics" جیسے مشکل متن کا پہلا ترجمہ ہونے کے باوجود اپنی متنوع خوبیوں اور خصوصیات کے باوصف یہ ایک معیاری، کامیاب اور مستند ترجمہ ہے۔ "Poetics" کے بعد ازاں ہونے والے تراجم کے مترجمین کو یہ سہولت اور آسانی میسر تھی کہ ان کے سامنے اردو کے ایک صفِ اوّل کے مصنف، محقق، مترجم اور نقاد کا ترجمہ موجود تھا۔ اور اس ترجمے میں انھوں نے نہ صرف اردو دان طبقے کے سامنے "Poetics" کے ترجمے کا ایک معیار رکھ دیا بلکہ اپنی محنت تحقیق، خلاقی اور وسعتِ مطالعہ کی بدولت کچھ ایسے گوشے بھی منور کیے جن سے "Poetics" کے بعد کے مترجمین نے کسبِ فیض تو ضرور کیا مگر وہ اس میں خاطر خواہ یا قابلِ قدر حد تک اضافہ نہ کر سکے۔

عزیز احمد کے ترجمے کے مطالعے سے یہ حقیقت منکشف ہوتی ہے کہ "Poetics" کو اردو زبان میں منتقل کرنے کے لیے انھوں نے بے پناہ محنت، عرق ریزی اور باریک بینی سے کام کیا۔ کتاب کی تمہید کے آخری حصّے میں انھوں نے "Poetics" کے تراجم کی پوری روایت کا بالتفصیل ذکر کیا اور یہ بتایا کہ ارسطو کی یہ منفرد تصنیف کس طرح مختلف زبانوں کے صفِ اوّل کے علما کی توجہ کا مرکز رہی اور انھوں نے اسے اپنی زبان کا روپ عطا کرنے کی سعی کی۔ اس کے بعد انھوں نے انگریزی زبان میں ہونے والے تراجم کا بھی مستند حوالہ فراہم کیا۔ اس نکتے سے یہ پہلو ابھرتا ہے کہ "Poetics" کے ترجمے سے قبل انھوں نے "Poetics" کے تراجم کی پوری روایت کو کھنگالا۔ جہاں تک انگریزی زبان کے متون کا تعلق ہے تو اس متن کے ترجمے میں ان کو کلیدی اہمیت حاصل تھی اور ان کا عمیق مطالعہ اور گہری تحقیق کے بغیر تو یہ کام اعتبار اور وقار حاصل کر ہی نہیں سکتا تھا، سو انھوں نے ایسا ہی کیا اور وسعت مطالعہ اور سنجیدہ تحقیق سے ایک "ام الکتاب" کو اردو زبان میں ترجمہ کر کے اردو کے سرمایہ زبان و ادب میں قابل قدر اضافہ کیا۔

عزیز احمد نے یہ ترجمہ مختلف انگریزی تراجم کی مدد سے کیا۔ فنِ شاعری کی تمہید میں وہ اس ضمن میں بتاتے ہیں کہ:

> "یہ ترجمہ میں نے مختلف انگریزی ترجموں کی مدد سے کیا ہے۔ جہاں سب میں اختلافات تھے وہاں بچر (Butcher) کو ترجیح دی ہے"۔ (۴)

ایک مشکل، پیچیدہ اور متنازع متن کا ترجمہ بلا شک و شبہ جوئے شیر لانے کے مترادف ہوتا ہے اور عزیز احمد نے اس کے لیے انگریزی کے تمام دستیاب متون کا مطالعہ کیا لیکن بنیاد انھوں نے "ایس ایچ بچر" (S.H. Butcher) کے ترجمے کو ہی بنایا۔ ایس ایچ "بچر" کا ترجمہ انگریزی زبان کا ایک معیاری، کامیاب اور مستند و معتبر ترجمہ ہے۔ اس ترجمے کے دوران بچر نے "Poetics" کے عربی، لاطینی، فرانسیسی اور جرمن تراجم اور جدید ترین تحقیق کو بھی پیشِ نظر رکھا۔ اس کے علاوہ انھیں پروفیسر مارگولائتھ جیسے "Poetics" کے عالم اور مترجم سے براہ راست مشاورت کا موقع ملا۔ انھوں نے "Poetics" کے انگریزی متن کا ترجمہ "The Poetics of Aristotle" کے عنوان سے کیا اور اس کے دوسرے اور تیسرے ایڈیشن میں بھی انھوں نے جدید تر تحقیقات کی روشنی میں مسلسل ترامیم کیں اور اسے ایک معیاری متن بنانے کے لیے اصلاح و بہتری کا سلسلہ جاری رکھا۔ اس کی تفصیل شمس الرحمٰن فاروقی کے ترجمے کے تقابل میں موجود ہے۔

لیکن عزیز احمد نے ابواب کی تقسیم میں "ایس ایچ بچر"(S.H.Butcher) سے انحراف کیا ہے۔ بچر نے "The Poetics of Aristotle" کو چھبیس ابواب میں تقسیم کیا ہے اور ابواب کے عنوانات قائم کرنے کے بجائے محض باب نمبر دینے پر اکتفا کیا ہے۔ ابواب کی تقسیم کے حوالے سے عزیز احمد نے بچر کے بجائے "تھامس ٹوائننگ" (Thomas Twining) کی پیروی کرنا مناسب خیال کیا:

"کتاب کے ابواب کی تقسیم کی حد تک اور بعض اصطلاحات کے ترجمے میں ٹوائننگ کی پیروی کی ہے"۔(۵)

عزیز احمد نے "فنِ شاعری" کو چھبیس کے بجائے صرف پانچ ابواب میں تقسیم کیا ہے اور یہ تقسیم نفس مضمون کی بنا پر کی ہے۔ ابواب کے عنوانات بھی انھوں نے "ٹوائننگ" کے قائم کردہ عنوانات سے ہی مستعار لے کر ترجمہ کیے ہیں۔ تاہم انھوں نے ایک باب کو کئی ذیلی عنوانات میں تقسیم کر دیا ہے۔ ابواب کی تقسیم کا یہ انداز قاری کو الجھانے کے بجائے اسے قرأت اور تفہیم میں مدد دیتا ہے۔

"Poetics" جیسے مشکل و متنازعہ متن کو اردو جیسی زبان میں ڈھالنا مترجم سے فنِ ترجمہ کی اعلیٰ صلاحیتوں کا متقاضی تھا۔ خاص طور پر ایسی صورت میں کہ مترجم کے سامنے ایسے متن کے ترجمے کا نہ کوئی نمونہ موجود تھا اور نہ ہی کوئی مثال۔ "Poetics" کے پہلے ترجمے کی اشاعت یعنی ۱۹۴۱ء تک اردو تنقید ابھی ایام طفلی میں تھی اور اردو سرمایہ نقد اس قدر کم مایہ اور ارتقا کے ابتدائی مراحل میں تھا کہ مترجم کے لیے تنقیدی متن اور خاص طور پر اصطلاحات کی تفہیم اور اردو میں منتقلی کار دشوار تھا۔ لیکن عزیز احمد نے اپنی محنت، صلاحیت اور لگن سے، اس عمدگی اور سلیقے سے یہ مشکلوں بھرا کام سرانجام دیا کہ یہ ہمیں جدید ترین دور کا کام نظر آتا ہے۔ اس ترجمے سے عزیز احمد کی اردو اور انگریزی زبانوں پر کامل مہارت کے ساتھ ساتھ دونوں زبانوں کے ادب، تنقید اور تاریخ و تہذیب پر گہری نظر اور وسیع مطالعے کا ثبوت ملتا ہے۔ عزیز احمد اردو زبان کے صفِ اول کے مصنف، مترجم، فکشن نگار اور تاریخ دان تھے۔ اس کے علاوہ انھوں نے انگریزی زبان میں بھی چند بلند پایہ کتب تصنیف کیں۔ دونوں ماخذ اور ہدفی زبانوں میں تخلیقی کارنامے سرانجام دینے والا شخص ہی "Poetics" کے پہلے ترجمے کا اہل اور کامیاب مترجم ہو سکتا تھا۔

سو عزیز احمد کی ہدفی و ماخذ زبانوں ، تہذیب و ثقافت اور ادب و تنقید پر کامل دسترس کے نتیجے میں ارسطو کی "Poetics" کا پہلا ترجمہ "فنِ شاعری" کے عنوان سے سامنے آیا، جو آج بھی اردو زبان کے طلبہ، اساتذہ، قارئین، محققین اور مترجمین کے لیے ایک معتبر حوالہ ہے۔

عزیز احمد نے "فنِ شاعری" کی تمہید میں جہاں اپنے ترجمے کے ماخذی متن(S.T)اور دیگر امدادی متون کا ذکر کیا وہاں انھوں نے اصطلاحات کے ترجمے کے حوالے سے فقط ایک ہی جملہ تحریر کیا ہے کہ:

"اصطلاحات کے ترجمے میں، میں نے ٹوائننگ کی پیروی کی ہے"۔(۶)

اس جملے سے اصطلاحات کے ترجمے کے حوالے سے بہت سے کارآمد اور دلچسپ نکات ابھرتے ہیں جن کی تفصیل کا یہ محل نہیں۔ اس ضمن میں تفصیلی مطالعہ تیسرے اور چوتھے باب میں اصطلاحات کے تقابل کے تحت کیا جائے گا لیکن عزیز احمد نے بنیادی تصور(Basic Concept) پھر بھی واضح کر دیا۔ ایک تو یہ کہ انھوں نے محض اصطلاحات کا ترجمہ کر ڈالا ہے۔ اصطلاح وضع کرنے یا نو لفظ سازی پر انھوں نے کوئی خاص توجہ نہیں دی اور دوسرا توجہ طلب نکتہ یہ کہ اصطلاحات کے حوالے سے انھوں نے "Poetics" کے پہلے انگریزی مترجم "تھامس ٹوائننگ" (Thomes Twining) کی وضع کردہ اصطلاحات کو ترجیح دے کر ان کا اردو ترجمہ فراہم کر دیا ہے۔

اصطلاحات کے ترجمے کے بعد ترجمے کی حکمتِ عملی کے پہلو سے عزیز احمد کے افکار کا جائزہ لیں تو "فنِ شاعری" کی تمہید میں اس حوالے سے کوئی تذکرہ نہیں۔ اردو زبان میں ترجمہ کاری کے حوالے سے یہ روایت چلی آرہی ہے کہ مترجم کے لیے محض ذولسانی صلاحیت کافی سمجھی جاتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ایک توجہ طلب بات یہ بھی کہ تراجم متعلقہ علم و فن کے ماہرین اور اساتذہ نے کیے جن کی متعلقہ علم و فن پر قابل قدر اور گہری نگاہ تھی لیکن ترجمہ کس طرح کیا جائے؟ ترجمہ کے لیے لفظی ترجمے، مفہوم کے ترجمے یا تصرف کی راہ اپنائی جائے؟ ترجمہ ماخذ زبان کے رجحان کا حامل ہو یا ہدفی زبان کی طرف میلان رکھتا ہو؟ اور فن ترجمہ کاری کے حوالے سے اس نوع کے دیگر سوالات جو دو ہزار سال سے مترجمین کے پیشِ نظر ہیں اور جن کے اثرات تراجم کے نظریہ و عمل پر مدت سے محسوس کیے جارہے ہیں، کے بارے میں ہمارے مترجمین اکثر "سکوت فرماتے" ہیں۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ بدقسمتی سے ابھی تک اردو زبان کی ہمہ جہت ترقی کی طرف نہ تو توجہ دی جاسکتی ہے اور نہ ہی اس حوالے سے کسی سطح پر سنجیدہ کوشش دکھائی دیتی ہے۔ ڈاکٹر انور سدید نے بجا فرمایا ہے کہ: "اردو زبان لالہ خودرو ہے"۔(۷)

یہ بجا طور پر دنیا کی بڑی زبانوں میں سے ایک ہے اور برصغیر میں رابطے کا ذریعہ (Lingua Franca) ہے۔ مگر اس کی ترقی میں شعوری کاوشیں کم اور فطرت کا عمل دخل زیادہ دکھائی دیتا ہے، "کہ فطرت خود بخود کرتی ہے لالے کی حنابندی" لہٰذا تراجم میں بھی یہی عمومی رجحان نمایاں ہے کہ مترجمین اپنی

فطری صلاحیت، محنت اور علمی دسترس کی بنا پر تراجم کرتے ہیں۔ علم ترجمہ، فن ترجمہ اور ترجمے کے حوالے سے سوالات کی طرف ان کا ذہن نہیں جاتا اور نہ ہی ترجمے کے اُصول یا فن کے ضمن میں کسی غور وخوض اور تحقیق و تدقیق کا سراغ ملتا ہے۔ ترجمے پر تحقیق اور خصوصاً بنیادی اور تاریخی نوعیت کے متون کے مطالعے اور تحقیق میں تو یہ سوال کلیدی اہمیت کے حامل ہوتے ہیں کہ مترجم نے ترجمے کے کس نظریے یا تصور کو پیشِ نظر رکھ کر ترجمہ کیا اور اس میں وہ کس حد تک کامیاب ہوا؟ مگر اس کا کیا علاج کے اردو تراجم کا دامن اس حوالے سے تہی ہے۔

اب عزیز احمد کے ترجمے کا انگریزی ماخذ متن (S.T) سے تقابل کیا جاتا ہے۔ تاکہ اس ترجمے کی تکنیک، خوبیوں، خامیوں اور کامیابی کا سراغ لگایا جاسکے اور اس امر کا تعین کیا جاسکے کہ عزیز احمد "Poetics" کو اردو زبان کا روپ عطا کرنے میں کس حد تک کامیاب رہے ہیں۔ "Poetics" کی ابتدا اس جملے سے ہوتی ہے،

"My design is to treat of poetry in general and its several species, to inquire what is the proper effect of each".(8)

عزیز احمد کا ترجمہ:

"میرا مقصد ہے کہ میں عام طور پر شاعری اور اس کی مختلف قسموں کے متعلق کچھ لکھوں۔ یہ تحقیق کروں کہ ان میں سے ہر ایک (قسم) کا خاص حاصل کیا ہے"۔(9)

دوسرا اقتباس جس میں شاعری کو نقل قرار دیا گیا ہے:

"Epic poetry, tragedy, comedy, dithyrambics, as also for the most part the music of flute and of the lyre ---- all these are, in most general view of them imitations".(10)

ترجمہ:

رزمیہ شاعری، ٹریجڈی (المیہ) کامیڈی (طربیہ)، بھجن اور اسی طرح بانسری اور چنگ کے راگ، اگر آپ بالکل عام نقطۂ نظر سے دیکھیے تو یہ سب نقلیں ہیں۔(11)

نقل کے ذرائع کا بیاں:

"But as the objects of imitation are the actions men".(12)

"لیکن چونکہ نقل کے موضوع انسان کے افعال ہیں"۔(۱۳)

نغمہ و موزونیت کی اہمیت:

"Imitation then, being natural to us, Secondly, melody and rhythm being also natural".(14)

"پس نقل کرنا تو ہمارے لیے ایک قدرتی امر ہے اور ثانیاً نغمہ و موزونیت بھی قدرتی ہیں"۔(۱۵)

طربیہ کے حوالے سے ارسطو کے افکار:

"Comedy, as we have said before is imitation of bad characters; bad, not with respect to every sort of vice, but to be ridiculous only, as being a species of terpitude or deformity".(16)

ترجمہ:

"کامیڈی، جیسا کہ ہم کہہ چکے ہیں، بری سیرتوں کی نقل ہے۔ بری سے ہر قسم کی بدی نہیں بلکہ مضحکہ خیز برائی مراد ہے، جو ایک طرح کی بدنمائی یا خرابی ہے"۔

"Poetics" کا سب سے اہم اور مرکزی خیال کا حامل اقتباس جس میں ارسطو نے المیے کی تعریف ہے:(۱۷)

المیہ کی تعریف اور وظیفہ:

"Tragedy, then, is an imitation of an action that is important, entire, and of a proper magnitude, by language, embellished and rendered pleasurable, but by different means in different parts - in the way, not of

narration, but of action, effecting through pity and terror, the correction and refinement of such passions".(18)

ترجمہ:

"ٹریجڈی نقل ہے کسی ایسے عمل کی جو اہم اور مکمل ہو اور ایک مناسب عظمت (طوالت) رکھتا ہو۔ جو مزین زبان میں لکھی گئی ہو، جس سے حظ حاصل ہوتا ہو۔ لیکن مختلف حصّوں میں مختلف ذریعوں سے، جو درد مندی اور دہشت کے ذریعے اثر کر کے ایسے ہیجانات کی صحت اور اصلاح کرے"۔(۱۹)

المیہ کے اجزائے ترکیبی:

"Hence all tragedy necessarily contain six parts, which together cnstitute its peculias character or quality: fable manners, diction, sentiments, decoration and music".(20)

ترجمہ:

"پس ہر ٹریجیڈی کے لازمی طور پر چھے عناصر ہوں گے جو سب مل کر اس کی خاص نوعیت یا ماہیت کے باعث ہیں: (۱) روئداد (۲)اطوار (۳) زبان(۴)اثرات (۵)آرائش اور(۶)موسیقی"۔(۲۱)

"Poetics"میں پلاٹ کی اہمیت کا ذکر کچھ یوں ہوا ہے:

"But of all these parts the most important is the combination of incidents or the fable".(22)

ترجمہ:

"ان عناصر میں سب سے زیادہ اہم واقعات کا مجموعہ یا روئداد ہے"۔(۲۳)

شاعری اور تاریخ کا موازنہ اور شاعری کی تاریخ پر برتری:

"On this account poetry is more philosophical and more excellent thing than history: for poetry is chiefly

conversant about general truth, history about particular".(24)

ترجمہ:

"اس وجہ سے شاعری تاریخ کے مقابلے میں زیادہ فلسفیانہ اور زیادہ بہتر چیز ہے کیونکہ شاعری عام حقیقت سے آگاہ ہوتی ہے اور تاریخ خاص حقیقت سے"۔(۲۵)

اسلوب کے حوالے سے ارسطو کا تصور:

"The excellence of diction contestsin being perspicuous without being mean".(26)

"زبان کی خوبی یہ ہے کہ اس میں صفائی ہو مگر سوقیانہ پن نہ ہو"۔(۲۷)

عزیز احمد کے اردو ترجمے کے انگریزی متن سے تقابل سے سب سے بنیادی نقطہ یہ سامنے آیا کہ یہ ترجمہ عزیز احمد نے "ایس ایچ بچر" کی کتاب "The Poetics Aristotle" سے نہیں بلکہ تھامس ٹوائننگ(Thomas Twining) کی کتاب "Aristotle's Poetics" سے کیا ہے۔ راقم نے بہت احتیاط اور باریک باریکی سے عزیز احمد کے اردو ترجمہ کا انگریزی متون سے تقابل کیا اور دونوں "بچر" اور "ٹوائننگ" کے متون کو سامنے رکھ کر "فنِ شاعری" کا مطالعہ اور تقابل کیا، جس سے یہ پہلو کھل کر سامنے آیا کہ عزیز احمد نے "ٹوائننگ" کے ترجمے کی بنیاد پر ہی ترجمہ کیا ہے اور دوران ترجمہ عزیز احمد "تھامس ٹوائننگ" کی کتاب "Aristotle's Poetics" کے ساتھ اس حد تک قربت اور انہماک سے جڑے رہے کہ "ٹوائننگ" کے متن سے کہیں بھی انھوں نے سرِ مو بھی انحراف نہیں۔ متن کے علاوہ اصطلاحات اور رموزِ اوقاف کی حد تک بھی انھوں نے "تھامس ٹوائننگ" کو ہی ترجیح دی ہے۔

"فنِ شاعری" کی تمہید میں عزیز احمد نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ یہ ترجمہ انھوں نے مختلف انگریزی ترجموں کی مدد سے کیا اور جہاں سب میں اختلاف پایا وہاں بچر کے ترجمے کو ترجیح دی۔(اقتباس کا حوالہ گزشتہ صفحات میں دیا جا چکا ہے)۔ اس میں شک نہیں کہ یہ ترجمہ عزیز احمد کی محنت، جاں کاہی اور عرق ریزی کا غماز ہے۔ اس ترجمے کے صفحات اور خصوصاً عالمانہ حواشی سے ان کی وسعتِ مطالعہ اور تحقیق کا ثبوت ملتا ہے مگر اس دعوے میں کوئی صداقت نہیں کہ انھوں نے بچر کی کتاب "The Poetics of Aristotle" کو بنیاد بنایا ہے بچر اور دیگر انگریزی تراجم سے استفادہ تو عزیز احمد نے ضرور کیا ہے اور نہ صرف "Poetics" بلکہ

یورپی اور خصوصاً انگریزی ویونانی ادب کا وسیع مطالعہ بھی اس ترجمے کے پس منظر میں کار فرما نظر آتا ہے اور ایک متن کے جملہ پہلوؤں کی تفہیم اس ترجمے سے عیاں ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس ترجمے کا ماخذ متن "ٹوائننگ" کا انگریزی متن ہے نہ کہ بچر کا۔

لیکن دلچسپ بات یہ ہے کہ "Poetics" کا پہلا اردو ترجمہ (۱۹۴۱ء) میں انگریزی زبان کے پہلے ترجمے کی بنیاد پر کیا گیا۔ یہ ترجمہ "تھامس ٹوائننگ" نے ۱۷۸۹ء میں کیا۔ انگریزی متن کی بات کی جائے تو "تھامس ٹوائننگ" کی زبان صاف، رواں، سادہ اور بول چال کی زبان سے مماثلت رکھتی ہے۔" تھامس ٹوائننگ" کے سامنے ارسطو کی "Poetics" کے انگریزی ترجمے کی نہ کوئی مثال موجود تھی اور نہ ہی کوئی نمونہ، اس لیے انھوں نے یہی کوشش کی کہ صاف اور سلجھے ہوئے اسلوب میں مفہوم کی ترسیل کر دی جائے اور اس میں وہ کامیاب رہے۔ بعد کے مترجمین جن میں " ایس ایچ بچر "اور "ان گرام بائی واٹر "اور " ڈوش" نمایاں ہیں، کا ترجمہ ٹوائننگ کی نسبت زیادہ عالمانہ ہوئی زبان میں اور گہری تحقیق کے بعد کیا گیا ہے۔ لیکن موسس یا بنیاد گزار کی مسلم رتاریخی حیثیت سے کبھی انکار نہیں کیا جا سکتا اور اس کو جن مشکل مراحل سے گزرنا پڑتا ہے وہ بعد میں آنے والوں کے کام کو سہل بھی بناتا ہے اور ان کو رہنمائی بھی فراہم کرتا ہے۔ عزیز احمد کو "Poetics" کا پہلا مترجم ہونے کی وجہ سے نسبتاً زیادہ محنت اور تحقیق کرنی پڑی۔ اس نے آنے والے مترجمین اور محققین کے لیے راستہ صاف کر دیا۔ اس طرح ارسطو کی "Poetics" کی تفہیم اور ترجمے کی راہ ہموار ہو گئی۔

ماخذ وہدفی متون کے تقابلی مطالعے میں اکثر یہ حقیقت منکشف ہوتی ہے کہ ترجمے کا حجم ماخذ متن کی نسبت بڑھ جاتا ہے۔ اس نقطۂ نظر سے عزیز احمد کے ترجمے "فنِ شاعری" کا تقابل بھی دلچسپ نتائج کا حامل ہے۔ اس حوالے سے راقم نے گزشتہ صفحات میں چند نمائندہ، اہم اور کلیدی اہمیت کے حامل اقتباسات کا بطور نمونہ اندراج کیا ہے۔ گزشتہ صفحات میں درج اقتباسات کا حجم کے اعتبار سے تجزیہ و تقابل بتاتا ہے کہ ماخذ متن کا پہلا اقتباس بائیس (۲۲) جبکہ اس کا ترجمہ بتیس (۳۲) الفاظ پر مشتمل ہے۔ یوں ہدفی متن میں دس الفاظ کا اضافہ ہو گیا ہے۔ اسی طرح دوسرا اقتباس انتیس (۲۹) الفاظ پر مشتمل ہے اور دلچسپ بات یہ ہے کہ اس کا ترجمہ بھی اٹھائیس (۲۸) الفاظ پر ہی مشتمل ہے۔ ترجمے کے تقابل میں ایسا بہت کم دکھائی دیتا ہے کہ دونوں ماخذ اور ہدفی متون سو فیصد مساوی ہوں۔ ایسا مترجم کی شعوری کوشش سے زیادہ محض حُسن اتفاق سے ہوا ہے۔ تیسرے اقتباس میں اس سے بڑھ کر حیرت انگیز نکتہ سامنے آتا ہے۔ وہ یہ کہ انگریزی متن گیارہ (۱۱) جبکہ

ہدفی متن صرف نو(۹) الفاظ پر مشتمل ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مترجم کو زبان و بیان پر کس درجہ ماہرانہ قدرت حاصل تھی۔ فنِ ترجمہ کے نقطۂ نظر سے یہ کمال کی دلیل ہے۔ چوتھا اقتباس تیرہ(۱۳) جبکہ اس کا ترجمہ اٹھارہ(۱۸) الفاظ پر مشتمل ہے۔ پانچواں اقتباس تینتیس(۳۳) اور اس کا اردو ترجمہ چونتیس (۳۴) الفاظ پر مشتمل ہے۔ لیکن "Poetics" کا سب سے اہم اقتباس جس میں ارسطو نے المیہ (Tragedy) کی تعریف کی اور اس کی مختلف خصوصیات بیان کی ہیں کا انگریزی متن اکاون (۵۱) الفاظ پر مشتمل ہے اور اس کا اردو ترجمہ پچپن(۵۵) الفاظ پر مشتمل ہے، لیکن اس پیراگراف میں ایک بنیادی جملے " But in the way, not of narration but of action " کا ترجمہ نہیں کیا گیا۔ یقیناً ایسا شعوری طور پر نہیں کیا گیا کیوں کہ "Poetics" کا سب سے اہم اقتباس ہے اور یہ جملہ المیہ کے ایک اہم پہلو کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ اس کی ہئیت بیانیہ نہیں بلکہ عملیہ ہوتی ہے۔ عزیز احمد جیسے عالم اور مترجم سے شعوری اور دانستہ طور پر ایسی غلطی کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ بعض اوقات اور بعض صورتوں میں مترجمین بعض الفاظ، جملے اور اقتباسات بوجوہ حذف کر دیتے ہیں، لیکن عزیز احمد کے "Poetics" کے ترجمے میں حذف کرنے Omission کی مثالیں کم کم ملتی ہیں۔

اسی طرح ساتواں اقتباس تئیس(۲۳) اور اس کا اردو ترجمہ اکتیس (۳۱)، آٹھواں اقتباس سولہ(۱۶) اور اس کا اردو ترجمہ اکتیس(۳۱)، نواں اقتباس چوبیس جبکہ اس کا اردو ترجمہ ستائیس(۲۷) اور دسواں اقتباس گیارہ(۱۱) اور اس کا ترجمہ پندرہ(۱۵) الفاظ پر مشتمل ہے۔

اس تجزیے و تقابل سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اکثر اقتباسات میں ہدفی متن کا حجم ماخذ متن سے بڑھ گیا ہے۔ لیکن کہیں کہیں مساوی ہدفی و ماخذ متن کی مثالیں بھی مل جاتی۔ ترجمہ کاری کے عمل کے دوران مترجم کی توجہ الفاظ، اصطلاحات اور مفہوم کی طرف ہی رہتی ہے اور لفظوں کی تعداد کی کمی یا بیشی کی طرف کم ہی متوجہ ہوتا ہے۔ البتہ اگر ایک اعلیٰ صلاحیتوں کا مالک پیشہ ور اور صاحبِ ریاضت مترجم ہو تو معاملہ مختلف ہوتا ہے۔

گزشتہ سطور میں نقل کیے گئے اقتباسات میں ان امور کا خیال رکھا گیا ہے کہ اقتباس کلیدی اہمیت کا حامل ہو، وہ کسی اہم اور مرکزی نکتے کا عکاس اور ترجمان ہو اور یہ کہ تمام مترجمین کے تقابل میں اقتباسات کے انتخاب میں یکسانیت کو برقرار رکھا گیا ہے تاکہ دونوں ماخذ متن اور ہدفی متن کا اندازہ لگایا جاسکے۔

ترجمے کے انواع کے نقطۂ نظر سے تقابل کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ عزیز احمد کا "Poetics" کا ترجمہ "فنِ شاعری" ، "علمی متن" کے ترجمے کی ذیل میں آتا ہے علمی ترجمے کا مقصد علوم وفنون کی سلطنت میں وسعت اور علمی سرمائے کو تمام انسانیت تک پہنچا کر اسے مستفید کرنا ہے۔ انسانی ترقی کی بنیاد اسی عالمگیر علمی شراکت پر ہے۔ ترجمہ ہی دوسری اقوام کے شعوری ارتقا اور جدید علوم وفنون تک رسائی کا ذریعہ ہے۔

اس ترجمے کے ذریعے عزیز احمد نے ایک طرف تو تنقید کی سب سے پہلی، اہم ترین اور تاریخی اہمیت کی کتاب کو اردو کا روپ دے کر اردو کے سرمایۂ علم و تنقید میں اضافہ کیا اور اردو دان طبقے کو ارسطو کے تنقیدی افکار سے روشناس کرانے میں اپنا کردار ادا کیا۔

عزیز احمد نے "Aristotle's Poetics" کے ترجمے کے دوران لفظ بہ لفظ یا لفظی ترجمے کی راہ اپنائی اور کوشش کی کہ ہر انگریزی لفظ، اصطلاح اور جملے کی جگہ متبادل انگریزی لفظ، اصطلاح اور جملہ فراہم کر دیا جائے۔ اس میں انھیں خاطر خواہ کامیابی حاصل ہوئی اور عزیز احمد اپنی ذولسانی صلاحیت اور علمی مہارت کی بنا پر "Aristotle's Poetics" کی جگہ متبادل اردو متن "فنِ شاعری" عطا کرنے میں کامیاب رہے۔ لیکن کتاب کے معنی و مفہوم کو بھی انھوں نے پیشِ نگاہ رکھا اور لفظی ترجمے کے دوران درست معنی و مفہوم کی ترسیل کی کوشش کی۔

مترجم اگر معنی و مفہوم کو بالائے طاق رکھتے ہوئے فقط ماخذ زبان کے لفظ کی جگہ ہدفی زبان کا لفظ رکھ دے تو اس سے نہ صرف ہدفی متن کا حلیہ بگڑ جاتا ہے بلکہ بے ڈھنگا، ناقابل فہم، الجھا ہوا اور مضحکہ خیز ترجمہ وجود میں آتا ہے (ہر زبان اور اردو میں بھی ایسے تراجم کی کمی نہیں) لہذا لفظی ترجمے جیسے "Word for word Translation" یا ڈرائیڈن کے الفاظ میں (Metaphrase) کی راہ پر چلتے ہوئے بھی معنی و مفہوم پر کامل گرفت رکھنی پڑتی ہے۔

اس سے یہ نکتہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ عزیز احمد "Aristotle's Poetics" کو اس کے مکمل معنی و مفہوم کے ساتھ اردو زبان میں منتقل کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ اس کے عقب میں ان کا سارا علمی و لسانی پس منظر موجود ہے جس کا خلاصہ یوں بیان کیا جا سکتا ہے:

۱۔ عزیز احمد کو ہدفی و ماخذ زبانوں اور متن پر کامل مہارت حاصل تھی۔

۲۔ "Aristotle's Poetics" کے ترجمے کے لیے انھوں نے لفظی ترجمے "Word for word" یا "Metaphrase" کی حکمت عملی اختیار کی۔

۳۔ انھوں نے لفظوں کا انتخاب بہت محنت، مہارت اور فصاحت سے کیا ہے اور " Aristotle's Poetics" کا "فنِ شاعری" کی صورت میں متبادل اردو متن فراہم کیا ہے۔

۴۔ یہ ترجمہ کافی حد تک ابہام سے پاک ہے اور مفہوم کی درست ترسیل کرتا ہے۔

۵۔ اصطلاحات کے حوالے سے انھوں نے یہ کوشش کی ہے کہ انگریزی اصطلاح کے مقابلے میں اردو اصطلاح رکھ دی جائے لیکن اس میں موزونیت اور مناسبت (اپنی دانست میں) کا خیال رکھا۔

اب "تھامس ٹوائننگ" کی "Aristotle's Poetics" اور عزیز احمد کے اردو ترجمے سے کلیدی الفاظ و اصطلاحات کا تقابل کیا جاتا ہے تاکہ معلوم ہو سکے کہ ایک انگریزی لفظ کے مقابل عزیز احمد کس طرح کا اردو لفظ لاتے ہیں اور اصطلاح کا ترجمہ کیسے اور کیا کرتے ہیں:

عزیز احمد	تھامس ٹوائننگ
نقل	Imitation
رزمیہ شاعری	Epic poetry
ٹریجیڈی	Tragedy
کامیڈی	Comedy
بھجن	Dithyrambics
مسدس الارکان بحر	Hexameter verse
اہم	Important
مکمل	entire
مناسب عظمت (طوالت) رکھنے والا	Proper magnitude
دردمندی	Pity
دہشت	Terror
ہیجانات	Passions
صحت اور اصلاح	Correction and Refinement (Khtharsis)
واقعات کا مجموعہ	Structure of Incidents

روئداد	Fable
اطوار	Manners
زبان	Diction
تاثرات	Sentiments
آرائش	Decoration
موسیقی	Music
آغاز، درمیان، انجام	Beginning, middle, end
انقلاب	Revolution
دریافت	Discovery
لازمی	Necessary
قرین قیاس	Probable
پرلوگ (افتتاحیہ حصہ)	Prologue
اے پی سوڈ (گیتوں کے درمیان کا حصہ)	Episode
اکسوڈ (وہ حصہ جس کے بعد گیت نہ ہوں)	Exode
کورس (سنگت کے گیت)	Chorus
سنگت کا پہلا گیت	Parode
اسٹاسی مون (خاص طرح کے بقیہ گیت)	Stasimon
چنگ کے گیت	Music of Lyre
نقل کرنے کے ذریعے	Medium
نقل کے موضوع	Objects
غلطی	Some great error or fraity (Hamartia)
نقل کے طریقے	Manners
موزونیت	Rhythm

تقطیع	Metre
نغمہ	Harmony
مدعی	Suitors
پھونک کے ساتھ ادا ہونے والی آواز	Aspirated
پھونک کے بغیر ادا ہونے والی آواز	Un-aspirated
الہام ربانی	Oracle
بیانیہ	Narrative
موزوں بحر	Metrical Composition
سالم	Whole
قصّہ در قصّہ	Episodic
سادہ و پیچیدہ	Simple and complex

الفاظ و تراکیب و اصطلاحات کے اس تقابل سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ عزیز احمد کی انگریزی لفظ کے مقابلے میں اردو لفظ رکھ دیا ہے۔ ان کا رجحان ابلاغ اور تسہیل کی طرف ہے اور انھوں نے شعوری کوشش سے عبارت کو پیچیدہ، مبہم یا ناقابل فہم ہونے سے محفوظ رکھا۔ اصطلاحات کی حد تک، عزیز احمد نے "تھامس ٹوائننگ" کے اسلوب کو ہی ترجیح دی ہے۔ جس طرح انھوں نے پلاٹ کو "Fable" کردار کو "Manners"، زبان کو "Diction" لکھا، عزیز احمد نے بھی ان کا ترجمہ بالترتیب روائداد، اطوار اور زبان کیا۔ اس کے برعکس "ایس ایچ بچر" نے ان اصطلاحات کے لیے بالترتیب "Plot"، "Characters" اور "language" کی اصطلاحات برتی ہیں اور ان کے مترجم شمس الرحمٰن فاروقی نے بھی ان اصطلاحات کا ترجمہ پلاٹ، کردار اور زبان کیا ہے۔ یہ ان بیسیوں الفاظ و اصطلاحات میں سے محض چند نمونے کی مثالیں ہیں۔

"Poetics" کے ترجمے میں مترجم کو قدم قدم پر یونانی شاعروں، المیہ نگاروں، تصانیف اور فنکاروں کے ناموں سے واسطہ پڑتا ہے۔ یہ نام متون میں مختلف انداز سے لکھے گئے ہیں۔ عزیز احمد نے حتی الامکان ناموں کا اصل تلفظ برقرار رکھا ہے۔ یہ ایک عمدہ حکمت عملی ہے اور اصل نام برقرار رکھنا مترجم کا ماخذ متن کے قریب ترین رہنے کی دلیل ہے۔ اردو زبان کی صوتیات کا دائرہ بہت وسیع ہے اور یہ مختلف زبانوں کی آوازوں کو خوبی سے لکھنے اور ادا کرنے پر قادر ہے۔ کسی زبان میں ٹ اور ٹھ نہیں تو کسی میں ڑ اور ڈ نہیں تبھی تو

عربی زبان میں "Aristotle" ارسطو اور "Plato" افلاطون ہو گیا۔ یہ بڑی مضحکہ خیز صورتِ حال ہوتی ہے۔ اگر کسی شخص کو اس نام سے بلایا جائے جس سے اس کے نام کا دور سے بھی واسطہ نہیں تو اس پر کیا گزرے گی اور ماخذ زبان کے افراد اس کو کس نظر سے دیکھیں گے۔ لہٰذا اگر زبان میں ایک لفظ کو اس کی تمام آوازوں / حروف کے ساتھ لکھنے اور بولنے کی صلاحیت اور قدرت موجود ہیں تو بلاوجہ اور خواہ مخواہ ترمیم و تحریف یا بے سبب اختراع محض مضحکہ خیز اور بے فائدہ مشق کے سوا کچھ نہیں۔ مگر ارسطو، افلاطون اور سقراط کی طرح جو نام اردو میں رواج پا چکے ہیں اور جن کے بگڑے ہوئے تلفظ سے ابہام پیدا نہیں ہوتا ان کا معاملہ مختلف ہے اور اسی بگڑی ہوئی صورت سے ہی کام چلانا مجبوری بھی ہے اور ضروری بھی۔

عزیز احمد کے ترجمے کی امتیازی خصوصیت کتاب کے آخر میں "ضمیمہ اشارات و اصطلاحات" کا اندراج ہے۔ اس ضمیمے میں انھوں نے "Poetics" کے متن میں آنے والے معروف یونانی شاعروں، المیہ نگاروں، طربیہ نویسوں، نظموں، دیومالائی کرداروں اور رزمیہ و المیہ کے کرداروں کا ذکر کیا ہے۔ ان کا مختصر مگر جامع تعارف پیش کیا ہے۔ سڑسٹھ (٦٧) کلیدی امور کا تعارف گہرے مطالعے اور تحقیق و تدقیق کی عکاسی کرتا ہے۔ "Poetics" کے ماخذی متن یا انگریزی زبان کے "Poetics" کے کسی بھی متن میں یہ چیز دکھائی نہیں دیتی۔ عزیز احمد کی اس اختراعی کاوش سے "Poetics" کی تفہیم اور ہدفی زبان میں اس کی قدر و قیمت اور وقعت میں اضافہ ہوا ہے اور اس سے "Poetics" کے پیچیدہ امور و مسائل اور نکات کی تفہیم سمجھنے میں خاصی آسانی پیدا ہوئی ہے اور بعد میں آنے والے "Poetics" کے اردو مترجمین ناقدین اور طلبہ نے عزیز احمد کی اس جدت پسندی سے خاطر خواہ فائدہ اٹھایا ہے۔

١٩٤١ء میں جامعہ عثمانیہ، حیدرآباد سے اس ترجمے کی اشاعت کے بعد اردو دان طبقے اور خصوصاً ناقدین، محققین اور طلبہ نے ارسطو کے تنقیدی افکار کی تفہیم کے لیے اسے وسیع پیمانے پر بروئے کار لایا۔ ہماری تنقیدی کتب اور مقالات اس ترجمے کے حوالوں سے پر ہیں۔ علم ترجمہ (Translation Studies) کے نقطۂ نظر سے دیکھیں تو ہدفی ادبی نظام میں "فن شاعری" نے اصل کی حیثیت اختیار کر لی اور اسے ترجمہ شدہ متن کے برعکس ارسطوئی تنقیدی افکار کی تفہیم کی خاطر بطور اصل متن پڑھا جانے لگا۔ "Poetics" کے اساتذہ، ناقدین، طلبہ اور خصوصاً بعد میں آنے والے مترجمین نے "Aristotle's Poetics" کے اس اولین اردو ترجمے سے مقدور بھر استفادہ کیا۔

تقابلی ادب کے ایک اہم تصور اثر (Influence) کے حوالے سے "فن ِ شاعری" کا جائزہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ اس ترجمے نے ہدفی تہذیب اور علمی فضا پر دور رس اثرات مرتب کیے، اور ہدفی ادبی فضا اور علمی ڈسکورس میں اس کو مسلسل برتا گیا۔ "Poetics" کے مترجمین اردو تنقید کے مؤرخین، مغربی تنقید کے تجزیہ کار اور تقابلی ادب سے وابستہ اردو داں طبقے پر اس ترجمے کے اثرات کا سلسلہ مسلسل جاری ہے۔

ڈاکٹر جمیل جالبی کے ترجمے "بوطیقا" کا ماخذ انگریزی متن سے تقابل:

ڈاکٹر جمیل جالبی کا شمار اردو زبان کے صفِ اوّل کے محققین، ناقدین، مؤرخین اور مترجمین میں ہوتا ہے۔ اردو زبان و ادب اور خصوصاً تنقید کو متمول بنانے اور اردو دان طبقے کو مغربی فکر سے روشناس کرانے میں ڈاکٹر جمیل جالبی نے قابل قدر، وقیع اور متنوع موضوعات پر کام کیا۔ ان کے کام کی نوعیت اور ماہیت سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ کام کسی ایک فرد کے بس کا نہیں بلکہ ادارے کا کام ہے لیکن یہ کام انھوں نے تنِ تنہا کیا اور ان کے لیے یہ کہنا کہ وہ اپنی ذات میں ایک ادارہ تھے مبالغہ نہیں لگتا۔ ڈاکٹر جمیل جالبی کا "Poetics" کا زیرِ مطالعہ ترجمہ ۱۹۷۲ء میں مکمل ہوا۔ اس ترجمے (اور ارسطو سے ایلیٹ تک کے دیگر تراجم) کا پس منظر بتاتے ہوئے ڈاکٹر جمیل جالبی بتاتے ہیں کہ ان کی زندگی میں ایک دور ایسا بھی آیا جب ان کے پاس کہنے کے لیے کچھ نہ تھا۔ انھوں نے سوچا کہ:

"لگے ہاتھوں یہ دیکھ لیا جائے کہ دنیا کے دوسرے سوچنے اور لکھنے والوں کے پاس کیا ہے؟"(۲۸)

اس خیال کے پیشِ نظر انھوں نے مغرب کی ڈھائی ہزار سال پر محیط ادبی تنقیدی فکر کو اردو زبان میں منتقل کرنے کے کٹھن، محنت طلب اور صبر آزما کام کا آغاز کیا۔ مسلسل محنت اور لگن کے نتیجے میں ۱۹۷۲ء میں یہ کام مکمل ہو گیا۔ ان منصوبے کے تحت انھوں نے مغربی ناقدین کی ان کتب، مقالات اور مضامین کا ترجمہ پیش کیا جنھوں نے مغربی ادب کی روایت اور فکر انسانی کے ارتقا میں کلیدی کردار ادا کیا اور اس پر گہرے اور دور رس اثرات مرتب کیے۔

اس حوالے سے ان تراجم کا محرک کوئی دوسرا شخص / فرد یا ادارہ نہیں، بلکہ خود ڈاکٹر جمیل جالبی کی ذات تھی۔ اس ضمن میں ترجمے کے لیے متن کا انتخاب فی الواقع داد طلب ہے۔ جو تراجم ذاتی ذوق میلان، پسند اور دلچسپی سے کیے جاتے ہیں وہ یقیناً اعلیٰ معیار کے حامل ہوتے ہیں۔

ڈاکٹر جمیل جالبی کے ماخذ متن کے انتخاب پر بات کرتے ہوئے پروفیسر نظیر صدیقی نے بجا طور پر کہا کہ:

> "ترجمے کے معاملے میں ڈاکٹر جمیل جالبی سب سے پہلے اپنے موضوعات کے انتخاب کے لیے تعریف کے مستحق ہیں"۔(۲۹)

انھوں نے سب سے پہلے جس کتاب کا ترجمہ پیش کیا وہ ارسطو کی معروف تنقیدی کتاب "Poetics" ہے جس کا اردو ترجمہ انھوں نے "بوطیقا" کے عنوان سے کیا۔ اس کے علاوہ انھوں نے ارسطو اور "بوطیقا" کا تفصیلی تعارف بھی پیش کیا۔ یہ ترجمہ انھوں نے انگریزی نقاد ٹی۔ ایس۔ ڈورش (T.S. Dorsch) کی کتاب On The Art of Poetry کو ماخذ اور بنیادی متن بناتے ہوئے کیا۔ "ٹی۔ ایس ڈورش" کا انگریزی ترجمہ ۱۹۶۵ء میں پینگوین کلاسکس سے شائع ہوا۔ "ڈورش" کے علاوہ ڈاکٹر جمیل جالبی نے ایس۔ ایچ بچر (S.H. Butcher) کے انگریزی ترجمے اور "Poetics" پر تحقیق سے بھی استفادہ کیا۔

بعد ازاں مقتدرہ قومی زبان نے دنیا کی مختلف زبانوں میں شائع ہونے والی عظیم کتب کے تراجم اور اشاعت کا منصوبہ بنایا تو "Poetics" کے ترجمے کو بھی اس منصوبے میں شامل کیا۔ عظیم کتب کے اردو تراجم کا منصوبہ کیا تھا۔ اس حوالے سے عارف حسین رقم طراز ہیں کہ:

> "مئی ۱۹۹۵ء میں مقتدرہ قومی زبان کے صدر نشین جناب افتخار عارف نے قومی سیمینار کے انعقاد کا اعلان کیا۔ اس سیمینار میں شرکا نے اس امر پر اصرار کیا کہ اردو کی علمی و ادبی ترقی کے لیے دنیا بھر کی عظیم کتب کا ترجمہ لازمی و لابدی ہے اور خاص طور پر پاکستان کے پچاسویں یوم آزادی کے موقع پر پچاس عظیم کتب کے ترجمے سے اس کام کا آغاز کر دیا جائے"۔(۳۰)

"Poetics" کی تاریخی، تنقیدی اور عالمی علمی حیثیت اور اہمیت کے باعث اس کے ترجمے کو بھی ابتدائی پچاس کتب کی فہرست میں شامل کیا گیا اور ارسطو کی اس شہرہ آفاق تنقیدی کتاب کے ترجمے کا کام اردو کے نامور، جید اور عظیم مترجم ڈاکٹر جمیل جالبی کو سونپا گیا۔ ڈاکٹر جمیل جالبی نے یہ ترجمہ ۱۹۹۸ء میں مکمل کیا

اور مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد سے عظیم کتب کے اردو تراجم کے سلسلے میں شائع ہوا۔ عظیم کتب کے منصوبے کے محرک اور روح رواں ڈاکٹر عطش درانی کے الفاظ میں:

"جمیل جالبی نے اپنا ترجمہ انگریزی میں ڈورش اور ہائی واٹر کے ترجموں کی مدد سے پیش کیا ہے۔ مقتدرہ کے "عظیم کتب" کے سلسلے میں یہ ترجمہ پہلی بار پیش کیا جارہا ہے۔ یقیناً یہ کتاب ادب، ابلاغ اور علم التعلیم کے طلبہ اور اساتذہ کے لیے مفید مطلب ثابت ہو گی اور عظیم کتب کے سیٹ کا ایک اہم حصّہ متصور ہو گی"۔ (۳۱)

"مقتدرہ" کا "Poetics" کے ترجمے کو عظیم کتب کے ترجمے کا حصّہ بنانا اور اس ضمن میں ڈاکٹر جمیل جالبی کا بطور مترجم انتخاب ایک صائب اقدام تھا۔ کیونکہ کسی متن کا ترجمہ اس مضمون کا ماہر اور وسیع علم رکھنے والا شخص ہی احسن طریقے سے کر سکتا ہے۔ اس لیے مقتدرہ جیسے ادارے کے لیے درست کتاب کے ساتھ ساتھ درست مترجم کا انتخاب یقیناً ایک مشکل مرحلہ ہوا ہو گا جس کو بخوبی حل کر لیا گیا۔

ڈاکٹر جمیل جالبی مغرب کی تنقیدی فکر کی تاریخ کے رمز شناس تھے۔ انھوں نے مغرب کی ڈھائی ہزار سال پر محیط تنقیدی فکر کو کمال مہارت کے ساتھ اردو زبان میں منتقل کیا۔ وہ انگریزی زبان و ادب کے طالب علم رہے، انھوں نے انگریزی ادبیات میں ایم اے کر رکھا تھا۔ اس کے علاوہ وہ اردو زبان کی تاریخ، تہذیب اور تنقید سے کماحقہٗ واقف تھے۔ اہلِ زبان ہونے کے ساتھ ساتھ وہ اہل فضیلت بھی تھے۔ اردو تحقیق، تنقید، تہذیب اور ترجمے میں وہ اپنی مسلسل محنت اور بے پناہ ریاضت سے سدا بہار پھول کھلا چکے تھے۔ لفظ و معنی کے ساتھ ان کا نہایت ہی قریبی اور گہرا رشتہ تھا، جس کا ثبوت "قدیم اردو کی لغت"، "قومی انگریزی اردو لغت" اور "فرہنگ اصطلاحات جامعہ عثمانیہ" کی تدوین ہے۔ اس ضمن میں ڈاکٹر جمیل جالبی فرماتے ہیں کہ:

"لسانیات سے بھی مجھے گہری دلچسپی ہے۔ اشتقاق کی تلاش میں ایک لطف آتا ہے۔ لفظوں کے معنی تلاش کرنے اور متعین کرنے میں مجھے ایک خاص کیفیت کا احساس ہوتا ہے"۔ (۳۲)

یوں لفظ و معنی سے اس دلچسپی نے ڈاکٹر جمیل جالبی کو ترجمے کے میدان میں بھی کارہائے نمایاں سرانجام دینے کی طرف راغب کیا۔ جالبی صاحب کی بے پناہ علم دوستی اور ادب پروری، لسانی مہارت، ادب و تنقید پر دسترس تہذیبی مسائل، معاملات و مسائل کے اسرار و رموز سے آگاہی اور محنت، لگن اور ریاضت کا

مادہ انھیں مترجم کے اوصاف اور صلاحیتوں سے متعسف کرتا ہے جن کو بروئے کار لاکر انھوں نے "Poetics" جیسے بنیادی مگر اہم متن کو اردو زبان کے روپ میں پیش کیا۔

علم، صلاحیت اور ریاضت کے باوجود ڈاکٹر جمیل جالبی کو ترجمہ کاری کی مشکلات اور دشواریوں کا بخوبی اندازہ تھا۔ وہ اس امر سے بھی بخوبی آگاہ ہیں کہ دوران ترجمہ، مترجم کو کس طرح ماخذ اور ہدفی متون کی تہذیبوں کے مابین کشمکش کا سامنا رہتا ہے اور مترجم ان مسائل کو کیسے حل کرتا ہے؟

> "ترجمے کا کام یقیناً مشکل کام ہے۔ اس میں مترجم مصنف کی شخصیت، فکر اور اسلوب سے بندھا ہوتا ہے۔ ایک طرف اس زبان کا کلچر، جس کا ترجمہ کیا جارہا ہے، اسے اپنی طرف کھینچتا ہے، دوسری طرف اس زبان کا جس میں ترجمہ کیا جارہا ہے، اسے اپنی طرف کھینچتا ہے۔ مترجم کو دونوں کا وفادار رہنا پڑتا ہے"۔ (۳۳)

ان بنیادی امور کی تفہیم کے بعد اب ڈاکٹر جمیل جالبی کے "Poetics" کے ترجمے "بوطیقا" کا ماخذ متن سے تقابل پیش کیا جاتا ہے۔ پہلے مرحلے میں تقابل کے دوران "Poetics" کے کلیدی اہمیت کے حامل اقتباسات کا اردو ترجمے سے تقابل کرکے ترجمے کی تکنیک اور امتیازی خصوصیات پر بات کی جائے گی۔ اس کے بعد "Poetics" کی اصطلاحات، کلیدی الفاظ اور تراکیب کے ترجمے کا تقابل کرکے "Poetics" کے ترجمے کو اردو ترجمے کے تناظر میں اصطلاح اور لفظ کی سطح پر سمجھنے اور تقابل کرنے کی کوشش کی جائے گی، جس سے یہ امر آئینہ ہو جائے گا کہ مترجم "Poetics" کو کس حد تک کامیابی سے اردو زبان کا روپ عطا کرنے میں کامیاب رہا ہے۔ اسے کن دقتوں اور دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا؟ ان کے حل کے لیے اس نے کیا تدبیر کی؟ اور یہ ترجمہ کس حد تک ایک اچھے اور کامیاب ترجمے کے معیار پر پورا اترتا ہے؟

"Poetics" تمہیدی جملہ جس میں ارسطو اس کتاب کی تصنیف کا مقصد بیان کرتا ہے:

> "Under the general heading of the art of poetry, I propose not to speak about this art itself, but also to discuss the various kinds of poetry and their characteristic functions". (34)

ڈاکٹر جمیل جالبی کا ترجمہ:

"فنِ شاعری" کے عنوان کے تحت میرا مقصد صرف اس فن ہی کے بارے میں کچھ کہنا نہیں ہے بلکہ ایسے امور پر بھی بحث کرنا ہے جیسے شاعری کی مختلف اقسام اور ان کے مخصوص مناصب"۔ (۳۵)

ادب وفنون لطیفہ کی دیگر اقسام کو ارسطو نقل قرار دیتا ہے:

"Epic and trgic poetry, comedy too, dithyrambic poetry and most music composed for the flute and the lyre, can all be described in general terms as forms of imitation or representation". (36)

ترجمہ:

"ایپک اور ٹریجک شاعری، کامیڈی بھی، عنائی شاعری اور زیادہ تر وہ موسیقی جو بانسری اور لائر کے لیے ترتیب دی جاتی ہے ---- ان سب کے بارے میں عام الفاظ میں کہا جاسکتا ہے کہ وہ سب کی سب "نقل" یا "نمائندگی" کی صورتیں ہیں"۔ (۳۷)

ادب کی امتیازی خصوصیت کہ وہ زبان کا استعمال کرتا ہے:

"The form of art that uses language alone, whether in prose or verse either in a mixture of metres or in one particular kind, has up to the present without name". (38)

ترجمہ:

"فن کی وہ صنف جو صرف زبان سے تعلق رکھتی ہے چاہے زبان نثر ہو یا نظم اور نظم خواہ مختلف بحروں کا مجموعہ ہو یا ایک خاص قسم کی بحر کا، اب تک بے نام ہے"۔ (۳۹)

نقل کا موضوع انسانی اعمال ہیں:

"Since imitative artists represent men in action". (40)

ترجمہ:

"چونکہ نقل کرنے والے فنکار انسانوں کو عمل کرتے ہوئے پیش کرتے ہیں"۔ (۴۱)

"The instinet for imitation, then, is natural to us as is also a feeling for music and for rhythm".(42)

ترجمہ:

"نقل کرنے کی جبلت ہمارے لیے اسی طرح فطری ہے، جس طرح موسیقی اور وزن کا احساس"۔(۴۳)

طربیہ کی تعریف:

"As I have remarked, comedy represents the worse types of men; worse, however not in the sense that it embrasces any and every kind of badness, but in the sense that the ridiculous is a species of ugliness or badness".(44)

"جیسا کہ میں نے کہا ہے کامیڈی میں خراب قسم کے لوگ پیش کیے جاتے ہیں۔ ان معنی میں خراب نہیں کہ وہ ہر قسم کی بدی میں پڑے ہوئے ہیں، بلکہ ان معنی میں کہ مضحک ہونا بھی بدصورتی اور بدی ہی کی ایک شکل ہے"۔(۴۵)

"Poetics" کا کلیدی اقتباس جس میں ارسطو نے المیہ کی تعریف کی ہے:

"Tragedy then, is a presentation of an action that is worth serious attention, complete in itself and of some amplitude; in language enriched by variety of artistic devices appropriate to the several parts of the play; presented in the form of action, not narration; by means of pity and fear bringing about the purgation of such emotions".(46)

ترجمہ:

"ٹریجیڈی ایک ایسے عمل کی نقل یا نمائندگی ہے جو سنجیدہ توجہ کے لائق ہو۔ اپنی جگہ مکمل بھی ہو اور کچھ وسعت بھی رکھتی ہو۔ ایسی زبان میں ہو جو فنی صنائع سے

معمور ہو اور ڈرامے کے مختلف حصّوں کے مناسب ہو۔ یہ عمل کی شکل میں پیش کی گئی ہو اور افسانہ کی طرح بیان نہ کی گئی ہو۔ خوف اور ترس کے ذریعے ایسے جذبات کا تزکیہ بھی کرتی ہو"۔ (۴۷)

المیہ کے اجزائے ترکیبی:

"Necessarily, then, every tragedy has six constituents, which will determine its quality. They are plot, character, diction, thought, spectacle and song". (48)

ترجمہ:

اس لیے ٹریجیڈی کے چھے ضروری حصّے ہوئے، جو اس کی صفت کا تعین کرتے ہیں۔ یہ حصّے پلاٹ، کردار، زبان و بیان، خیال، تماشا اور گیت ہیں"۔ (۴۹)

ارسطو کے نزدیک پلاٹ کی اہمیت:

"The plot, then, is the first essential of tragedy, its life blood, so to speak, and character takes the second place". (50)

ترجمہ:

"لہٰذا پلاٹ ٹریجیڈی کا پہلا اور بنیادی جزو ہے۔ اس کی حیثیت ٹریجیڈی کی رگوں میں خون کی سی ہے۔ کردار کا درجہ اس کے بعد آتا ہے"۔ (۵۱)

حسن کی ماہئیت پر ارسطو کا کلیدی جملہ:

"For beauty is bound up with size and order". (52)

"کیوں کہ خوبصورتی اور حسن، وسعت اور ترتیب سے تعلق رکھتے ہیں"۔ (۵۳)

ارسطو کا تصور اسلوب:

"The greatest virtue of diction is to be clear without being commonplace". (54)

"زبان کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ پامال و عامیانہ ہوئے بغیر قابل فہم ہو"۔(۵۵)

ڈاکٹر جمیل جالبی کے ترجمے "بوطیقا" کے "ٹی۔ ایس۔ ڈورش" کے انگریزی متن "Poetics" سے تقابل کے نتیجے میں سامنے آنے والے نکات کا حاصل یہ ہے:

ا۔ ٹی۔ ایس۔ ڈورش کے انگریزی متن کے اردو ترجمے کے دوران ڈاکٹر جمیل جالبی نے بنیادی طور پر سب سے زیادہ اور گہری توجہ کا مرکز تو ماخذ متن کے مفہوم کی ترسیل کو بنایا۔ فن ترجمہ کاری میں متون کی علمی، ادبی اور صحافتی اعتبار سے درجہ بندی کی گئی ہے۔ اس درجہ بندی کا ایک فائدہ تو یہ ہے کہ مترجم متن کی قسم اور نوعیت کے مطابق ترجمے کی حکمت عملی کا تعین کرتا ہے جو ترجمہ کاری کے عمل اور ہدفی متن پر گہرے اثرات ثبت کرتی ہے۔ مختلف نوع کا متن ترجمے کے علیحدہ طریقے اور حکمت عملی کا تقاضا کرتا ہے اور اس بنیادی اور عام سے نکتے سے انحراف کی صورت میں بین اللسانی ترجمے کی صورت مسخ ہو جاتی ہے۔ "Poetics" کا ترجمہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے علمی ترجمے کی ذیل میں آتا ہے۔ اس طریقے سے منتقلی اور اس مقصد کے حصول کے لیے لفظ بہ لفظ اور سطر بہ سطر ترجمے "Metaphrase" کی حکمت عملی موزوں تصور کی جاتی ہے۔

"Poetics" کے تمام مترجمین کے برعکس ڈاکٹر جمیل جالبی نے نہ صرف "Poetics" کے ایک جدید ترین اور منفرد متن کا انتخاب کیا بلکہ اس میں موجود ارسطو کی فکر کو سلاست، روانی، عمدگی اور خوبی سے اردو زبان میں منتقل کیا۔ علمی ترجمے کی بنیادی ضرورت ہی مفہوم کی ہدفی زبان میں درست اور بلاکم و کاست منتقلی ہے۔ وگرنہ ترجمہ ایک لایعنی سرگرمی (Futile Practice) بن کر رہ جاتا ہے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی ماخذ متن کی منتقلی میں اس حد تک کامیاب رہے کہ ان کا ترجمہ "بوطیقا" نہ صرف بوطیقا کے بہترین تراجم میں شمار ہوتا ہے بلکہ اردو زبان میں بطور اصل تصنیف پڑھا جاتا ہے۔ اس حوالے سے احمد ندیم قاسمی کی یہ بات بہت اہم ہے کہ :

"ان مضامین میں سے بعض کے تراجم اس سے پہلے بھی اردو میں ہو چکے ہیں، مگر ڈاکٹر جمیل جالبی کا ترجمہ اس لحاظ سے منفرد ہے کہ معلوم ہوتا ہے، کہ مغرب کے ان اکابرین نے اپنے یہ مضامین لکھے ہی اردو میں ہیں"۔(۵۶)

۲۔ ڈاکٹر جمیل جالبی نے "ٹی۔ ایس۔ دورش" کے انگریزی متن کو اردو زبان میں ترجمہ کرنے کے لیے لفظ بہ لفظ اور سطر بہ سطر ترجمے کا طریقہ اپنایا ہے۔ گزشتہ سطور میں "Poetics" کے اقتباسات اور ان کے اردو تراجم اس کا عملی ثبوت ہیں۔ یہ ترجمہ ڈاکٹر جمیل جالبی کے نقطۂ نظر کے مطابق ہدفی اور ماخذ متن دونوں سے وفاداری کا پتہ دیتا ہے۔ دوران ترجمہ جہاں فاضل مترجم ہدفی زبان، محاورے ،اصطلاح اور تہذیب سے وابستہ اور اس کا وفادار ہے وہاں ماخذ متن سے بھی محبت آمیز برتاؤ کرتا ہے ۔ ڈاکٹر جمیل جالبی نے جم کر انگریزی جملے کا حجم اردو میں ترجمہ کیا ہے اور ارسطو کی فکر کے دقیق اور گنجلک نکات کو بھی آسانی اور روانی اردو زبان میں منتقل کیا ہے۔ یہ بات مترجم کی فنی ریاضت اور دونوں متون پر ماہرانہ اور عالمانہ دسترس کے باعث ممکن ہوئی ہے۔

۳۔ انگریزی سے اردو زبان میں ترجمے کے دوران جو نکتہ اکثر ابھر کر سامنے آتا ہے وہ یہ کہ انگریزی زبان کے مقابلے میں اردو ترجمے کے حجم میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ "Poetics" کے نقل شدہ اقتباسات کا فرداً فرداً تجزیہ و تقابل بھی اسی امر کا آئینہ دار ہے۔ مثلاً گزشتہ صفحات میں نقل کیا گیا "Poetics" کا پہلا اقتباس اکتیس (۳۱) الفاظ پر مشتمل ہے، جبکہ اس کا اردو ترجمہ سینتیس (۳۷) الفاظ پر مشتمل ہے۔ دوسرا انگریزی اقتباس اکتیس الفاظ پر اور اس کا اردو ترجمہ چھیالیس (۴۶) الفاظ پر مشتمل ہے۔ تیسرا اقتباس اکتیس (۳۱) انگریزی الفاظ پر جب کہ اس کا اردو ترجمہ اڑتیس (۳۸) الفاظ پر مشتمل ہے۔ چوتھا انگریزی اقتباس سات (۷) انگریزی الفاظ جب کہ اس کا اردو ترجمہ تیرہ (۱۳) الفاظ پر مشتمل ہے۔ چھٹا انگریزی اقتباس چالیس (۴۰) جبکہ اس کا اردو ترجمہ چھیالیس (۴۶) الفاظ پر مشتمل ہے، "Poetics" کا سب سے اہم اور مرکزی خیال کا حامل اقتباس جس میں ارسطو نے المیہ کی تعریف کی ہے، ستاون (۵۷) انگریزی جب کہ پچھتر (۷۵) اردو الفاظ پر مشتمل ہے۔ آٹھواں اقتباس اکیس (۲۱) اور اس کا اردو ترجمہ اٹھائیس (۲۸) الفاظ پر مشتمل ہے۔ نواں اقتباس اکیس (۲۱) اور اس کا اردو ترجمہ اٹھائیس (۲۸) الفاظ پر مشتمل ہے۔ دسواں اقتباس نو (۹) اور اس کا اردو ترجمہ گیارہ (۱۱) الفاظ پر مشتمل ہے۔ گیارھواں اقتباس بارہ (۱۲) اور اس کا اردو ترجمہ اٹھارہ (۱۸) الفاظ پر مشتمل ہے۔

ہدفی متن میں اضافے کا رجحان اردو کے بیشتر متون میں موجود ہے، اس کے اسباب میں مترادفات کا استعمال، ایک لفظ کے مقابل ایک جملہ یا وضاحتی الفاظ لکھنے کا رجحان، اصطلاح کا ترجمہ نہ ہونے کی

صورت میں کئی الفاظ یا جملوں میں اس کی وضاحت اور لسانی اختلافات شامل ہیں۔ یہ رجحان اردو کے علاوہ دیگر زبانوں کے ہدفی متون میں بھی ملتا ہے۔

۴۔ ڈاکٹر جمیل جالبی کے ہاں بھی ایک انگریزی لفظ کے مقابل اردو مترادف لانے کا رجحان پایا جاتا ہے۔ مثلاً "Imitation" کے لیے نقل اور نمائندگی "Commonplace" کے لیے پامال و عامیانہ "Beauty" کے لیے خوبصورتی اور حسن وغیرہ۔

۵۔ ڈاکٹر جمیل جالبی کے ترجمے "بوطیقا" کا ایک توجہ طلب نکتہ یہ ہے کہ انھوں نے اس کتاب کے بیسویں اور اکیسویں باب کا ترجمہ "حذف" کر دیا ہے اور اس کی وضاحت حاشیے میں یوں کی ہے:

> "بیسویں اور اکیسویں باب کا ترجمہ اس لیے نہیں کیا گیا کہ ان دو مختصر ابواب میں ارسطو نے خالص فنی بحثیں کی ہیں، جن کا تعلق یونانی فن لغت اور گرامر سے ہے"۔(۵۷)

ماخذ اور ہدفی متون کے تقابل کے دوران ہدفی متن کے الفاظ جملے اقتباس حذف کرنے کا رجحان اکثر دکھائی دیتا ہے۔ اس کا سبب بعض اوقات تو تہذیبی وجوہات کی بنا پر ہوتا ہے کہ ایک تہذیب میں کسی لفظ، جملے یا اقتباس یا تصور کا ترجمہ اخلاقی نقطۂ نظر سے مناسب خیال نہیں کیا جاتا لیکن ایسا عام طور پر ادبی متون کے تراجم میں ہوتا ہے۔ علمی متن میں دو ابواب حذف کرنا اور اس کا سبب یہ بیان کرنا کہ "ان کا تعلق یونانی فن لغت اور گرامر سے ہے"۔ یقیناً عجیب سا جواز معلوم ہوتا ہے کیونکہ "Poetics" کے تمام تر تصورات کا تعلق یونانی ادب اور تنقید سے ہی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ان میں سے کچھ تصورات آفاقی نوعیت کے ہیں اور آج بھی مستعمل ہیں۔

بوطیقا کے دیگر مترجمین نے بھی "حذف" (Omission) کی تکنیک کا استعمال کیا لیکن محدود پیمانے اور محض چند جملوں کی حد تک۔

۶۔ ماخذ متن اور ہدفی متن کے تقابل کے دوران ایک نکتہ یہ بھی سامنے آیا کہ ڈاکٹر جمیل جالبی کے دورانِ ترجمہ انگریزی کے ایک جملے کا ترجمہ دو یا تین چھوٹے چھوٹے جملوں کی صورت میں کیا ہے۔ مثال کے طور پر گزشتہ صفحات میں درج کیے گئے "Poetics" کے نویں اقتباس کے ایک جملے کا ترجمہ تین چھوٹے چھوٹے جملوں کی صورت میں کیا ہے۔ "بوطیقا" میں اس قبیل کی مثالوں

کی کمی نہیں۔ ایسا ابہام دور کرنے، بہتر تفہیم، اردو اور انگریزی زبانوں کے مزاج کے اختلاف کی بنا پر ہوتا ہے۔

۷۔ ابواب کی تقسیم کے حوالے سے ڈاکٹر جمیل جالبی نے کسی مجتہدانہ روش کو اپنائے بغیر "ٹی۔ ایس۔ ڈروش" کی تقلید کو ہی مناسب جانا ہے۔ ڈروش نے "Poetics" کو چھبیس (۲۶) ابواب میں تقسیم کیا اور ہر باب کا اس کے مرکزی مفہوم کی بنا پر عنوان قائم کیا۔ ڈاکٹر جمیل جالبی نے "ڈروش" کی اس تقسیم اور ابواب بندی کے انداز کو مفید خیال کرتے ہوئے من و عن اپنایا۔ مثال کے طور پر:

"۱۔ تمہید

Introduction

۲۔ شاعری بحیثیت نقل

Poetry as imitation

۳۔ شاعرانہ نقل کے ذرائع

The media of Poetic Imitation

۴۔ شاعرانہ نقل کی عوامل

The objects of Poetic Imitation

۵۔ شاعرانہ نقل کا طریقہ وغیرہ"۔

"Poetics" اور اس کے اردو ترجمے بوطیقا کے درجہ بالا پہلو کو نمایاں کرنے کے بعد اب کلیدی الفاظ، اصطلاحات اور تراکیب کا تقابل پیش کیا جاتا ہے جس سے "Poetics" کے ترجمے کے کچھ اور پہلو نمایاں ہو سکیں گے۔

جمیل جالبی	T.S. Dorsch
ایپک شاعری	Epic Poetry
ٹریجیڈی	Tragedy
کامیڈی	Comedy
عنانی شاعری	Dithyrambic Poetry
لائر	Lyre

نمائندگی	Representation
نقل نمائندگی	Imitation
وزن	Rhythm
حرکات وسکنات	Movements
بحر	Metre
نثری نقالی	Prose mimes
نوحہ خواں شاعر	Elegiac Poets
رزمیہ شاعر	Epic Poets
فطری فلسفی	Natural Philosopher
باقاعدہ بحریں	Formal metres
نمائندگی کے ذرائع	Media of representation
شاعرانہ نقل کے ذرائع	Objects of Poetic imitation
فرق اور اختلاف	Variations
سائکلوپس	Cyclops
طریقہ	Manner
بیان	Narration
نقل کرنے والے فنون	Immitative arts
نقال	Imitator
اسفل ترین جانور	Lowest animals
فطری اور جبلی رجحانات	Natural aptitudes
جدت اور برجستگی	Improvisation
شائستہ اعمال	Noble actions
کم ذہن	Trivial
حمد	Hymns

قصیدے	Panegyrics
طنزیے	Invectives
آئی امبک بحر	Iambic metre
آئمبس	Iambs
طنزیے	Lampoons
فلیک گیت	Phalic songs
مضحک	Ridiculous
مسخرے کا مصنوعی چہرہ	Comic mask
بے ہنگم اور بے ڈول	Distorted
مستقل ہیئت	Clear cut form
سلیقے اور صحت کے ساتھ تعمیر کیے گئے پلاٹ	Properly worked out plots
افسانوی شکل	Narrative form
ہیکسامیٹر	Hexameter
سنجیدہ نوجہ کے لائق	Worth serious attention
وسعت	Amplitude
معمور زبان	Enriched language
فنی صنائع	Artistic devices
عمل کی شکل میں	Form of action
خوف اور ترس	Pity and fear
تزکیہ	Purgation (catharsis)
جذبات	Emotions
پلاٹ	Plot
کردار	Character
زبان وبیان	Diction

خیال	Thought
تماشا	Spectacle
غلطی	Some great error or fraity (Hamartia)
گیت	Song
واقعات کی ترتیب	Ordering of Incidents
ڈرامے کی تقریریں	Speeches in the play
الفاظ کا معنی خیز استعمال	Expsessive use of words
اسٹیج کی آرائش	Stage effect
تماشے کا اثر	Spectacular effects
ابتداء، وسط اور خاتمہ	Beginning, middle and an end
پلاٹ کا اتحاد	Unity of plot
الل ٹپ طریقے سے	Haphazard way
گھڑی	Water Clock
قیاس	Probability
ضرورت	Necessity
واضح اور غیر مبہم	Clear
آفاقی صداقتیں	Universal truths
مخصوص واقعات	Particular facts
قصہ در قصہ	Episodic
سادہ اور پیچیدہ پلاٹ	Simple and complex plots
انکشاف	Discovery
تنسیخ	Reversal
مصیبت	Clamity
پرولوگ	Prologue

ایپی سوڈ	Episode
ایکسوڈ	Exode
کورس گیت	Choral Song
پیروڈ	Parode
اسٹاسی مون	Stasimon
ٹریجک عمل	Tragic Action
بدی یا بدکاری	Vice and depravity
غلطی	Error
اچھی طرح سوچے سمجھے ہوئے پلاٹ	Well concieved plot
دوہرا پلاٹ	Double thread of plot
موزوں اور موقع و محل کے مطابق عکاسی	Appropriate Portrayal
زندگی کے مطابق	Life Like
مربوط و ہم آہنگ	Consistent
تخلیقی قوت کا فقدان	Sheer lack of invention
نشانیاں اور اشارے	Visible signs or tokens
عقل و دلیل	Reasoning
سین	Scene
بے ربطیاں	Incomsistencies
تنقیص	Censure
مناسب اشارے	Appropriate gestures
عالم جذب میں	Possessed
بھونڈا پن	Clumsy
پیچیدہ ٹریجیڈی	Complex Tragedy
کردار کی ٹریجیڈی	Tragedy of Character

تماشے کی ٹریجیڈی	Spectacular Tragedy
تکلیف، دکھ اور مصائب کی ٹریجیڈی	Tragedy of Suffering
قابل فہم	Clear
پامال وعامیانہ	Commonplace
غیر ملکی الفاظ	Loan Words
استعارے	Metaphors
تعقید	Expanded Words
معما	Riddle
عام الفاظ	Ordinary Terms
زبان وبیان کی صفائی	Clarity of diction
تشریحی الفاظ	Expanded Words
ایجاز واختصار والے الفاظ	Abbreviated Words
الفاظ کی بدلی ہوئی شکلیں	Altered Words
افسانوی نظم	Narrative Verse
یوسی آئی ڈن	Poseidon
بیوی کے چاہنے والے	Suitors
حسن تعلیل اور مغالطہ	Fallacy
قرین قیاس ناممکنات	Probable Impossibilities
دوراز قیاس ممکنات	Impossible Probabilities
زبان کے تغیر و تبدل	Modifications of language
فنی طور پر غلط	Technically at fault

درج بالا الفاظ وتراکیب اور اصطلاحات کے تقابل سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ڈاکٹر جمیل جالبی نے اصطلاحات کا ترجمہ کرتے ہوئے بعض اصطلاحات کے اردو میں مروج اور مستعمل ترجمے کو ہی اپنایا ہے جیسے پلاٹ، کردار، زبان وبیان، ترس، خوف------ وغیرہ۔ ڈاکٹر جمیل جالبی کے ہاں الفاظ و اصطلاحات کے

ترجمے میں دوسرا رجحان یہ ملتا ہے کہ انھوں نے بعض الفاظ اور خصوصاً اصطلاحات کو من و عن اردو میں منتقل کر دیا ہے۔ مثال کے طور پر "ایپک"، ٹریجیڈی، کامیڈی، پرولوگ، ایپی سوڈ، ایکسوڈ، پیروڈ، کورس، اسٹاسی مون، حالانکہ ان اصطلاحات میں سے بعض کے اردو مترادفات نہ صرف موجود ہیں بلکہ مروج بھی ہیں مثلاً رزمیہ، المیہ، طربیہ وغیرہ۔

اصطلاحات کے ساتھ ساتھ بعض الفاظ کو بھی اردو میں اپنا لیا گیا ہے، مثلاً "سین"، لائر، سائکلوپس وغیرہ۔ دوران ترجمہ بعض مقامات پر ایک انگریزی لفظ کے مقابلے میں دو یا دو سے زیادہ الفاظ برتے گئے ہیں، جیسے "Variations" کے لیے فرق اور اختلاف "ed distort" کے لیے بے ہنگم اور بے ڈول، "Diction" کے لیے زبان و بیان، "Clear" کے لیے "واضح اور غیر مبہم"، "Reasoning" کے لیے عقل و دلیل۔

انگریزی سے اردو ترجمے کے دوران مترجم کو ناموں کی اردو زبان میں کامیابی سے منتقلی کی مشکل سے بھی واسطہ پڑتا ہے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی کو بطور مترجم اس مسئلے کی نزاکت کا ادراک تھا۔ اس ضمن میں وہ "ارسطو سے ایلیٹ تک" کے دیباچے میں رقمطراز ہیں کہ:

> "ایک بات اور مغرب کے قدیم و جدید ناموں میں، میں نے اردو زبان کے مزاج کو اہمیت دی۔ بالکل ایسے ہی جیسے مغرب والے دوسری زبانوں کے مصنفوں کے ناموں کو اپنی زبان کے مزاج کے مطابق ڈھال لیتے ہیں۔ ابن رشد (s Averroe)ہوگئے ابن سینا (Avecina) ہوگئے یا جیسے عرب و ایران میں "سوکریٹنیر، سقراط"، پلیٹو، "افلاطون" اور "ارسٹوٹل"، ارسطو کہلائے"۔ (۵۸)

ڈاکٹر جمیل جالبی نے "Poetics" میں آنے والے ناموں کو درست املا اور تلفظ کے ساتھ اردو میں ڈھالنے کی کوشش کی جیسے، سوفرون، زنارکس، نے کو کارپس، ٹیموتھیس، ایسکیلس، ہیروڈوٹس، سوفوکلیز، پوری پیڈس۔

" Poetics" میں افلاطون (Plato) کا نام نہیں آیا اور نہ ہی ارسطو کا۔ سقراط کا نام صرف پہلے باب میں اس کے مکالموں کے حوالے سے آیا ہے۔ اسی طرح ڈاکٹر جمیل جالبی نے نظموں کے ناموں کو بھی ہو بہو اردو میں منتقل کیا ہے۔ مثلاً ہومر کی (Odyssy) کو اردو میں "اوڈیسی" اور "Margites"

کو "مار گائٹس" ہی تحریر کیا ہے۔ یہی صورت دوسری تحریروں، ڈراموں اور تشنیفات کے ناموں کے معاملے میں بھی نظر آتی ہے۔

ڈاکٹر جمیل جالبی کا ترجمہ "بوطیقا" اردو تنقید کے میدان میں ہونے والے تراجم میں بہت مشہور و معروف اور کثیر الاشاعت ترجمہ ہے۔ یہ ترجمہ نیشنل بک فاؤنڈیشن سے بار بار شائع ہوا ہے اور اردو زبان و ادب کے طلبہ، اساتذہ، ناقدین اور عام قارئین کی توجہ اور دلچسپی کا مرکز بنا۔ اردو زبان کے ادبی و تنقیدی نظام (Polysytem) میں اس کو بطور اصل کتاب کے پڑھا اور بطور حوالہ نقل کیا جاتا ہے اور گزشتہ صفحات میں نقل کی گئی احمد ندیم قاسمی کی اس رائے سے انکار ممکن نہیں کہ ڈاکٹر جمیل جالبی کے تراجم کو اردو زبان میں یوں پڑھا جاتا ہے جیسے وہ لکھے ہی اردو زبان میں گئے ہیں۔ ویسے بھی اردو زبان میں ابھی تک تراجم پر معیاری علمی و ادبی تحقیق اور ان کی معیار بندی کی روایت آغاز نہیں ہوا۔ شاید اس کے بعد ان تراجم کو تحقیق کی کسوٹی پر بھی پرکھا اور تنقید کے میزان میں تولا جاسکے گا۔

علم ترجمہ (Translation Studies) کے نقطہ نظر سے تجزیہ و تقابل سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ترجمہ ایک طرف تو "Metaphrase" کے ذیل میں آتا ہے تو دوسری طرف اس ترجمے میں بڑے پیمانے پر "مقامیت" (Domestication) پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یعنی انھیں ہدفی زبان و تہذیب کے رنگ میں رنگنے کی کوشش کی گئی ہے اور تیسری طرف لفظی و اصطلاحی سطح پر "Borrowing" اور "Calque" کا رجحان بھی نمایاں ہے۔ یعنی بعض ماخذ زبان کے الفاظ و اصطلاحات کو من و عن اردو میں اپنالیا گیا اور بعض کو ترجمے کی صورت میں اردو کا روپ عطا کیا گیا ہے۔ کثیر انتظامی نظریے کے نقطۂ نظر سے تقابل سے واضح ہوتا ہے کہ ہدفی زبان کے پولی سسٹم میں اس ترجمے کا متن مرکزی مقام کا حامل ہے اور اسے طبع زاد تحریروں کے برابر تصور کر کے علمی و ادبی اور تنقیدی ڈسکورس میں وسیع پیمانے پر بروئے کار لایا جاتا ہے۔

شمس الرحمن فاروقی کے اردو ترجمے شعریات کا ماخذ انگریزی متن سے تقابل:

"Poetics" کے مترجمین میں شمس الرحمٰن فاروقی ایک اہم اور معتبر نام ہے۔ ان کا "Poetics" کا ترجمہ ۱۹۷۶ء میں مکمل ہوا اور یہ ترجمہ ترقی اردو بورڈ کی فرمائش پر کیا گیا۔ یوں اس ترجمے کا محرک کوئی فرد نہیں بلکہ ہندوستان کا ایک مستند ادارہ تھا۔ ۱۹۹۸ء میں ایک مرتبہ پھر ہندوستان کے علمی و ادبی ادارے "قومی

کونسل برائے فروغِ اردو زبان" نے نظر ثانی شدہ ایڈیشن شائع کیا۔ شمس الرحمٰن فاروقی نے "ترقی اردو بورڈ" کی فرمائش پر ہی یہ ترجمہ ایس۔ ایچ۔ بچر (S.H.Bucher) کے انگریزی ترجمے کی بنیاد پر تیار کیا۔ دورانِ ترجمہ انھوں نے بچر کی عبارت کو ہی ترجیح دی ہے لیکن اس کے علاوہ انھوں نے دیگر تراجم و مآخذ سے بھی استفادہ کیا جس میں سینٹس بری (Saintsbury) کا ترجمہ جو کارآمد حواشی کے ساتھ شائع ہوا۔ عزیز احمد کا اردو ترجمہ جو انجمن ترقی اردو کی تحریک پر ۱۹۴۱ء میں مبسوط دیباچے اور دلچسپ حواشی کے ساتھ شائع ہوا۔ ٹی ۔ ایس ۔ ڈورش (T.S.Dorsch) کا "Poetics" کا انگریزی ترجمہ جو ان کی کتاب " Classical Literary Criticism" میں شامل ہے اور جسے پینگوئن پبلشرز نے ۱۹۶۵ء میں شائع کیا۔ ڈاکٹر محمد یٰسین کا بوطیقا کا اردو ترجمہ جو ان کی کتاب "کلاسیکی مغربی تنقید" میں شامل ہے اور جو بائی واٹر (Bywater) کے انگریزی ترجمے سے کیا گیا۔ جان وار نگٹن کا "Poetics" کا انگریزی ترجمہ جو سادہ، رواں اور عمدہ حواشی پر مشتمل ہے۔ ڈی۔ ڈبلیو۔ لیوکس کا "Poetics" کا یونانی متن جس کی مفصل شرح اور انگریزی زبان میں ہیں۔

شمس الرحمٰن فاروقی نے ۱۹۹۸ء میں "قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان" کی تحریک پر نظر ثانی کی تو گزشتہ ایڈیشن میں راہ پانے والی اغلاط کی تصحیح کے ساتھ نئے حواشی بھی لکھے جنھیں انھوں نے "حاشیہ مترجم" کا نام دیا۔

جیسا کہ گذشتہ سطور میں بتایا گیا کہ یہ ترجمہ ایس۔ ایچ۔ بچر کے ترجمے کو بنیاد بنا کر کیا گیا ہے۔ ایس۔ ایچ۔ بچر کا ترجمہ "The Poetics of Aristotle" کے نام سے پہلی مرتبہ ۱۸۹۴ء میں چھپا، اس کا دوسرا ایڈیشن ۱۸۹۷ء اور تیسرا اور نظر ثانی شدہ ایڈیشن ۱۹۰۲ء میں "Macmillan and Co.Limiled" نے شائع کیا۔ دوسرے اور تیسرے ایڈیشن کے دیباچوں میں ایس۔ ایچ۔ بچر نے ان مآخذ کا تفصیلی ذکر کیا جن سے استفادہ کر کے یہ معیاری ترجمہ کیا گیا۔ انھوں نے یہ ترجمہ کرنے کے دوران "Poetics" کے قدیم یونانی اور عربی متون کو پیشِ نظر رکھا۔ انھوں نے "Poetics" کا عربی متن مرتب کرنے والے پروفیسر مارگوئتھ سے براہِ راست استفادہ کیا اور اہم اور نازک امور پر ان سے رہنمائی حاصل کی۔ پروفیسر "ایس۔ ایچ۔ بچر" (S.H. Bucher) کے "The Poetics of Aristotle" دوسرے اور تیسرے ایڈیشن کے دیباچوں میں تین عوامل کا بطور خاص ذکر کیا، جس کی بنا پر انھوں نے ۱۹۰۲ء کے ایڈیشن میں ترمیم و اضافے کیے۔

۱۔ پروفیسر مارگولائتھ اور پروفیسر ہارڈی سے تبادلہ خیال۔

۲۔ عربی، انگریزی اور یونانی متون سے براہِ راست استفادہ۔

۳۔ جرمنی میں اس دور میں تنقید کے میدان میں ہونے والے وقیع کام اور مواد سے استفادہ۔

پروفیسر بچر "ایڈن برگ یونیورسٹی" میں یونانی زبان کے پروفیسر تھے۔ یونانی زبان، ادب اور تنقید سے کماحقہٗ آگاہ ہونے کے ساتھ ساتھ انگریزی زبان وادب کے ماہر اور انگریزی کے اہل زبان بھی تھے۔ یوں ایک تاریخی بنیادی، پیچیدہ اور اہم متن کے ترجمے کے لیے درکار اوصاف اور صلاحیتوں سے مالامال تھے، اس پر طرہ یہ کہ انھوں نے "Poetics" کے ترجمے کے لیے بے پناہ محنت اور عرق ریزی سے کام لیا اور ان کی ہمت اور وسائل سے مقدور بھر استفادہ کیا۔ یوں انھوں نے انگریزی زبان میں "Poetics" کا ایک ایسا متن ترتیب دیا جو علمی، تنقیدی اور لسانی نقطۂ نظر سے قابل قدر بھی ہے اور مستند بھی۔ ان نکات کے پیشِ نظر ہندوستان کے قومی اداروں "ترقی اردو بورڈ" اور "قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان" نے اگر "ایس۔ ایچ۔ بچر" کے ترجمے کو مستند اور فائق مانتے ہوئے ترجمے کے لیے منتخب کیا تو ان کے اس فیصلے کے صائب ہونے میں شک کی گنجائش نہیں۔

دوسری طرف شمس الرحمٰن فاروقی جیسے جید عالم کا بطور مترجم انتخاب بھی ایک اہم کام کے لیے موزوں ترین شخص کا انتخاب تھا۔ شمس الرحمٰن فاروقی انگریزی ادبیات میں ایم۔ اے ہونے کے ساتھ ساتھ انگریزی ادب کے عالم اور انگریزی زبان پر کامل دسترس رکھتے تھے۔ انگریزی اور مغربی تنقید پر ان کی گہری نظر تھی اور وہ انگریزی تنقید کے ارتقا اور مختلف ادوار میں ابھرنے والے تنقیدی افکار و نظریات سے خوب واقف تھے جس کا اندازہ ان کے رسالے "شب خون" میں شائع ہونے والے تنقیدی مضامین سے بہ آسانی لگایا جاسکتا ہے۔ اردو ان کی مادری زبان تھی اور اردو زبان وادب سے محبت اور دلچسپی کا وہ ایک جیتا جاگتا ثبوت تھے۔ داستان سے ان کا والہانہ عشق، کلاسیکی و جدید شاعری سے محبت، ناول نگاری کا ذوق، جدید ادب اور تصورات کا فروغ (شب خون کی اشاعت کے ذریعے) افسانہ نگاری کی طرف رغبت مغربی تنقید کے ساتھ ساتھ مشرقی شعریات کا عمیق مطالعہ، دنیا بھر میں اردو دان طبقے کی تربیت و رہنمائی کے لیے گفتگو اور لیکچر دینا، ان کی اردو زبان وادب سے محبت کا بین ثبوت ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ زبان و بیان کی باریکیوں اور اسلوب کی نزاکتوں کے رمز شناس بھی تھے۔

ان اوصاف کے حامل شخص کا انتخاب ایک اچھے اور کامیاب ترجمے کا ضامن تھا۔ یہی سبب تھا کہ شمس الرحمٰن فاروقی کا "The Poetics of Aristotle" کا اردو ترجمہ بہت کامیاب رہا۔ اردو دان طبقے نے اس

سے بہت قبولیت اور پذیرائی بخشی اور ہندوستان اور پاکستان سے اس کے متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ دونوں ممالک کے طلبہ اور اساتذہ، ناقدین ادب اور قارئین میں یہ ترجمہ یکساں مقبول ہے۔

ایک اچھے اور کامیاب ترجمے کے لیے مترجم کے ذاتی اوصاف اور درست متن کے ترجمے کے لیے صحیح مترجم کا انتخاب نازک اور فیصلہ کن مرحلہ ہوتا ہے۔ عام طور پر مترجم کے لیے ذولسانی صلاحیت اور مہارت کی شرط لازمی ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ مترجم کا ہدفی اور ماخذ متون کی تہذیبوں سے آگاہ ہونا بھی ضروری ہے۔ مترجم کی تخلیقی صلاحیت، نو لفظ سازی کا ملکہ کہ اکثر اس پہلو سے بھی سابقہ پڑتا ہے۔ وضع اصطلاحات کے نوع بہ نوع پہلوؤں سے واقفیت از حد ضروری ہے وگرنہ ترجمے میں نہ صرف بہت سی پیچیدگیاں ابھر آتی ہیں بلکہ بعض صورتوں میں غلط ترجمہ بھی ہو جاتا ہے۔ اس تناظر میں شمس الرحمٰن فاروقی کی شخصیت اور صلاحیت کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ نہ صرف اردو اور انگریزی یعنی زیر تحقیق متن کی ہدفی اور ماخذی (S.T) زبانوں پر کامل دسترس رکھتے تھے بلکہ اردو زبان سے قریبی تعلق رکھنے والی زبانوں ہندی، فارسی اور عربی سے بھی واقف تھے اور ہندوستانی شہری ہونے کی بنا پر سنسکرت کے رمز شناس بھی تھے۔ اس سے یہ امر تو واضح ہو جاتا ہے کہ ان کی علمی و لسانی صلاحیت شک و شبے سے بالاتر بلکہ قابل رشک ہے۔

لیکن ایک اچھے ترجمے کے لیے محض متعلقہ مضمون کا علمی پس منظر اور ذولسانی یا کثیر لسانی صلاحیت ہی کافی نہیں۔ ماخذ متن (S.T) کو کامیابی اور عمدگی سے ہدفی متن میں ڈھالنے کے لیے ہدفی متن کا بار بار مطالعہ، غور و فکر، موضوع سے متعلق گہری اور سنجیدہ تحقیق اور متعلقہ مضمون کے ماہرین سے تبادلۂ خیال اور رہنمائی کام کی وقعت اور قدر و قیمت میں اضافے کا باعث بنتی ہے۔ مزید برآں مترجم کو متعلقہ موضوع پر ماخذ اور ہدفی زبان میں ہونے والی جدید ترین ترقیوں اور جدتوں سے آگاہ ہونا بھی ضروری ہے۔

شمس الرحمٰن فاروقی نے "Poetics" کے ترجمے کے لیے نہ صرف اردو اور انگریزی کے تمام مستند اور دستیاب مواد سے مدد لی بلکہ ایک معیاری ترجمے کے لیے درکار محنت اور تحقیق کی راہ بھی اپنائی تب جا کر ایک ایسا اردو ترجمہ سامنے آیا جو "Poetics" کا کامیاب اور معیاری ترجمہ کہلانے کا مستحق ہے۔

اردو زبان میں ہونے والے تراجم کا تحقیقی و تقابلی جائزہ ایک اہم مگر دلچسپ نکتے کی عکاسی کرتا ہے اور وہ یہ کہ ہمارے مترجمین اور ناقدینِ ترجمہ بھی تراجم پر تنقید کرتے ہوئے اور ان کے معیار کا تعین کرتے ہوئے متذکرہ بالا اُمور کو پیشِ نظر رکھتے ہیں، جن میں مترجم کا علمی و لسانی پس منظر سب سے اہم تصور کیا جاتا ہے لیکن اس بنیادی نکتے اور پہلو کی طرف ہمارے ماہرین اور ناقدین کی نظر نہیں جاتی کہ مترجم اپنی تمام تر عالمانہ

صلاحیتوں کے باوصف علم ترجمہ، فن ترجمہ اور نظریہ ترجمہ سے کس حد تک واقف و آگاہ ہے۔ معیاری ترجمے کے لیے علم ترجمہ کے اصول و تصورات سے نہ صرف آگاہی ضروری ہے بلکہ مترجم کے ذہن میں متعلقہ متن کے ترجمے کے لیے واضح حکمت عملی ہونی چاہیے۔ اسے شعوری طور پر اس بات کا احساس ہونا چاہیے کہ زیر کار متن ترجمے کی کس نوع سے متعلق ہے۔ یہ ترجمہ کس عملی کا تقاضا کرتا ہے ۔ مترجم کو دیگر امور پر توجہ دینے کے ساتھ ساتھ ترجمے کے علمی و نظری تصورات پر نظر التفات ضرور کرنی چاہیے۔

دیگر زبانوں سے اردو میں ہونے والے متنوع اصناف کے تراجم پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے مترجمین محض خداد صلاحیت اور اٹکل کی بنا پر ہی ترجمہ کر ڈالتے ہیں اور فی زمانہ ترجمے کے فن نے جس طرح تیز رفتار ترقی کی منازل طے کر کے ایک علیحدہ اور خود مختار شعبۂ علم کی حیثیت اختیار کر لی ہے، سے ناواقف دکھائی دیتے ہیں۔ اس کے اسباب میں اردو زبان میں ترجمے کے اصول، نظریے اور فن پر مواد کی مایوس کن حد تک کمی، ہمارا تساہل، عالمی علمی ترقیوں سے عدم واقفیت، تعلیمی نظام کا روبہ زوال ہونا، ترجمے پر جدید سائنسی تحقیق کا فقدان اور ہمارے قومی اداروں اور اکادمیوں کی عدم دلچسپی ہے۔ تراجم تو محض خداداد صلاحیت اور اٹکل سے بھی ہو ہی جایا کرتے ہیں، ہوتے رہے ہیں اور بعض بہت معیاری، شاندار اور وقیع تراجم بھی ہوئے لیکن اس شعبۂ علم کی مربوط ہمہ جہت اور ہمہ گیر ترقی کے لیے اس پہلو کو ملحوظ نگاہ رکھنا مفید ثابت ہو سکتا ہے ۔

اس نقطۂ نظر سے جب ہم "Poetics" کے اردو تراجم کا جائزہ لیتے ہیں تو وہی صورت ِحال نظر آتی ہے جو گزشتہ سطور میں بیان کی گئی ہے، "Poetics" کے تراجم گو کہ معتبر اور اعلیٰ صلاحیت کے حامل مترجمین نے کیے لیکن ان تراجم کے دیباچوں اور طویل تعارفی مضامین میں اپنائی گئی ترجمے کی حکمت عملی کی تفصیلات نہیں، محض چند بر سبیل تذکرہ آ گئے تو آ گئے اور بس۔ ہمارے ملک میں زبان کی آموزش و تدریس، غیر ملکی زبانوں کی آموزش اور خصوصاً انگریزی زبان کی آموزش کے حوالے سے شروع سے ہی گرامر ٹرانسلیشن میتھڈ (Grammar Translation Method) بہ روئے کار لایا جاتا رہا ہے، جس کا لب لباب یہ ہے کہ غیر ملکی زبان کی تدریس کے لیے پہلے گرامر کے اصول واضح کر دیے جاتے ہیں۔ پھر ان اصولوں کی مشق جملوں کی صورت میں کی جاتی ہے۔ جدید دنیا میں تو گرامر ٹرانسلیشن میتھڈ تیزی سے روبہ زوال ہے بلکہ ختم ہو چکا ہے اور اس کی جگہ براہ راست طریقہ (Direct Method)اور ابلاغی نقطۂ نظر (Communicative Approach) نے لے لی ہے جس میں زبان کی آموزش کے لیے ویسا ہی لسانی

ماحول تخلیق کیا جاتا ہے اور خصوصی طریقے سے زبان سکھانے کے برعکس روزمرہ زندگی میں زبان کا استعمال کیا جاتا ہے اور فطری طریقہ و گفتگو کو اپناتے ہوئے زبان پر مہارت حاصل کی جاتی ہے۔

اس سے بظاہر غیر متعلقہ بحث کو اس مقام پر چھیڑنے کا مقصد یہ ہے کہ ہمارے ہاں بڑے پیمانے پر اعلیٰ سطح کی کتب کے تراجم بھی مترجمین کے ذہن میں وہی گرائمر ٹرانسلیشن میتھڈ ہی رہتا ہے اور ترجمہ کاری میں دونوں شعوری اور غیر شعوری طور پر اپنا عکس دکھاتا ہے۔ "Poetics" کے شمس الرحمٰن فاروقی کے زیر بحث ترجمے میں بھی یہی صورت دکھائی دیتی ہے۔ جہاں انھوں نے پہلے اور تیسرے ایڈیشن کے دیباچوں میں دیگر بہت اہم اور کار آمد باتیں کی ہیں، ایک مبسوط اور گراں مایہ تعارف تحریر کیا ہے، وہاں ترجمے پر چند سطور ہی رقم کی ہیں جو کچھ یوں ہیں:

> "میرا اصول یہ رہا ہے کہ ترجمہ حتیٰ الامکان لفظاً اور صعناً دونوں طرح اصل کے قریب رہے۔ چنانچہ زیر نظر رسالے میں بھی نہ تو محض خیال کو اپنے لفظوں میں ڈھال دیا ہے اور نہ لفظی ترجمہ کر دیا ہے بلکہ ترجمہ اور ترجمانی دونوں کی کوشش کی ہے"۔ (۵۹)

اس ضمن میں تفصیلی بحث تیسرے باب میں مترجمین کی ترجمے کی تکنیک کے عنوان کے تحت آئے گی۔

شمش الرحمٰن فاروقی نے اپنے ترجمے "شعریات" میں ابواب کی تقسیم بچر (Butcher) کے اصول کے تحت ہی کی ہے۔ بچر نے "The Poetics of Aristotle" کو چھبیس (26) ابواب میں تقسیم کیا ہے لیکن بچر نے ایک باب کو دوسرے سے علیحدہ کرنے کے لیے محض باب نمبر درج کیا ہے۔ ابواب کے عنوان قائم نہیں کیے۔ شمس الرحمٰن فاروقی نے جدت طرازی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان ابواب کے عنوانات بھی قائم اور درج کیے ہیں، جنھیں انھوں نے ڈورش اور سینٹس بری سے مستعار لیا ہے۔ شمس الرحمٰن فاروقی نے تمہید "بچر" کے طریقے سے انحراف کرتے ہوئے پہلے باب سے الگ کر دیا ہے۔ یہ ایک مفید حکمت عملی ہے۔ ابواب کے عنوانات ان کے مرکزی خیال کے گرد گھومتے ہیں اور ان کے عنوانات قائم کر کے فاضل مترجم نے ہدفی زبان کے قارئین اور خصوصاً طلبہ کے لیے سہولت پیدا کر دی ہے اور اس بنا پر ہدفی زبان میں "Poetics" کی تفہیم آسان تر ہو گئی ہے۔ بظاہر یہ ماخذ متن سے معمولی سا انحراف دکھائی دیتا ہے لیکن

وسعت مطالعہ اور وسعت نظر کی بنا پر اس انحراف کی بدولت ہدفی متن کے قارئین کے لیے زیادہ قابل فہم اور آسان ہو گیا ہے۔

"Poetics" اپنی نوع بہ نوع خصوصیات کے باوصف ایک اہم، تاریخی اہمیت کی حامل، مشکل بلکہ پیچیدہ کتاب ہے۔ اس کا ترجمہ کرنے کے لیے مترجم کا نہ صرف زبان و بیان پر قادر ہونا کافی ہے بلکہ اسے قدیم یونانی تہذیب و تاریخ، سیاست، ادب اور تنقید سے بھی واقف ہونا چاہیے۔ ارسطو نے "Poetics" کی تخلیق و ترتیب کے دوران تمام تر معاصر اور قدیم ادب و تنقید کو پیش نگاہ رکھا اور جابجا اس کا حوالہ بھی دیا۔ اس کے ساتھ ساتھ اس نے قدیم ادب و تنقید کا تجزیہ، محاکمہ اور تشریح بھی کی اور حسبِ ضرورت اور موقع اس کی خوبیوں اور خامیوں سے بھی پردہ اٹھایا۔ لہٰذا "Poetics" کے ترجمے کے لیے ارسطو اور اس کے پیش روؤں کا باریک بینی سے مطالعہ کیے بغیر "Poetics" کو چھونا یقیناً گمراہی اور غلط فہمی / غلط تفہیم کی ڈگر پر چلنے کے مترادف ہے۔

اردو زبان کی خوش قسمتی ہے کہ "Poetics" کے مترجمین قدیم ادب و تنقید اور تاریخ و تہذیب سے آگاہ و باخبر تھے اور قابل توجہ نکتہ یہ ہے کہ ڈاکٹر جمیل جالبی، شمس الرحمٰن فاروقی اور عزیز احمد انگریزی زبان و ادب کے طالب علم تھے۔ انھوں نے یونانی المیہ / ڈراما، رزمیہ اور تنقید کا مطالعہ زمانہ طالب علمی سے ہی کر رکھا تھا۔ مغربی ادبی روایت اور تنقید کی تاریخ سے بھی یہ علما خوب واقف تھے۔ اس بنا پر جب ہم "Poetics" کے تراجم دیکھتے ہیں تو حیرت ہوتی ہے کہ فاضل مترجمین نے ایک ایک لفظ پر غور کیا اور محنت و عرق ریزی سے ایسا ہدفی متن وجود میں لایا جس میں کہیں بھی مضحکہ خیز صورتحال پیدا نہیں ہوئی۔

اس کے علاوہ "Poetics" کے مختلف زبانوں میں تراجم کی اپنی ایک طویل تاریخ اور روایت ہے۔ اس کی شرحوں میں ہزاروں صفحے سیاہ کیے گئے اور ارسطو کی فکر کا اعجاز ہے کہ یہ سلسلہ تھمنے کا نام نہیں لیتا اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ جب تک ادبی و تنقیدی مباحث کا وجود باقی ہے بوطیقا پر لکھنے اور بولنے کا عمل بھی نہیں رکے گا۔

ترجمے کی نوع کے اعتبار سے دیکھیں تو "Poetics" کا ترجمہ "علمی متن کے ترجمے" کی ذیل میں آتا ہے۔ اردو زبان میں ترجمے پر ہونے والے مباحث اور تحریروں میں ترجمے کی تین اقسام گنوائی جاتی ہیں۔ یعنی علمی، ادبی اور صحافتی ترجمہ۔

بوطیقا کا زیر تحقیق ترجمہ چونکہ علمی متن کے ترجمے سے متعلق ہے۔ اس لیے مترجم کے پیشِ نظر سب سے پہلی بات تو یہ ہوتی ہے کہ وہ ماخذ زبان (S.T) میں موجود افکار اور تصورات کو ہدفی زبان میں کامیابی سے منتقل کرے۔

اب اس ضمن میں شمس الرحمٰن فاروقی کے ترجمے کا تفصیلی تقابل کیا جاتا ہے اس تقابل و تجزیے کے دوران فقط ان اقتباسات اور جملوں کو بطور حوالہ درج کیا جائے گا جو مرکزی اہمیت کے حامل ہیں اور ارسطو کے نظام فکر اور "Poetics" میں بنیادی اہمیت کے حامل ہیں:

"ایس ایچ بچر" کی "The Poetics of Aristotle" کا تمہیدی اور بعض حوالوں سے کلیدی جملہ:

"I propose to treat of poetry in itself and of its various kinds, noting the essential quality of each".(60)

شمس الرحمٰن فاروقی کی "شعریات" کا ترجمہ:

"میرا ارادہ ہے کہ بذات خود شاعری اور اس کے مختلف اقسام پر اس طرح کلام کروں کہ ہر ایک کے مخصوص صفات اور تفاعل واضح ہو جائیں"۔ (۶۱)

"Poetics" کا وہ اہم اقتباس جس میں شاعری اور دیگر فنون لطیفہ کو نقل قرار دیا گیا ہے:

"Epic poetry and tragedy, comedy and dithyrambic poetry and the music of flute and of the lyre in most of their forms, are all in their general conception modes of imitation".(62)

ترجمہ:

"رزمیہ شاعری ہو یا المیہ طربیہ یا پر جوش شرابی کورس اور اکثر ہئیتوں میں بانسری کے نغمے ہوں یا پربط کے یہ سب کے سب اپنی عمومی صورت میں نمائندگی یا ترجمانی کے طریقے ہیں"۔ (۶۳)

ادب اور دیگر فنون لطیفہ میں ارسطو نے خطِ امتیاز کچھ اِن الفاظ میں کھینچا:

"There is another art which imitates by means of language alone, and that either in prose or verse". (64)

ترجمہ:

"ایک فن اور ہے جو محض زبان کے ذریعے نمائندگی کا عمل کرتا ہے۔ یہ نمائندگی نظم یا نثر کے ذریعے ہو سکتی ہے"۔ (۶۵)

نقل کی موضوع پر ارسطو کا بنیادی جملہ:

"Since the objects of imitations are men in action". (66)

"چون کہ نمائندگی کا موضوع انسان ہیں، وہ انسان جو میدانِ عمل میں سرگرم ہیں"۔ (۶۷)

نقل کے ساتھ ساتھ شاعری کے لیے نغمہ و موزونیت کی بھی اہمیت رکھتے ہیں، بقول ارسطو:

"Imitation, then is one instinet of our nature. Next there is a instinct for 'harmony' and rhythm". (68)

ترجمہ:

"لہذا نقل کا جذبہ ہماری سرشت میں داخل ہے۔ اس کے بعد سریلی آواز اور آہنگ کے لیے ہمارے احساس کا درجہ ہے"۔ (۶۹)

"Poetics" میں طربیہ کی تعریف:

"Comedy is as we have said, an imitation of characters of a lower type, not however, in the full sense of the word bad, ludicurous being merely a sabdivision of the ugly". (70)

ترجمہ:

"جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں، طربیہ ادنیٰ اور کم تر درجے کے کرداروں کو پیش کرتا ہے۔ لیکن ادنیٰ اور کم تر کا مفہوم مکمل طور پر برا کردار نہیں ہے، کیونکہ مضحک دراصل بدصورتی کی محض ایک شق ہے"۔ (۷۱)

"Poetics" کا مرکزی اہمیت کا حامل اقتباس جس میں ارسطو نے المیہ کی تعریف کی ہے:

"Tragedy, then is an imitation of an action that is serious, complete and of a creation magnilude; in language embellished with each kind of our artistic ornaments, the several kinds being in separate parts of the play, in the form of action, not of narration through pity and fear effecting the proper purgation of these emotions". (72)

ترجمہ:

"لہٰذا المیہ ایک ایسے عمل کی نمائندگی ہے جو سنجیدہ، توجہ کے لائق، بذات خود مکمل اور ایک خاص حجم کا حامل ہو، اس کی زبان ہر طرح کے صنائع بدائع سے مزین ہوتی ہے، جو ڈرامے کے مختلف حصوں میں ان کی مناسبت سے استعمال ہوتے ہیں۔ اس کی ہیئت بیانیہ نہیں بلکہ عملیہ ہوتی ہے اور یہ درد مندی اور خوف کے ذریعے ان جذبات کی اصلاح اور مناسب تنقیہ کرتا ہے"۔ (۷۳)

المیہ کے اجزائے ترکیبی:

"Every tragedy, therefore, must have six parts, which parts determine its quality namely, plot, character, diction thought, spectacle and song". (74)

ترجمہ:

"لہٰذا ہر المیہ میں لازماً چھے (۶) اجزا ہوتے ہیں جن سے اس کی ماہیت متعین ہوتی ہے، یعنی پلاٹ، کردار، کلمہ بندی، فکر، سینری اور گیت"۔ (۷۵)

ارسطو کے نزدیک پلاٹ کی اہمیت:

"The plot, then, is first principle and as were soul of a tragedy". (76)

ارسطو کا تصور جمال:

"لہٰذا پلاٹ المیے کا اصل الاصول اور گویا اس کی روح ہے"۔ (۷۷)

"For beauty depends on magnitude and order". (78)

ترجمہ:

"خوب صورتی کا دارومدار جسامت اور حسن ترتیب پر ہے"۔ (۷۹)

"Poetry, therefore, is more philosophical and higher thing than history for poetry tends to express the universal, history the particular". (80)

"لہٰذا شاعری تاریخ سے بلند تر اور زیادہ فلسفیانہ چیز ہے کیونکہ شاعری ان چیزوں کے اظہار کی طرف جھکتی ہے جو آفاقی ہیں، جبکہ تاریخ کو صرف مخصوص حقائق سے علاقہ ہوتا ہے"۔ (۸۱)

ارسطو کا تصور اسلوب:

"The perfection of style is to be clear without being mean". (82)

ترجمہ:

"اسلوب کا کمال یہ ہے کہ وہ واضح لیکن پیش پا افتادہ نہ ہو"۔ (۸۳)

ایس۔ ایچ۔ بچر کے مندرجہ بالا انگریزی اور شمس الرحمٰن فاروقی کے شعریات کا کے اردو ترجمے کے اقتباسات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ شمس الرحمٰن فاروقی نے "The Poetics of Aristotle" کے ترجمے کے لیے لفظی ترجمے "Metaphrase" کی راہ اپنائی۔ علمی متون کے تراجم کے لیے یہ ایک معروف ،کارگر، کامیاب اور عمدہ تکنیک ہے۔ شمس الرحمٰن فاروقی کا ترجمہ ماخذ متن کے مواد اور مفہوم یعنی لفظ و معنی پر

مکمل گرفت کا عکاس اور آئینہ دار ہے۔ اس ترجمے کی نمایاں خصوصیات کو اختصار کے ساتھ یوں بیان کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ درستی: یہ ترجمہ ماخذ متن کی زبان اور مفہوم سے مکمل آگاہی اور ہدفی زبان میں اس کی ماہرانہ اور درست منتقلی کا ثبوت ہے۔

۲۔ علمی ترجمے کے تقاضوں کی تکمیل کی خاطر شمس الرحمٰن فاروقی نے الفاظ، اصطلاحات اور مترادفات کا موزوں چناؤ اور درست انتخاب کیا ہے۔

۳۔ شمس الرحمٰن فاروقی کا ترجمہ "شعریات" منظم، مربوط اور ماخذ متن سے مکمل طور پر ہم آہنگ ہے۔

۴۔ رموزِ اوقاف کا استعمال دونوں ماخذ اور ہدفی متون میں مفہوم کی درست تفہیم اور مناسب منتقلی کے لیے نہایت احتیاط اور مہارت سے کیا گیا ہے۔

۵۔ یہ تقابل ایک دلچسپ امر کی نشاندہی بھی کرتا ہے۔ شمس الرحمٰن فاروقی کا ترجمہ حجم میں اصل انگریزی متن سے بڑھ گیا ہے۔ بطور نمونہ درج کیے گئے اقتباسات میں سے پہلے اقتباس کا انگریزی متن انیس (۱۹) اور اردو ترجمہ اٹھائیس (۲۸) الفاظ پر مشتمل ہے۔ دوسرے اقتباس کا انگریزی متن اکتیس (۳۱) اور اردو ترجمہ سینتیس (۳۷) الفاظ پر مشتمل ہے۔ "Poetics" کا سب سے اہم اقتباس جس میں ارسطو نے المیہ (Tragedy) کی تعریف کی ہے، کے لیے "ایس۔ ایچ۔ بچر" نے ستاون (۵۷) جبکہ شمش الرحمٰن فاروقی نے ترجمے میں چوہتر (۷۴) الفاظ استعمال کیے ہیں۔

۶۔ ماخذ متن کی نسبت ہدفی متن کے حجم میں اضافہ کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ بعض اوقات مترجم بات کی صراحت یا ابہام دور کرنے کی خاطر زائد الفاظ کا استعمال کرتا ہے۔ لیکن شمش الرحمٰن فاروقی کے ترجمے کے باریک بیں مطالعے سے یہ نکتہ سامنے آتا ہے کہ انھوں نے بوطیقا کے ترجمے کے دوران مترادفات کے جوڑوں کا کثرت سے استعمال کیا ہے۔ جس کا لازمی نتیجہ زائد ہدفی متن کی صورت میں برآمد ہوا۔ اس کی تفصیل اصطلاحات کے تقابل میں آئے گی۔

"ایس۔ ایچ۔ بچر" کی "The Poetics of Aristotle" اور شمس الرحمٰن فاروقی کے اردو ترجمے "شعریات" کے تفصیلی تقابل سے یہ بات آئینہ ہو جاتی ہے کہ یہ "Poetics" ایک کامیاب اردو ترجمہ ہے۔ اس کی مدد سے شمس الرحمٰن فاروقی نے جدید ترین تحقیق اور محنت و عرق ریزی سے ایک متن کو کامیابی سے اردو زبان میں منتقل کر کے ہدفی قارئین کو ایک بنیادی اہمیت کا حامل متن پڑھنے

کے لیے فراہم کیا ہے اور ان پر مطابقتی اثر (Equivalent effect) مرتب کیا ہے۔ اردو دان طبقہ اس متن کا مطالعہ بطور اصل کرتا ہے اور تنقیدی ڈسکورس میں اس کا بکثرت استعمال کیا جاتا ہے۔

۷۔ شمس الرحمٰن فاروقی نے بوطیقا کے متن کو زیادہ قابل فہم بنانے اور ابہام دور کرنے کی خاطر کارآمد حواشی بھی لکھے ہیں۔ ان حواشی میں انھوں نے اصطلاحات کی وضاحت، ترمیم و اضافوں کا جواز، "Poetics" کے مترجمین کی اصطلاحات اور فقروں کی وضاحت اور نو لفظ سازی کا جواز اور بوطیقا کے دیگر مترجمین سے انحراف کی صورت میں وضاحت کی ہے۔ یہ حواشی، تشریحی، تحقیقی اور تنقیدی نوعیت کے ہیں اور ان کی وجہ سے شمس الرحمٰن فاروقی کے ترجمے کی قدر و قیمت میں اضافہ ہوا ہے۔ نیز قارئین کے لیے سہولت پیدا ہو گئی ہے۔ اس ضمن میں ماخذ متن اور ہدفی متن کا تقابل ہدفی متن کی ضرورت اور ہدفی ادبی نظام میں اس کی مطابقت کے لیے لازمی تھا۔

علمی و تنقیدی متن کے ترجمے میں سب سے نازک، پیچیدہ اور اہم مسئلہ اصطلاحات کے ترجمے کا ہوتا ہے اور جب بات ارسطو اور اس کی تصانیف کی ہو تو معاملے کی پیچیدگی میں اس لیے کئی گنا اضافہ ہو جاتا ہے کہ ارسطو نے ایک طرف تو مروجہ اصطلاحات کو نئے معانی عطا کیے اورر دوسری طرف علمی، ادبی اور تنقیدی مباحث کے لیے ایسی اصطلاحات وضع کیں جو دنیائے علم والوں میں قابل قدر اضافے کا باعث بنیں۔ ڈھائی ہزار سال بیت گئے لیکن ارسطو کی اس دائرہ علم میں خلاقی کام اور جدت میں کوئی کمی نہیں آئی۔ ارسطو کی وضع کردہ اصطلاحات آج بھی پوری آب و تاب کے ساتھ زندہ و سلامت ہیں اور تنقیدی ڈسکورس میں ان کا استعمال بکثرت کیا جاتا ہے۔ فرق آیا تو محض اتنا کہ کہیں ان اصطلاحات سے اختلاف کیا گیا، کہیں انھیں نئے معانی پہنانے کی کوشش کی گئی اور کہیں ان کی درست یا غلط تشریح کی گئی۔ لیکن تنقیدی ادب کے یہ کھرے سکے کبھی ٹکسال باہر نہ ہوئے یا کیے جا سکے۔

"Poetics" کے مترجمین نے اپنے علم، محنت، رجحان اور مزاج کے مطابق ان اصطلاحات کا ترجمہ کیا۔ شمس الرحمٰن فاروقی نے بھی دورانِ ترجمہ اصطلاحات کے مسئلے کو خصوصی اہمیت دی۔ انھوں نے ارسطو کی دو کلیدی اصطلاحات "Mimesis" اور "Katharsis" کا ذکر پہلے ایڈیشن کے دیباچے میں بطور خاص کیا ہے اور بتایا کہ انھوں نے "Imitation" کا ترجمہ نقل کے بجائے نمائندگی کیا ہے۔ جبکہ "Katharsis" کا ترجمہ تنقیہ کیا ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شمس الرحمٰن فاروقی نے دوران ترجمہ اس خاص نکتے پر بھی مسلسل توجہ مرکوز رکھی۔ اس کے علاوہ بھی انھوں نے "Poetics" کے ترجمے میں بہت سے الفاظ و تراکیب اور اصطلاحات کو اپنے خاص رنگ میں رنگا ہے اور کہیں کہیں اس جدت اور خلاقی کا جواز "حاشیۂ مترجم" میں فراہم کیا ہے۔ علمی ترجمے کے ضمن میں اصطلاحات کا ترجمہ (نہایت) بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔ اس لیے اب ماخذ اور ہدفی متون کے کلیدی الفاظ، تراکیب اور اصطلاحات کا تقابل پیش کیا جاتا ہے۔

شمس الرحمٰن فاروقی	ایس۔ایچ۔ بچر
رزمیہ شاعری	Epic Poetry
المیہ	Tragedy
طربیہ	Comedy
پرجوش شرابی کورس	Dithyrambic Poetry
بربط کے نغمے	Music of lyre
نمائندگی، ترجمانی	Imitation
آہنگ	Rhythm
سریلی آواز	Harmony
آئمبک	Iambic
رثائی	Elegiac
نومی نظمیں	Nomic Poetry
سائیکلوپس (یونانی دیومالا کے یک چشم راکھشس)	Cyclopes
بیانیہ	Narration
ذریعہ	Medium
جس چیز کی نمائندگی کی جاتی ہے	Object
طریقہ	Manner
نمائندگی کی جبلت	Instinct of Imitation

موٹے چھوٹے اور ناہموار اظہارات	Rude Improvisations
ہلکے پھلکے مزاج کے	Trivial sort
طنزیات	Satires
دیوتاؤں کی حمد	Hymns
استہزائی	Lampooning (Measure)
سنجیدہ اسلوب	Serious Style
المیہ نگار	Tragedians
عضو تناسل کی توصیف و تمجید میں گائے جانے والے گیت	Phallic Songs
بھونڈا اسلوب	Grotesgue diction
بول چال کی زبان	Callequial
مسدس الارکان بحر	Hexameter
بیانیہ	Narrative
مزین	Embellished
صنائع بدائع	Artistic ornaments
دردمندی	Pity
خوف	Fear
اصلاح اور تنقیہ	Purgation
پلاٹ	Plot
کردار	Character
کلمہ بندی	Diction
فکر	Thought
سینری	Spectacle
گیت	Song
ڈرامائی عمل	Dramatic action

تبدیلی حال / تقلیب	Peripeteia or reversal of intention
دریافت	Recognition
اسٹیج کاری کا گر	Art of the stage machinist
مکمل	Complete
سالم	Whole
ایک خاص حجم کا حامل	Of a cetain magnitude
آغاز، وسط اور انجام	A beginnings a middle and an end
الل ٹپ	Haphazard
آبی گھڑی	Water Clock
قانون احتمال	The law of probability
قانون لزوم	The law of necessity
علت و معلول	Cause and effect
سادہ اور پیچیدہ	Simple & complex
دردناک منظر	Tragic icidents
آغازیہ	Prologue
منظر جو دو کورس گانوں کے درمیان ہوتا ہے	Episode
بے گیت منظر	Exodes
کورس گانا	Choric Song
سنگیت کا پہلا کلام	Parodos
مخصوص گیت	Stasimon
چار رکنی ٹروکی	Trochaic tetrameter
غلطی یا انسانی کمزوری	Some great error or frailty
رعایت	Propriety
جیتا جاگتا	True to life

یکساں روی	Consistency
خوشگوار عطیہ خداوندی	Happy gift of nature
کسی طرح کی دیوانگی	Strain of madness
ملوک الکلام	Oracle
مدعی	Suitors
دردانگیز	Pathatic
اخلاقی	Ethical

مندرجہ بالا الفاظ، تراکیب اور اصطلاحات کا شمس الرحمٰن فاروقی کے ترجمے سے تقابل کا مقصد فقط یہ دکھانا ہے کہ فاضل مترجم نے کس طرح کلیدی الفاظ و تراکیب اور اصطلاحات کو اردو میں ڈھالا ہے۔ شمس الرحمٰن فاروقی نے زیر تحقیق متن کی تحریر کی دوران جہاں انگریزی کے بیشتر متون کو پیشِ نظر رکھا اور حسبِ موقع ان سے کسبِ فیض کیا وہاں انھوں نے عزیز احمد اور محمد یٰسین کے اردو تراجم کو بھی پیش نظر رکھا۔ بوطیقا کے دونوں زبانوں اردو اور انگریزی کے تراجم کی موجودگی اور اس کا باریک بین مطالعہ و تحقیق یقیناً مترجم کے لیے مفید ثابت ہوا اور اس سے اس کے کام میں بھی آسانی پیدا ہوئی۔

شمس الرحمٰن فاروقی نے "The Poetics of Aristotle" کے ترجمے کے دوران اپنی تخلیقی صلاحیت اور زبان دانی کے جوہر کو آزادی اور شرح صدر سے بروئے کار لایا۔ علمی متون کے ترجمے میں اصطلاحات کا ترجمہ مترجم کے لیے سب سے اہم، نازک اور حساس مسئلہ ہوتا ہے۔ متعلقہ علم کی وضع شدہ اصطلاحات سے شناسائی ان کا باموقع اور بر محل استعمال اور حسبِ ضرورت اصطلاح وضع کرنے کی صلاحیت مترجم سے اعلیٰ درجے کی تخلیقی صلاحیت اور ندرتِ فکر کا تقاضا کرتی ہے۔ شمس الرحمٰن فاروقی کے زیرِ تحقیق ترجمہ سے پیشتر اردو زبان میں اصطلاح سازی کے حوالے سے مستند، وقیع اور وسیع پیمانے پر انفرادی اور اداروں کی سطح پر کام ہو چکا تھا۔ خصوصاً جامعہ عثمانیہ کا نام اس ضمن میں سرِ فہرست ہے۔ انفرادی سطح پر مولوی وحید الدین سلیم کی کتاب "وضع اصطلاحات" ایک مستند حوالہ ہے۔

لیکن شمس الرحمٰن فاروقی کے ترجمے "شعریات" کے دونوں دیباچوں یا تعارف میں اردو اصطلاحات یا اصطلاحی منطقے میں ہونے والے کام کا ذکر نہیں البتہ پہلے ایڈیشن کے "دیباچۂ مترجم" کے آخری پیراگراف بھی انھوں نے فقط دو اصطلاحات "Imitation" اور "Katharsis" کو زیر بحث لایا ہے اور یہ بتایا کہ

انھوں نے "Imitation" کے لیے "نقل" کے بجائے "نمائندگی" اور "Katharsis" کے لیے بڑے غور و فکر کے بعد "تنقیہ" کی اصطلاح وضع کی ہے۔ بوطیقا کے ترجمے میں او اوّل تا آخر "نمائندگی" اور "تنقیہ" ہی بطور اصطلاح برتی گئی ہیں۔ اس ضمن میں تفصیلی مطالعہ تیسرے اور چوتھے باب میں پیش کیا جائے گا۔

"Poetics" کے انگریزی متن سے تقابل کے دوران ایک دلچسپ نکتہ یہ بھی سامنے آیا کہ شمس الرحمٰن فاروقی ایک انگریزی لفظ کے مقابل اردو مترادفات کا جوڑا لاتے ہیں مثلا:

صفات اور تفاعل	Quality
نمائندگی یا ترجمانی	Imitation

اس کے علاوہ انھوں نے اکثر مقامات پر ایک انگریزی لفظ کے مقابلے میں دو یا دو سے زیادہ اردو الفاظ برتے ہیں مثلاً:

پرجوش شرابی کورس	Dithyrambic
بے گیت منظر	Exode
سنگت کا پہلا گیت	Parode

یونانی شاعروں اور ڈرامہ نگاروں کے ناموں کو انھوں نے احتیاط اور ممکنہ حد تک درست تلفظ کے ساتھ اردو میں ڈھالا ہے اور اس ضمن میں کسی تغیر و تبدل کے بغیر انھوں نے ایس۔ ایچ۔ بچر کا ہی اتباع کیا ہے۔

شمس الرحمٰن فاروقی کے ترجمے "شعریات" کے ماخذ متن(S.T)"The Poetics of Aristotle" سے تفصیلی تقابل سے یہ نتیجہ بر آمد ہوتا ہے کہ "شعریات" ایک کامیاب، مکمل، عالمانہ اور مستند اردو ترجمہ ہے۔ مبسوط تعارف اور مستند اردو ترجمے کے مطالعے سے "Poetics" کے تمام افکار و تصورات قاری کے سامنے آجاتے ہیں اور کہیں بھی تشنگی، ادھورے پن، ابہام یا الجھن کا احساس نہیں ہوتا۔ ایک ماخذ متن کے جملہ افکار و تصورات کی ہدفی متن میں منتقلی اور ہدفی زبان کے قارئین کے وسیع حلقے تک رسائی ایک اچھے ترجمے کی کامیابی کا بین ثبوت ہے۔

ڈاکٹر محمد یٰسین کے "Poetics" کے اردو ترجمے "کتاب الشعر" کا انگریزی ماخذ متن سے تقابل

ڈاکٹر محمد یٰسین کا "Poetics" کا اردو ترجمہ "کتاب الشعر" کے عنوان سے انجمن ترقی اردو (ہند) دلّی سے ۱۹۷۵ء میں شائع ہوا۔ ڈاکٹر محمد یٰسین نے ارسطو کی "Poetics" کے علاوہ لانجائنس اور ہیوریسس کے تنقیدی متون کا بھی ترجمہ کیا اور افلاطون کے تنقیدی افکار پر بھی روشنی ڈالی . ان کی ترجمے کی یہ کاوش ان کی کتاب "کلاسیکی مغربی تنقید" میں شامل ہے۔ یوں زمانی اعتبار سے ڈاکٹر محمد یٰسین کا "Poetics" کا ترجمہ تیسرے نمبر پر آتا ہے اور ان کے ترجمے کی اشاعت سے قبل عزیز احمد کا ترجمہ ۱۹۴۱ء میں اور ڈاکٹر جمیل جالبی کا ترجمہ ۱۹۷۳ء میں شائع ہو چکا تھا۔ ایک اور دلچسپ امر یہ بھی ہے کہ ڈاکٹر محمد یٰسین کا ترجمہ ڈاکٹر جمیل جالبی کے اردو ترجمے کے دو سال بعد اور شمس الرحمٰن فاروقی کے "Poetics" کے اردو ترجمے سے ایک سال قبل شائع ہوا، یوں ڈاکٹر جمیل جالبی، ڈاکٹر محمد یٰسین اور شمس الرحمٰن فاروقی کے "Poetics" کے اردو تراجم کو ہم عصر تراجم (Synchronic Translations) میں شمار کیا جاتا ہے کیونکہ یہ تمام تراجم ستر کے عشرے میں شائع ہوئے۔ تاہم فقط عزیز احمد کا ترجمہ ایسا ہے جو ان تراجم سے تین عشرے قبل شائع ہوا۔

ڈاکٹر محمد یٰسین کے سامنے اردو کے دو جید علما عزیز احمد اور ڈاکٹر جمیل جالبی کے تراجم کے نمونے موجود تھے، جن سے نہ صرف کسبِ فیض کیا جا سکتا تھا بلکہ ایک ان تراجم میں راہ پا جانے والی غلطیوں، کمیوں اور خامیوں کا بھی بحسن و خوبی تدارک کیا جا سکتا تھا۔ لیکن ڈاکٹر محمد یٰسین کے ترجمے کے مطالعہ و تحقیق اور دیگر اردو تراجم سے تقابل سے یہ تلخ حقیقت منکشف ہوتی ہے کہ ڈاکٹر محمد یٰسین کا ترجمہ شائع شدہ تراجم میں بہتری لانا تو درکنار ان کے معیار سے پست رہا۔ ڈاکٹر محمد یٰسین کے "Poetics" کے اردو ترجمے "کتاب الشعر" سے یہ راز تو افشا ہوتا ہے کہ انہوں نے ترجمے سے قبل اور دوران ترجمہ عزیز احمد کے "Poetics" اردو ترجمے "فن شاعری" سے بھرپور استفادہ کیا، جس کا سراغ بہ آسانی لگایا جا سکتا ہے اور آنے والے صفحات اور حسبِ موقع اس پر بات کی جائے گی۔

ڈاکٹر محمد یٰسین نے ترجمے سے قبل ارسطو اور اس کی "Poetics" پر اڑھائی صفحے رقم کیے ہیں جن میں فقط عزیز احمد کے ترجمے کی "تمہید" میں بیان کی گئی باتوں کی بازگشت سنائی دیتی ہے۔ ان اڑھائی صفحات میں ڈاکٹر محمد یٰسین نے ارسطو یا اس کی "Poetics" کے حوالے سے نہ تو کوئی نئی بات لکھی، نہ کسی نئے نکتے کی

وضاحت کی اور نہ ہی کوئی نیا پہلو سامنے لایا۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ عزیز احمد کی "تمہید" کا خلاصہ بیان کر دیا گیا ہے اور وہ بھی محض سرسری، سطحی اور عام درجے کا۔

یہاں پر راقم یہ بات بتانا ضروری سمجھتا ہے کہ یہ کتاب طلبہ کو پیش نظر رکھ کر ترجمہ کی گئی ہے اور شاید طلبہ بھی اوسط درجے کے، لہٰذا اس کا معیار افسوسناک حد تک پست ہے۔ معیار کی اس پستی کا ایک اور سبب یہ بھی ہے کہ ترجمے اور خصوصاً "Poetics" جیسی ارسطو کی اہم اور تنقید کی بنیادی نوعیت کی مشکل کتاب کو ترجمہ کرنے کے لیے جس درجہ محنت، ریاضت اور تحقیق کی ضرورت تھی وہ دکھائی نہیں دیتی اور پھر یہ بھی کہ ترجمہ بہت جلد بازی اور عجلت میں مکمل کر کے شائع کر دیا گیا ہے۔

ڈاکٹر محمد یٰسین نے "کتاب الشعر" کے تعارف میں کہیں بھی اس بات کا ذکر نہیں کیا کہ انہوں نے یہ ترجمہ کس انگریزی متن کی بنیاد پر تیار کیا ہے۔ تاہم اس حوالے سے شمس الرحمٰن فاروقی نے لکھا ہے کہ "یہ ترجمہ بائی واٹر کے مشہور ترجمے کی بنیاد پر ہے"(۸۴) لیکن دوران ترجمہ ڈاکٹر محمد یٰسین نے انگرام بائی واٹر کے انگریزی متن کی باقاعدگی سے پیروی نہیں کی۔ انگرام بائی واٹر کا انگریزی متن، "Poetics" کے وقیع انگریزی متون میں شمار کیا جاتا ہے اور نامور انگریزی محققین اور مترجمین نے اس متن سے فائدہ اٹھایا ہے۔ بچر اور ڈورش جیسے انگریزی مترجمین اور ڈاکٹر جمیل جالبی جیسے اردو مترجم نے انگرام بائی واٹر کے انگریزی متن سے مدد لی ہے۔

انگرام بائی واٹر کا "Poetics" کا انگریزی متن چھبیس (۲۶) ابواب پر مشتمل ہے۔ انگرام بائی واٹر نے ہر باب کا عنوان بھی قائم کیا ہے۔ اس کے برعکس ڈاکٹر محمد یٰسین کا اردو ترجمہ "کتاب الشعر" کل پانچ ابواب پر مشتمل ہے۔ اس حوالے سے راقم کی تحقیق اور تقابلی مطالعے سے یہ بات ظاہر ہوئی کہ ڈاکٹر محمد یٰسین نے دوران ترجمہ انگریزی متن پر انحصار کرنے کے ساتھ ساتھ عزیز احمد کے "Poetics" کے اردو ترجمے "فنِ شاعری" سے بھی بھرپور فائدہ اٹھایا ہے۔ عزیز احمد نے چونکہ اپنے ترجمے "فن شاعری" کو پانچ ابواب میں تقسیم کیا تھا۔ اس لیے انہی کے ترجمے کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے ڈاکٹر محمد یٰسین نے اپنے ترجمے "کتاب الشعر" کو بھی پانچ ابواب یا حصّوں میں تقسیم کیا ہے۔ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ ابواب کی تقسیم کے ساتھ ساتھ ابواب کے عنوانات اور نام بھی مشترک ہیں حالانکہ عزیز احمد نے "تھامس ٹوائنگ" جبکہ ڈاکٹر محمد یٰسین نے "انگرام بائی واٹر" کے متن کو بنیاد بنایا ہے۔

ڈاکٹر محمد یٰسین اور عزیز احمد کے تراجم کے ابواب کی مشابہت ملاحظہ کیجئے:

" ڈاکٹر محمد یٰسین کے ترجمے کے ابواب:

پہلا حصّہ: شاعری اور اس کے اصناف کا تقابلی جائزہ۔

دوسرا حصّہ: المیہ

تیسرا حصّہ: رزمیہ شاعری

چوتھا حصّہ: نقادوں کے اعتراضات اور ان کے جواب دینے کے اصول۔

پانچواں حصّہ: المیہ شاعری رزمیہ شاعری سے افضل ہے"۔

عزیز احمد

"پہلا حصّہ: شاعری پر ایک عام اور بالموازنہ نظر شاعری کی خاص قسمیں

دوسرا حصّہ: ٹریجڈی

تیسرا حصّہ: رزمیہ شاعری

چوتھا حصّہ: نقادوں کے اعتراض اور ان کے جواب دینے کے اصول

پانچواں حصّہ: ٹریجڈی رزمیہ شاعری سے افضل ہے"۔

اس تقابل سے یہ حقیقت آئینہ ہو جاتی ہے کہ ڈاکٹر محمد یٰسین نے ابواب بندی میں انگرام بائی واٹر کے ماخذ متن کے برعکس عزیز احمد کے ترجمے "فن شاعری" کو پیش نظر رکھا۔

ترجمے کے تصور، اصول اور حکمت عملی کے حوالے سے ڈاکٹر محمد یٰسین نے اپنے ترجمے کے تعارفی صفات میں کوئی بات نہیں کی۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ اس پہلو پر ان کی نظر گئی ہی نہیں ۔

اصطلاحات جو کہ "Poetics" کے ترجمے کا ایک نہایت ہی بنیادی پہلو اور جہت ہیں اس حوالے سے ڈاکٹر محمد یٰسین نے سکوت ہی اختیار کیا ہے اور اس حوالے سے بھی یا تو انہوں نے عزیز احمد کے اصطلاحات کے ترجمے کو مشعل راہ بنایا اور کہیں کہیں کسی اصطلاح کا اردو متبادل فراہم کر دیا۔ تاہم اس حوالے سے بھی کسی تحقیق، جدت اور موشگافی کا ثبوت فراہم نہیں کیا گیا۔

اب ڈاکٹر محمد یٰسین کے "Poetics" کے اردو ترجمے "کتاب الشعر" کے کلیدی اقتباسات کا ماخذ متن سے تقابل پیش کیا جاتا ہے۔

"Poetics" کا تعارف:

"میرا مقصد فن شاعری اور اس کے اصناف پر اظہار خیال کرنا ہے۔ اس سلسلے میں مجھے ہر صنفِ سخن کے قاری کے اوپر اثر، داستان کی ترتیب یا خاکہ جس سے ایک اچھی نظم وجود میں آتی ہے اور ان تمام اجزا کا جن سے یہ اصناف مرکب ہیں، جائزہ لینا ہو گا"۔(۸۵)

انگریزی متن:

"Our subject being poetry, I propose to speak not only of the art in general but also of its species and their respective capacities of the structure of the plot required for a good poem, of the number and nature of the constituent parts of a poem and likewise of any other matters in same line of inqury".(86)

ڈاکٹر محمد یٰسین کا ترجمہ:

"رزمیہ شاعری، المیہ، طربیہ، بھجن اور بہت حد تک بانسری اور سرود کی موسیقی کو ہم عام طور پر نقل کہہ سکتے ہیں"۔(۸۷)

انگریزی متن:

"Epic poetry and tragedy, as also comedy, dithy rambic poetry and most flute playing and lyre playing are all viewed as whole modes of imitation".(88)

ڈاکٹر محمد یٰسین کا اردو ترجمہ:

"فنون میں نقل کے موضوع انسانی اعمال و افعال ہوتے ہیں"۔(۸۹)

انگریزی متن:

"The objects the imitator represent are actions."(90)

ڈاکٹر محمد یٰسین کا اردو ترجمہ:

"نقالی کا مادہ ہمارے اندر فطری طور پر موجود ہے اور ترنم اور آہنگ کا احساس بھی ہمارے اندر فطری ہے"۔(۹۱)

انگریزی متن:

Imitation then being natural to us as also the sense of harmony and the rhythm".(92)

ڈاکٹر محمد یٰسین کا ترجمہ:

"طربیہ جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے، بُرے کرداروں کا چربہ پیش کرتا ہے۔ وہ کردار لازمی طور پر گنہگار نہیں ہوتے بلکہ اپنی کمزوری یا بدنیتی کی بنا پر مزاح کا سامان بنتے ہیں"۔(۹۳)

انگریزی متن:

"As for comedy, it is as has been observed an imitation of men worse than the average worse however not as regards any and every sort of fault but only as regards one particular kind the ridiculous which is a species of ugly".(94)

ڈاکٹر محمد یٰسین کا ترجمہ:

"المیہ کسی ایسے انسانی عمل کی ترجمانی کرتا ہے جس میں تکمیل اور عظمت کا احساس ہو اور جس میں اعلیٰ زبان کے استعمال سے جمالیاتی مسرت کا سامان پیدا کیا جائے اور مختلف اجزا کو مختلف طریقوں سے نمایاں کر کے بیان کے بجائے عمل پر زور دیا جائے تا کہ سامعین کے اندر رحم و خوف کے جذبات پیدا کر کے ان کا تزکیہ کیا جا سکے"۔(۹۵)

انگریزی متن:

"Tragedy then, is the imitation of an action that is serious and also as having magnitude, complete in

itself, in language with pleasurable accessories, each kind brought in separately in the parts of work, in a dramatic, not in a narrative from, with incidents arousing pity and fear where with to accomplish its catharsis of such emotions".(96)

ڈاکٹر محمد یٰسین کا اردو ترجمہ:

"اس طرح المیہ کے چھے خاص اجزا ہیں، جن سے ان کی خصوصیات مرکب ہیں، پلاٹ (ترتیب ماجرا)، کردار تاثرات، زبان واسلوب، آرائس اور نغمہ"۔ (۹۷)

انگریزی متن:

"There are six parts consequently of every tragedy as a whole that is of such or such quality for example and fable or a plot, characters, diction, thought, spectacle and melody".(98)

ڈاکٹر محمد یٰسین کا اردو ترجمہ:

"المیہ کے تمام اجزائے ترکیبی میں پلاٹ کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے"۔ (۹۹)

انگریزی متن:

"We maintain therefore that the first essential, the life and soul, so to speak of tragedy is the plot". (100)

ڈاکٹر محمد یٰسین کا اردو ترجمہ:

"اس لحاظ سے شاعری، تاریخ کے مقابلے میں زیادہ فلسفیانہ اور اہم ہے۔ شاعری کی بنیاد عام آدمی (آفاقی) حقائق پر ہوتی ہے لیکن تاریخ کا تعلق جزئیات سے ہے"۔ (۱۰۱)

انگریزی متن:

"Hence poetry is something more philosophic and of graver importance than history since its statements are of the nature of rather universal whereas those of history are singulars".(102)

ڈاکٹر محمد یٰسین کا اردو ترجمہ:

"اعلیٰ اسلوب کے لیے سلاست ضروری ہے مگر اس حد تک نہیں کہ اس پر ابتذال کا گمان ہونے لگے"۔(۱۰۳)

انگریزی متن:

"The perfection of diction is for to be at once clear and not mean".(104)

ڈاکٹر محمد یٰسین کے اردو متن کے ماخذ انگریزی متن سے تقابل کے نتیجے میں درج ذیل امور سامنے لاتا ہے:

ڈاکٹر محمد یٰسین نے دوران ترجمہ لفظی ترجمے (Metaphrase) کی حکمت عملی اپنانے کی بجائے مفہومی ترجمے کی حکمت عملی اپنائی۔ یہ بات قاری اور محقق دونوں کے لیے حیرت کا باعث ہے کہ علمی متن کے ترجمے کے لیے (Paraphrase) یا مفہومی ترجمے کی حکمتِ عملی کا انتخاب کیوں کیا گیا، حالاں کہ "Poetics" کے دوسرے مترجمین عزیز احمد، ڈاکٹر جمیل جالبی اور شمس الرحمٰن فاروقی نے لفظی ترجمے کی حکمت عملی اختیار کی اور "Poetics" کا ایک اچھا اور کامیاب ہدفی متن پیش کرنے میں کامیاب رہے لیکن درجہ بالا مترجمین کے برعکس ڈاکٹر محمد یٰسین نے مفہومی ترجمے کی حکمت عملی اپنائی جو علمی متن کے ترجمے کی موزوں اور مناسب حکمت عملی نہیں ہے۔ مفہومی ترجمے میں مترجم ماخذ متن کے محض مرکزی خیال کو ذہن میں رکھتے ہوئے نسبتاً آزادی کے ساتھ ترجمہ کرتا ہے۔ لیکن ارسطو کی "Poetics" جس کا ہر باب اور تقریباً تمام جملے اور جملہ اصطلاحات اپنی جگہ اہمیت کی حامل ہیں۔ فقط مفہومی ترجمہ کامیاب ہدفی متن کا ضامن نہیں ہو سکتا جیسا کہ ڈاکٹر محمد یٰسین کے ترجمے میں بھی ہوا۔ مفہومی ترجمے کی راہ اپناتے ہوئے ایک ایسا ہدفی متن ہمارے سامنے آتا ہے جس میں ادھورا پن، غلطیاں اور خامیاں موجود ہیں۔

ایک اور قابل غور نکتہ یہ بھی ہے کہ مترجمین اپنے تراجم کے دیباچوں میں اکثر اپنے ترجمے کی حکمت عملی اور اس کے جواز کا تذکرہ کرتے ہیں۔ لیکن ڈاکٹر محمد یٰسین نے "Poetics" کے تعارف میں ارسطو اور "Poetics" پر اڑھائی صفحوں میں مختصراً بات کی ہے جو عزیز احمد نے افکار کا محض چربہ ہے لیکن ترجمے کی حکمت عملی پر انہوں نے کوئی بات نہیں کی۔

ڈاکٹر محمد یٰسین کے "Poetics" کے ترجمے کے پس منظر میں مطلوبہ تحقیق، محنت اور علمی ریاضت نہیں دکھائی دیتی۔ یہ ترجمہ نہ صرف مترجم کی سہل پسندی کا عکاس ہے بلکہ نہایت عجلت میں کیا گیا ہے۔ تبھی اس میں وہ خامیاں راہ پاگئی ہیں جو ترجمے کی قدر و قیمت اور معیار کی پستی کا باعث ہیں۔

ڈاکٹر محمد یٰسین نے ابواب بندی میں ماخذ متن کی پیروی نہیں کی۔ انھوں نے محض عزیز احمد کے اردو ترجمے (جو اسی ادارے، انجمن ترقی اردو (ہند) دلی نے شائع کیا تھا) کی تقلید کی۔

ڈاکٹر محمد یٰسین کے "Poetics" کے اردو ترجمے "کتاب الشعر" کی سب سے بڑی خامی یہ ہے کہ انہوں نے ماخذ متن کا معتدبہ حصّہ حذف کر دیا۔ یوں تو فن ترجمہ کاری میں حذف کو بطور تکنیک برتا جاتا ہے اور اس کی بہت سی تہذیبی، سماجی، سیاسی اور علمی وجوہات ہوتی ہیں مگر "Poetics" جیسے متن جس میں بعض نکات اور متن کو حذف کرنے سے سارا تسلسل ہی ٹوٹ جائے اور متن کی تفہیم میں خلل واقع ہو، یقیناً ایک ادھورے ہدفی متن کا ثبوت فراہم کرتا ہے۔

ڈاکٹر محمد یٰسین نے "انگرام بائی واٹر" کے ترجمہ کردہ "Poetics" کے ماخذ متن کا پچاس فیصد (۵۰٪) حصّہ حذف کر دیا۔ انہوں نے فقط ہر باب اور تصور کے کلیدی جملوں کو ہدفی متن کی صورت میں پیش کرنے کی کوشش کی۔

ڈاکٹر محمد یٰسین نے "Poetics" کے ترجمے کے دوران حواشی و تعلیقات لکھنے سے بھی گریز کیا۔ "Poetics" کی اکثر اصطلاحات، تصورات اور امور حواشی و تعلیقات کی ضرورت کا احساس دلاتے ہیں۔ یہ امر بھی ہدفی متن کی خامی اور کمزوری کا غماز ہے۔

ڈاکٹر محمد یٰسین کا "Poetics" کا اردو ترجمہ مبہم ہے ماخذ متن کے مفہوم کی کامل ترسیل نہیں کرتا یوں یہ ترجمہ ہدفی متن کی کامل تفہیم کی راہ میں بھی رکاوٹ ہے۔

"کتاب الشعر" کے ماخذ انگریزی متن سے تقابل سے یہ حقیقت بھی آشکار ہوتی ہے کہ مترجم نے یہ ترجمہ ماخذ متن پر کامل دسترس کے بغیر کر ڈالا جس کے نتیجے میں اس ترجمے کی صحت اور معیار میں کمی واقع ہوئی۔

ماخذ و ہدفی متن کے تفصیلی تقابل کے بعد اب کلیدی الفاظ و اصطلاحات کا تقابل کیا جاتا ہے، تاکہ یہ معلوم کیا جاسکے کہ ڈاکٹر محمد یٰسین کے کلیدی الفاظ و اصطلاحات کو دوران ترجمہ کس طرح اردو زبان کا ادب عطا کیا ہے۔

نقل	Mimesis
رزمیہ شاعری	Epic Poetry
طربیہ	Comedy
المیہ	Tragedy
بھجن	Dithyrambics
سرود کے نغمے	Music of Lyre
خرافات	Mythology
ترنم	Rhythm
حمد	Hymns
قصائد	Elegiacs
طنزیہ شاعری	Satiric Poetry
ہجو قبیح	Invectives
سنگت یا کورس	Chorus
نقلی چہرے	Masks
تمہید	Prologue
رحم	Pity
خوف	Fear
تزکیہ	Catharsis

اعلیٰ زبان	Plearurable language
پلاٹ	Plot or fable
کردار	Character
تاثرات	Thought
زبان واسلوب	Diction
آرائش	Spectacle
نغمہ	Melody
گردش	Revolution
انکشاف	Discovery
قصّہ در قصّہ	Episodic
افتتاحیہ حصّہ	Prologue
جس کے بعد گیت نہ ہو	Exode
عظیم الشان لغزش	Hamartia
بیوی کے نام نہاد عاشق	Suitors
الجھاؤ	Complication
سلجھاؤ	Denouement

ڈاکٹر محمد یٰسین کے "Poetics" کے اردو ترجمے "کتاب الشعر" کے کلیدی الفاظ واصطلاحات کے ماخذ انگریزی متن سے تقابل کے نتیجے میں درج ذیل نتائج سامنے آتے ہیں:

ا۔ اصطلاحات کا اردو ترجمے کی حد تک ڈاکٹر محمد یٰسین نے محنت وریاضت اور تحقیق و تدوقیق کا ثبوت نہیں دیا۔ انھوں نے فقط عزیز احمد کے "Poetics" کے اولین اور اہم متن سے اصطلاحات نقل کی ہیں۔ قابل ذکر امر یہ بھی ہے کہ چونکہ ڈاکٹر محمد یٰسین نے "کتاب الشعر" کی تحریر کے دوران ماخذ متن کے بہت سے اقتباسات حذف کر دیے ہیں، اس لیے بہت سی قابل ذکر اصطلاحات "کتاب الشعر" میں ترجمہ نہیں ہو پائیں جس سے اس باب میں ایک خلا کی نشاندہی ہوتی ہے۔

۲۔ "Aristotle's Poetics" کے اردو ترجمے کے دوران کلیدی الفاظ اردو زبان میں ڈھالنے کی حد تک بھی ڈاکٹر محمد یٰسین نے کسی جدت، ندرت یا خلاقی کا ثبوت نہیں دیا۔ یہاں بھی عزیز احمد کا تتبع نظر آتا ہے۔ فقط ایک ترکیب "Music of Lyre" کا ترجمہ انہوں نے سرود کے نغمے کیا ہے۔

۳۔ "کتاب الشعر" کے ماخذ انگریزی متن "Aristotle's poetics" سے تقابل سے یہ حقیقت بھی سامنے آتی ہے کہ مترجم کو ہدفی و ماخذ زبانوں پر کامل دسترس نہیں۔ "کتاب الشعر" میں املا کی غلطیاں موجود ہیں جن کی نشاندہی آنے والے صفحات میں کی جائے گی۔

۴۔ ماخذ و ہدفی متن کے تقابل سے سامنے آنے والی خامیوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکٹر محمد یٰسین نے یہ ترجمہ یا تو طلبہ کی ضرورت کی خاطر کیا یا محض صاحب تصنیف بننے کے لیے، وجہ جو بھی ہو یہ ایک معیاری ترجمہ کہلانے کا حقدار نہیں۔

۵۔ "کتاب الشعر" میں یونانی ناموں کا املا بھی الگ ہی ڈھنگ سے کیا گیا ہے جو بعض اوقات خاصا مضحکہ خیز نظر آتا ہے۔ مثال کے طور پر "Aristophanes" کو "ارسطو فینیز" لکھا گیا ہے جبکہ "Poetics" کے دیگر تمام تراجم میں اس کا املا "ارسٹوفینیز" ہے۔ اسی طرح "Oedipus" کو "عدیپس" لکھا گیا ہے جبکہ "" کے جملہ تراجم اور اردو زبان میں اس لفظ کا املا "ایڈیپس" یا "اے ڈی پس" ہے۔ کچھ یہی صورت "Prometheous" کے املا میں بھی دکھائی دیتی ہے، جسے "پرامیتھوس" تحریر کیا گیا ہے حالانکہ "Poetics" کے دیگر مترجمین نے اسے "پرومے تھئس" لکھا ہے۔ اس طرح کی غلطیاں اس امر کا ثبوت ہیں کہ ڈاکٹر محمد یٰسین نے ناموں کو اردو املا میں پیش کرنے کے دوران محنت اور تحقیق نہیں کی اور بغیر سوچے سمجھے جو املا ذہن میں آیا، تحریر کر دیا۔

حوالہ جات

۱۔ مرزا حامد بیگ، ڈاکٹر، کتابیات تراجم، اردو میں نثری تراجم، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد

۲۔ عطش درانی، ڈاکٹر، اردو اصطلاحات سازی، انجمن شرقیہ علمیہ، اسلام آباد، ۱۹۹۳، ص ۵۴-۵۵

۳۔ فتح محمد ملک، پیش لفظ، اردو انگریزی مشترکہ ذخیرہ الفاظ، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۲۰۰۴ء، ص ۶

۴۔ عزیز احمد، تمہید، فنِ شاعری، انجمن ترقی اردو، بابائے اردو روڈ، کراچی، ۱۹۸۶، ص ۳۶

۵۔ عزیز احمد، ایضاً، ص ۳۶

۶۔ ایضاً

۷۔ انور سدید، ڈاکٹر، اردو ادب کی تحریکیں، انجمن ترقی اردو، کراچی

۸۔ Thomas Twining, Aristotle's Poetics, J.M. Dents sons Ltd, London p5

۹۔ عزیز احمد، (مترجم) فنِ شاعری، از ارسطو، انجمن ترقی اردو، بابائے اردو روڈ، کراچی، ۱۹۸۶

۱۰۔ Thomas Twing, Ibid, p 5

۱۱۔ عزیز احمد،

۱۲۔ Thomas Twing, Ibid, p 7

۱۳۔ عزیز احمد،

۱۴۔ Thomas Twing, Ibid, p 9

۱۵۔ عزیز احمد،

۱۶۔ Thomas Twing, Ibid, p 12

۱۷۔ عزیز احمد، ایضاً، ص ۴۶

۱۸۔ Thomas Twing, Ibid, p 14

۱۹۔ عزیز احمد، ایضاً، ص ۴۸

۲۰۔ Thomas Twing, Ibid, p 15

۲۱۔ عزیز احمد، ایضاً، ص۴۹

۲۲۔ Thomas Twing, Ibid, p 15

۲۳۔ عزیز احمد، ایضاً، ص۴۹

۲۴۔ Thomas Twing, Ibid, p 24

۲۵۔ عزیز احمد، ایضاً، ص۵۵

۲۶۔ Thomas Twing, Ibid, p 43

۲۷۔ عزیز احمد، ایضاً، ص۸۳

۲۸۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، ارسطو سے ایلیٹ تک، نیشنل بُک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، ۲۰۱۹، ص۹

۲۹۔ عبدالعزیز ساحر، ڈاکٹر، ص۱۰۵

۳۰۔ عارف حسین، عظیم کتب کے اردو تراجم، ادارہ فروغِ قومی زبان، اسلام آباد، ۲۰۱۹، ص۸۳

۳۱۔ عطش درانی، ڈاکٹر، تعارف، بوطیقا کے تراجم، ص۶

۳۲۔ عبدالعزیز ساحر، ڈاکٹر، جمیل جالبی، شخصیت اور فن، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد، ۲۰۱۴، ص۹۱

۳۳۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، ارسطو سے ایلیٹ تک، ص۱۳

۳۴۔ T.S. Dorsch, p 31

۳۵۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، (مترجم) بوطیقا، از ارسطو، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۹۸، ص۲۵

۳۶۔ T.S. Dorsch, p 31

۳۷۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، ایضاً، ص۲۵

۳۸۔ T.S. Dorsch, p 32

۳۹۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، ایضاً، ص۲۷

۴۰۔ T.S. Dorsch, p 33

۴۱۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، ایضاً، ص۲۹

۴۲۔ T.S. Dorsch, p 3

۴۳۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، ایضاً، ص ۳۲

۴۴۔ T.S. Dorsch, p 34

۴۵۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، ایضاً، ص ۳۵

۴۶۔ T.S. Dorsch, p 38-39

۴۷۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، ایضاً، ص ۳۷

۴۸۔ T.S. Dorsch, p 39

۴۹۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، ایضاً، ص ۳۸

۵۰۔ T.S. Dorsch, p 40

۵۱۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، ایضاً، ص ۳۹

۵۲۔ T.S. Dorsch, p 42

۵۳۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، ایضاً، ص ۴۱

۵۴۔ T.S. Dorsch, p 62

۵۵۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، ایضاً، ص ۱۷

۵۶۔ عبدالعزیز ساحر، ڈاکٹر، جمیل جالبی، شخصیت اور فن، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد، ۲۰۱۴، ص ۱۰۵

۵۷۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، (مترجم) بوطیقا، از ارسطو، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۹۸، ص ۷۰

۵۸۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، ارسطو سے ایلیٹ تک، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، ۲۰۱۹، ص ۱۴

۵۹۔ شمس الرحمٰن فاروقی (مترجم) شعریات، از ارسطو، فکشن ہاؤس، لاہور، ۲۰۱۹، ص ۱۰

۶۰۔ S.H. Butcher, p 7

۶۱۔ شمس الرحمٰن فاروقی، ایضاً، ص ۵۰

۶۲۔ S.H. Butcher, p

۶۳۔ شمس الرحمٰن فاروقی، ایضاً، ص ۵۰

۶۴۔ S.H. Butcher, p 9

۶۵۔ شمس الرحمٰن فاروقی، ایضاً، ص ۵۱

۶۶۔ S.H. Butcher, p 11

۶۷۔ شمس الرحمٰن فاروقی، ایضاً، ص ۵۴

۶۸۔ S.H. Butcher, p 15

۶۹۔ شمس الرحمٰن فاروقی، ایضاً، ص ۵۸

۷۰۔ S.H. Butcher, p 21

۷۱۔ شمس الرحمٰن فاروقی، ایضاً، ص ۶۲

۷۲۔ S.H. Butcher, p 23

۷۳۔ شمس الرحمٰن فاروقی، ایضاً، ص ۶۴

۷۴۔ S.H. Butcher, p 25

۷۵۔ شمس الرحمٰن فاروقی، ایضاً، ص ۵۵

۷۶۔ S.H. Butcher, p 28-29

۷۷۔ شمس الرحمٰن فاروقی، ایضاً، ص ۶۹

۷۸۔ S.H. Butcher, p 51

۷۹۔ شمس الرحمٰن فاروقی، ایضاً، ص ۶۹

۸۰۔ S.H. Butcher, p

۸۱۔ شمس الرحمٰن فاروقی، ایضاً، ص ۷۳

۸۲۔ S.H. Butcher, p 84

۸۳۔ شمس الرحمٰن فاروقی، ایضاً، ص ۱۱۱

۸۴۔ شمس الرحمٰن فاروقی، ایضاً، ص ۹

۸۵۔ محمد یٰسین، ڈاکٹر، ایضاً، ص ۴۵

۸۶۔ Ingram Bywater,

۸۷۔ محمد یٰسین، ڈاکٹر، ایضاً، ص ۴۵

۸۸۔ Ingram Bywater,

۸۹۔ محمد یٰسین، ڈاکٹر، ایضاً، ص ۴۶

۹۰۔ Ingram Bywater,

۹۱۔ محمد یٰسین، ڈاکٹر، ایضاً، ص۴۸

۹۲۔ Ingram Bywater,

۹۳۔ محمد یٰسین، ڈاکٹر، ایضاً، ص۵۰

۹۴۔ Ingram Bywater,

۹۵۔ محمد یٰسین، ڈاکٹر، ایضاً، ص۵۲

۹۶۔ Ingram Bywater,

۹۷۔ محمد یٰسین، ڈاکٹر، ایضاً، ص۵۳

۹۸۔ Ingram Bywater,

۹۹۔ محمد یٰسین، ڈاکٹر، ایضاً، ص۵۳

۱۰۰۔ Ingram Bywater,

۱۰۱۔ محمد یٰسین، ڈاکٹر، ایضاً، ص۵۷

۱۰۲۔ Ingram Bywater,

۱۰۳۔ محمد یٰسین، ڈاکٹر، ایضاً، ص۷۰

۱۰۴۔ Ingram Bywater,

"Poetics" کے ترجمہ شدہ متون میں اشتراکات

دوسرے باب میں منتخبہ اردو تراجم کا ماخذ انگریزی متن سے تقابل کرنے کے بعد تیسرے باب میں اردو تراجم کے مابین اسلوب، تکنیک اور اصطلاحات کی سطح پر تقابل کیا جائے گا۔ اس تقابل کا بنیادی مقصد منتخبہ اردو تراجم میں پائے جانے والے اشتراکات کی نشاندہی اور تجزیہ کرنا ہے۔

اُسلوب کا تقابل:

"Poetics" کے تراجم میں اسلوب کے اشتراکات کا تقابل کرنے سے پیشتر ضروری ہے کہ اسلوب کے معنی و مفہوم اور عناصر ترکیبی کا جائزہ لیا جائے، تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ اسلوب کیا ہے؟ اسلوب کی ماہیئت کیا ہے؟ اس کی بنیادی خصوصیات اور عناصر ترکیبی کیا ہیں اور پھر ان کی روشنی میں "Poetics" کے تراجم کے اسلوب کا تقابل کر کے اشتراکات (مشترکہ خصوصیات) کی نشاندہی کی جا سکے۔

فی زمانہ "اسلوب" کا شمار کثیر الاستعمال اصطلاحات میں ہوتا ہے۔ شاعر ہو یا نثر نگار اس کی تخلیقات کا مطالعہ اس کے اسلوب کے تجزیہ و تحلیل کے بغیر ادھورا تصور کیا جاتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ اردو تنقید کے ڈسکورس میں اسلوب ایک بنیادی اور ناگزیر لفظ (اصطلاح) ہے۔ یہ اصطلاح عربی زبان سے اردو میں آئی۔ اس کا مادہ س۔ل۔ب (سلب) ہے۔ عربی میں اَلاُسلُوب کے معنی (۱) طریقہ، طرز (۲) طرز نگارش، طرز بیان (۳) کھجور وغیرہ کے درختوں کی قطار (۴) رنگ ڈھنگ، طور، طریقہ، ہیں اور اس کی جمع "اسالیب ہے "[1] اردو زبان و ادب اور تنقید میں یہ اصطلاح نسبتاً جدید ہے اور اسے انگریزی اصطلاح "Style" کے "مترادف" کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ گو کہ اردو زبان میں "اسلوب" کی اصطلاح زیادہ قدیم نہیں مگر اُسلوب کا تصور تخلیقی سرگرمیوں کے آغاز ہی سے موجود رہا ہے۔ اردو زبان میں اسلوب کے لیے رنگ، رنگِ سخن، طرز، طرزِ بیان، انداز، اندازِ بیان، شیوۂ گفتار، انداز تحریر اور طرز تحریر کے الفاظ برتے جاتے ہیں اور آج بھی ان الفاظ کی مدد سے اسلوب کے مفہوم کی عکاسی کی جاتی ہے۔

اب ذرا زبان و ادب اور لسانیات کے لغات میں اسلوب کے معانی و مفہوم اور مترادفات بھی دیکھتے ہیں:

- کشافِ اصطلاحات لسانیات میں "اسلوب" کا مترادف "Style" درج ہے۔[2]

"فرہنگ آصفیہ" میں اسلوب کے درجہ ذیل معنی درج ہیں:

- طرز، ڈھنگ، طریقہ (۳)

قومی انگریزی اردو لغت کے مطابق:

- اسلوب تحریر و تقریر
- ادب میں موضوع سے زیادہ اسلوب پر زور دینے والا یا اس سے تعلق رکھنے والا۔
- کسی ادیب یا ادیبوں کے گروہ کا شناختی اسلوب
- فنون میں خارجی اسلوب
- روش یا انداز، کوئی مخصوص طرز ادا (۴)

فرہنگ عامرہ کے مطابق:

- اسلوب: طریقہ: طرز، روش------ جمع اسالیب (۵)

"کشاف تنقیدی اصطلاحات" میں اسلوب کی وضاحت کچھ یوں کی گئی ہے:

"اسلوب سے مراد کسی ادیب یا شاعر کا وہ طریقہ ادائے مطلب یا خیالات و جذبات کے اظہار و بیان کا وہ ڈھنگ ہے جو اس خاص صنف کی ادبی روایت میں مصنف کی اپنی انفرادیت (انفرادی خصوصیات) کے شمول سے وجود میں آتا ہے اور چونکہ مصنف کی انفرادیت کی تشکیل میں اس کا علم، کردار، تجربہ، مشاہدہ، افتادِ طبع، فلسفہ حیات اور طرزِ فکر و احساس جیسے عوامل مل جل کر حصہ لیتے ہیں۔ اس لیے اسلوب کو مصنف کی شخصیت کا پرتو اور اس کی ذات کی کلید سمجھا جاتا ہے"۔ (۶)

" The Penguin Dictionary of literary terms"

میں اسلوب کی بنیادی خصوصیات کو کچھ یوں نمایاں کرنے کی کوشش کی گئی ہے:

"The characteristic manners of expressions in prose or verse how a particular writer says things. The analysis and assessment of style involves examination of writers choice of words his figures of speech. The devices (Rheroterical and otherwise), the shape of his

paragraphs are indeed a very conceivable aspect of his language and way in which he uses it. Style defines complete analysis or definition because it is tone and voice of the writer himself as peculiar to him as his laugh, his work his handwriting and expression of his face. The style as bufan put it, is the man".(7)

مختلف لغات میں اسلوب کے معنی و مفہوم کی وضاحت کے یہ دیکھنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اردو زبان کے ناقدین اور محققین اس اصطلاح کو کس طرح سمجھتے اور اپنے تنقیدی و تجزیاتی مطالعات میں استعمال کرتے ہیں۔ سید عابد علی عابد جنھوں نے اردو اسلوب کے موضوع پر ایک نہایت ہی بنیادی نوعیت کی مگر اہم کتاب تحریر کی ہے، اسلوب کے حوالے سے رقم طراز ہے کہ:

"اسلوب دراصل فکر و معانی اور ہیئت و صورت یا مافیہ و پیکر کے امتزاج سے پیدا ہوتا ہے۔ لیکن انتقادی تصانیف میں اکثر و بیشتر کلمات مستعار کے معانی متعین نہیں ہوتے اور اسلوب کو محض اندازِ نگارش، طرز بیان کہہ کر اس کلمے کی وہ تمام دلالتیں ظاہر نہیں کی جاسکتیں، جن کا اظہار مطلوب ہے"۔(۸)

درج بالا اقتباس پر پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ عابد علی عابد نے لفظ اسلوب کو محض طرز بیان اور انداز نگارش کے محدود معنوں میں نہیں لیا بلکہ فکر و معانی اور مافیہ و پیکر کے امتزاج پر مبنی قرار دے کر اس کے معنوں میں وسعت پیدا کر دی ہے۔ ڈاکٹر سید عبداللہ نے اسلوب کے مفہوم کی وضاحت اپنے مخصوص عالمانہ انداز میں کچھ یوں کی ہے:

"سٹائل صرف خارجی خصائصِ تحریر کا نام نہیں بلکہ مصنف کی شخصیت کے داخلی نقوش، اس کا طرز مشاہدہ ہی نہیں بلکہ اس کا طرز احساس بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر مصنف کے زمانے اور اس کی قوم، بلکہ پوری تہذیب کے نقوش کا نام ہے"۔(۹)

ڈاکٹر سید اللہ نے ایک مختصر سے اقتباس میں اسلوب کے ضمن میں ایک جہان معنی کو اپنے اندر سمو لیا ہے۔ اس اقتباس کا تجزیہ ہمیں اسلوب کی بنیادی خصوصیات کی تفہیم، اس کے عناصر ترکیبی اور صاحبِ طرز کی

طرز اور اسلوب کی تعمیر میں شامل بنیادی ولازمی اجزا و عناصر کی تفہیم میں مدد دیتا ہے۔ اس اقتباس سے جو نکات ابھرتے ہیں ان کی تفصیل کچھ یوں ہے:

۱۔ اسلوب صرف خارجی خصائص تحریر کا نام نہیں۔

۲۔ داخلی عناصر مثلاً مصنف کی اندرونی دنیا اور اس کی نفسیات بھی اسلوب کے مطالعہ و تفہیم کا مددگار ثابت ہوتے ہیں۔

۳۔ مصنف کی قوم، تہذیب اور اس کے عہد کا مطالعہ۔

یعنی اسلوب کا مطالعہ نہ تو خلا میں کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی باقی عناصر سے الگ رہ کر کسی مصنف یا تخلیق کار کے اسلوب کی تفہیم ممکن ہے۔ اس کی مکمل اور عمدہ تفہیم کے لیے اس کی تحریر کی ظاہری صورت، اس کی شخصیت اور اس کے عہد کے ساتھ ساتھ اس کی تہذیب و معاشرت کا مطالعہ بھی، مطالعۂ اسلوب میں شامل ہے۔ ڈاکٹر سید عبداللہ کے خیال میں اسلوب کی تعمیر و تشکیل اور اسلوب میں درجہ بالا تین عناصر شامل ہیں۔ اسلوب کے باب میں ڈاکٹر گوپی چند نارنگ کے افکار بھی نقل کیے جانے کے لائق ہیں، ان کے خیال میں:

> "اسلوب "Style" کوئی نیا لفظ نہیں ہے۔ مغربی تنقید میں یہ لفظ صدیوں سے رائج ہے، اردو میں اسلوب کا تصور نسبتاً نیا ہے۔ تاہم زبان و بیان، اندازِ بیان، طرزِ تحریر، لہجہ، رنگ، رنگ سخن وغیرہ اصطلاحیں اسلوب یا اس سے ملتے جلتے معنی میں استعمال کی جاتی رہی ہیں۔ یعنی کسی بھی شاعر یا مصنف کے انداز بیان کے خصائص کیا ہیں یا کسی مصنف یا ہیئت میں کس طرح کی زبان استعمال ہوتی ہے۔ یا کسی عہد میں زبان کیسی تھی اور اس کے خصائص کیا تھے وغیرہ۔ یہ سب اسلوب کے مباحث ہیں"۔ (۱۰)

گزشتہ صفحات میں عابد علی عابد اور ڈاکٹر سید عبداللہ کی کتب سے نقل کیے گئے کلیدی اہمیت کے حامل ہیں اقتباسات کی مانند یہ اقتباس بھی اسلوب کے باب میں نہایت ہی کلیدی اہمیت کا حامل ہے اور اسلوب کے بنیادی مفہوم اور خصوصیات کی تفہیم میں گہری بصیرت فراہم کرتا ہے۔ اس اقتباس میں چار نکات ابھرتے ہیں:

۱۔ اسلوب ایک کثیر المعنی اصطلاح ہے۔

۲۔ اسلوب انداز بیان کے خصائص متعین کرنے کا نام ہے۔

۳۔ صنف یا ہیئت کی زبان کا تجزیہ و تحلیل بھی اسلوب کی ذیل میں آتا ہے۔

۴۔ کسی عہد کی زبان کے خصائص کا مطالعہ۔

یوں اردو زبان و ادب اور تحقیق و تنقید کے قاری، محقق اور لکھاری کی مدد، رہنمائی اور فہم کے لیے درجہ بالا اقتباسات کا مطالعہ، تجزیہ اور تفہیم ضروری ہے تاکہ اسلوب ایسے اہم مگر کسی قدر پیچیدہ تصور کی وضاحت ہو سکے اور آنے والے صفحات میں "Poetics" کے مترجمین کے اسلوب کا مطالعہ ان اصولوں اور تصورات کی روشنی میں کیا جا سکے۔

اسلوب کے حوالے سے یہ نکتہ پیشِ نظر رہنا ضروری ہے کہ جس طرح ہر مصنف کا اپنا ایک اسلوب بیان ہوتا ہے۔ اسی طرح ہر صنف کا بھی اپنا ایک اسلوب ہوتا ہے۔ ہماری کلاسیکی غزل کا اسلوب اس ضمن میں بطور مثال پیش کیا جا سکتا ہے. اسی طرح ہر عہد کا اپنا ایک اسلوب ہوتا ہے. ہر عہد کے سماجی، معاشی، تہذیبی، عمرانی اور سیاسی حالات اس عہد کے اسلوب کو متعین کرنے میں اپنا کردار ادا کرتے ہیں۔ ان حالات سے متاثر ہو کر تخلیق کار جس طرح کے لفظیات، تشبیہات، استعارات، لہجے اور مضامین و افکار بروئے کار لاتا ہے وہ اس کے اسلوب کی تعمیر و تشکیل میں بنیادی کردار ادا کرتے ہیں۔

اس مقام پر میں ایک اہم نکتے کے بیان کی جسارت کرنا ضروری سمجھتا ہوں ۔ جس طرح ادیب، شاعر عہد اور ہیئت و صنف کا اپنا ایک منفرد اسلوب ہوتا ہے، اسی طرح ہر زبان کا بھی اپنا ایک اسلوب ہوتا ہے جو اس زبان کے داخلی و خارجی مزاج، اس کے تاریخی و تدریجی ارتقا اور اس کی لسانی ترقی کا عکاس و آئینہ دار ہوتا ہے۔

اسلوب کے حوالے سے درجہ بالا بنیادی نکات کی توضیح کے بعد اب "Poetics" کے اردو تراجم میں اشتراکات کا تقابل پیش کیا جاتا ہے۔

"Poetics" کے اردو تراجم میں اسلوب کے اشتراکات کا ایک بڑا اور اہم سبب یہ ہے کہ یہ تمام تراجم بنیادی طور پر ایک ہی متن "Poetics" کے ہیں۔ یوں ہم کہہ سکتے ہیں کہ "Poetics" کے اردو تراجم کا تعلق ایک ہی صنف سے ہے۔ یہاں صنف بھی ایک ہے، موضوع بھی ایک تصنیف بھی ایک ہے اور ماخذ متن کا مصنف بھی ایک ہے۔ لہٰذا قدرتی طور پر دوران ترجمہ اشتراکات کا ابھر کر نمایاں ہونا نہ تو انوکھی بات ہے اور نہ ہی غیر فطری۔ یہی سبب ہے کہ "Poetics" کے تمام تراجم میں جزوی اختلافات کے باوجود اسلوب کی سطح پر بڑے پیمانے پر اشتراکات موجود ہیں، جن کا تجزیہ و تقابل آنے والے صفحات میں تفصیل سے کیا جاتا ہے۔

یہ امر بھی پیشِ نظر رہنا ضروری ہے کہ اسلوب کی تعمیر و تشکیل میں لفظ اور خیال دونوں کا حسین امتزاج موجود ہوتا اور رہتا ہے۔ ایک خیال مادی پیکر میں ڈھلنے کی خاطر کچھ خاص طرح کے الفاظ، جملوں تراکیب و اصطلاحات کا متقاضی ہوتا ہے۔ لفظ اور خیال جب ایک کیمیائی عمل سے گزر کر صفحۂ قرطاس پر منتقل ہوتے ہیں تو اسلوب ایک خاص رنگ میں جلوہ گر ہوتا ہے۔ لہٰذا فکری یکسانیت کی بنا پر اسلوب میں بھی اشتراک و یگانگت کے رنگوں کا ابھرنا عین فطری بات ہے۔ "Poetics" کے تراجم کے اسلوب میں بھی ہمیں یہی صورت دکھائی دیتی ہے۔ بقول سید عابد علی عابد:

" مقصود اظہار معانی ہے اور الفاظ اس کا وسیلہ ہیں۔ دونوں ایک ہی تصور کے دو رُخ ہیں۔ ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں۔ ایک ہی بات کے دو پہلو ہیں"۔ (۱۱)

"Poetics" کے تمام تراجم کے اسلوب کے تقابل کے نتیجے میں جو عنصر بطور خاص مشترک ہے وہ ان تراجم کی زبان کی سادگی و سلاست ہے۔ مترجمین نے دوران ترجمہ جس بات کو بطور خاص پیش نظر رکھا وہ یہ تھی کہ ان تراجم کو ایسی زبان میں قاری تک منتقل کیا جائے جس میں کوئی مشکل، پیچیدگی اور ثقالت نہ ہو۔ سبب اس کا یہ ہے کہ "Poetics" نہ صرف تنقید کی پہلی باضابطہ کتاب ہے بلکہ اس کی اہمیت بہت بنیادی ہے۔ اس بنا پر اس کتاب سے استفادہ کرنے والوں میں اردو کے وہ طلبہ و قارئین بطور خاص شامل ہیں جن کی لسانی قدرت اور علمی سطح ابھی زیادہ نہیں ہوتی اور وہ ادب و تنقید کے مطالعے کی ابتدائی منازل اور مراحل میں اس کتاب کا مطالعہ کرتے ہیں۔ ہماری جامعات میں اردو اور انگریزی تنقید کی تدریس کا آغاز ہی افلاطون و ارسطو کے تنقیدی افکار کے مطالعے سے کیا جاتا ہے۔ اس لیے یہ کتاب مشکل، دقیق اور ثقیل اسلوب کی متحمل نہیں ہو سکتی ورنہ اس کا مطالعہ کرنے والے اصحاب ابتدائی مراحل میں ہی مشکل کا شکار ہو کر بد دل ہو جائیں گے۔

دوسرا سبب یہ ہی کہ "Poetics" کے ترجم کا تعلق "علمی متن کے ترجمے" سے ہی۔ علمی ترجمہ مدعا کے صاف و سادہ اور سلیس زبان کا استعمال لازمی شرط کے طور پر مانا گیا ہے۔

اس لیے "Poetics" کے اردو مترجمین نے دوران ترجمہ شعوری طور پر صاف، سادہ اور سلیس زبان کو اظہار خیال کا وسیلہ بنایا اور کوشش کی کہ ارسطو کے افکار کو پوری صفائی اور صحت کے ساتھ اردو زبان میں منتقل کر سکیں۔ ڈاکٹر سید عبد اللہ اسلوب میں سادگی کے محرک کا سراغ لگاتے ہوئے کہتے ہیں:

"بیان میں سادگی دراصل بہت کچھ صاف صاف کہہ ڈالنے کی خواہش سے پیدا ہوتی ہے"۔ (۱۲)

"Poetics" کے اردو تراجم کے اسلوب میں سادگی کے عنصر کو بے شمار مثالوں کی مدد سے پیش اور نمایاں کیا جاسکتا ہے مگر بخوفِ طوالت اور یکسانیت برقرار رکھنے کی خاطر اس عنصر کی نشاندہی کے لیے ہر ترجمے سے ایک ہی مثال پر اکتفا کیا جاتا ہے ۔ عزیز احمد کے ترجمے "فنِ شاعری" کا ایک اقتباس ملاحظہ کیجیے:

"لیکن چونکہ نقل کا موضوع انسان کے افعال ہیں اور چونکہ یہ ضروری ہے کہ یہ انسان اچھے ہوتے ہیں یا برے (کیوں کہ اسی پر سیرت کا دارومدار ہے۔ تمام آدمیوں کے اطوار پر نیکی یا بدی کا گہرا اثر ہوتا ہے) اس لیے اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ہم، انسانوں کو، یا تو وہ جیسے ہیں اس سے بہتر دکھا سکتے ہیں۔ یا اس سے بدتر، یا بالکل ویسے ہی جیسے کہ وہ ہیں"۔ (۱۳)

اسی طرح ڈاکٹر جمیل جالبی کے ترجمے میں سادگی و سلاست کی مثال دیکھیے:

"چونکہ "نقل کرنے والے فنکار" انسانوں کو عمل کرتے ہوئے پیش کرتے ہیں اور یہ انسان لازماً یا تو نیک ہوتے ہیں یا پھر بد ہوتے ہیں، کیونکہ انسانوں میں اختلاف ان کی اخلاقی فطرت کی بنا پر ہے اور ان میں نیکی اور بدی کے مدارج ہیں۔ اس لیے کردار ہمیشہ ایک قسم یا دوسری قسم کی ذیل میں رکھے جاسکتے ہیں، لہٰذا انسانوں میں یا تو ہم سے بہتر یا ہم سے بدتر یا پھر اسی قسم کے لوگ، جیسے ہم خود ہیں، پیش کئے جاتے ہیں"۔ (۱۴)

شمس الرحمٰن فاروقی کے "Poetics" کے ترجمے کے اسلوب میں سادگی سلاست کا عنصر ملاحظہ کیجیے:

" چونکہ نمائندگی کا موضوع انسان ہیں، وہ انسان جو میدانِ عمل میں سرگرم ہیں، اور چونکہ ان انسانوں کو لازماً اعلیٰ یا ادنیٰ طرح کا ہونا چاہیے۔ یہ اس لیے کہ انسانوں کا اخلاق کردار علی العموم ان دو خانوں میں سے ایک میں رکھا جا سکتا ہے"۔ کیونکہ اخلاقی امتیازات کی پہچان انسانوں کی اچھائی یا برائی ہی سے ہوتی ہے۔ اس لیے یہ نتیجہ فطری طور پر نکلتا ہے کہ انسانوں کو واقعی زندگی کے لوگوں سے بہتر یا بدتر یا انھیں کی طرح دکھایا جانا لازمی"۔ (۱۵)

ڈاکٹر محمد یٰسین کے "Poetics" کے اُردو ترجمے "کتاب اشعر" میں سادگی و سلاست کا عنصر ملاحظہ ہو:

> "فنون میں نقل کا موضوع انسانی اعمال و افعال ہوتے ہیں اور ایسے لوگ جن کو فن کا موضوع بنایا جاتا ہے، بذات خود اچھے یا بُرے ہوتے ہیں (کیونکہ کردار کا انحصار لوگوں کے اندر اچھائی یا برائی پر ہے) اس سے ثابت ہوا کہ ہم یا تو آدمیوں کو جیسا کہ وہ واقعی ہیں اس سے بہتر بنا کر پیش کرتے ہیں یا بدتر یا بالکل ویسے ہی جیسے وہ سچ مچ ہیں"۔ (۱۶)

درجہ بالا اقتباسات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ "Poetics" کے تراجم کی زبان سادہ اور سلیس ہے اور ان تمام مترجمین نے شعوری طور پر زبان کا ایسا استعمال کیا جو قاری کو مشکل سے بچائے اور وہ ایک صاف اور نکھری ہوئی زبان کے مطالعے سے اکتساب علم کا موقع فراہم کرے۔

"Poetics" کے اردو تراجم کے اسلوب کی دوسری مشترکہ خصوصیت اختصار ہے۔ اختصار کو بجا طور پر جانِ کلام اور حسن بیان کہا جاتا ہے۔ اسلوب میں اختصار پیدا کرنا بڑی محنت اور ریاضت کا طلبگار ہوتا ہے۔ اختصار کے برعکس طوالت تحریر کے حسن کو بری طرح مجروح کر دیتی ہے۔ اختصار کا مطلب یہ ہے کہ اپنی بات بغیر کسی کمی یا بیشی کے موزوں و مناسب الفاظ و جملوں میں قاری و سامع تک پہنچا دی جائے۔ متن سے غیر ضروری اقتباس، اقتباسات میں سے غیر ضروری جملے اور جملوں میں سے غیر ضروری الفاظ کا اخراج اختصار کو جنم دیتا ہے۔

غیر ضروری تفصیلات اور اسرافِ لفظی سے ایک طرف تو مصنف کا وقت اور توانائی ضائع ہوتی ہے اور دوسری طرف قاری کا وقت الگ ضائع ہوتا ہے اور اس کا ذہن غیر ضروری تفصیلات میں الگ الجھتا ہے۔ طویل تحریر لکھنا آسان اور بات کو مختصر اور جامع انداز میں پیش کرنا نہایت مشکل اور محنت طلب کام ہے۔ اس کے لیے سالوں کی ریاضت، زبان و بیان پر قدرت اور مدعا و مضمون پر مہارت درکار ہوتی ہے۔

"Poetics" کے تمام مترجمین اردو کے منجھے ہوئے مصنفین و مترجمین میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کی مہارتِ لسانی اور قوتِ بیان کا ایک زمانہ معترف ہے، دوسری طرف "Poetics" ارسطو جیسے نابغۂ روزگار فلسفی و سائنس دان کی تخلیق ہے جس میں بلا کا اختصار اور غیر ضروری تفصیلات سے گریز ملتا ہے۔ اس بنا پر

"Poetics" کے اردو تراجم کے اسلوب میں اس خصوصیت کا درآنا عین فطری امر ہے اور یہ خصوصیت "Poetics" کے تمام اردو تراجم میں مشترک نظر آتی ہے۔ مثالیں ملاحظہ کیجیے:

عزیز احمد (فن شاعری) کے ترجمے میں اختصار کی مثال:

"حظ بخشنے والی زبان سے میری مراد ایسی زبان ہے جو موزونیت، نغمے اور تقطیع سے مزین ہو"۔ (۱۷)

ڈاکٹر جمیل جالبی کے ترجمے "بوطیقا" میں اختصار کی مثال دیکھیے:

"صنائع سے معمور زبان سے میرا مطلب ایسی زبان ہے، جس میں وزن اور موسیقی یا گیت ہو"۔ (۱۸)

شمس الرحمٰن فاروقی کے ترجمے میں اختصار کی مثال:

"مزین زبان سے میری مراد ایسی زبان ہے، جس میں آہنگ، نغمہ اور گیت کا دخل ہو"۔ (۱۹)

"دلچسپ زبان سے ہمارا مقصد وہ زبان ہے جس میں ترنم، آہنگ اور بحور سے کام لیا جائے"۔ (۲۰)

"Poetics" کے اردو تراجم کے اسلوب کی تیسری مشترکہ خصوصیت "قطعیت" (Clarity) کے عنصر کی موجودگی ہے۔ سید عابد علی عابد نے قطعیت کے مفہوم کی وضاحت یوں کی ہے:

"سادگی کے مقابلے میں قطعیت اسلوب کی وہ صفت خاص ہے جس میں فکر کے سر رشتے پیچیدہ اور جذبے کے پہلو دقیق ہوتے ہیں۔ ان کی آمیزش طبعاً ایسے الفاظ کا تقاضا کرتی ہے، جو چاہے مغلق اور پیچیدہ ہوں، لیکن وضاحت مطلب کے اعتبار سے وہ کسی طرح سادگی سے کم نہ ہوں"۔ (۲۱)

یہ بات عین فطری ہے کہ بعض اوقات لکھنے والے کو ایسے موضوع، فکر، خیال یا نکتے کی وضاحت کرنی پڑتی ہے، جس کا تقاضا ہی مشکل، مغلق اور ثقیل الفاظ اور تراکیب ہوتا ہے، ایسے مقام پر مصنف سے سپاٹ قسم کی سادگی کی توقع رکھنا بے محل ہے۔ یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ مشکل مفہوم مشکل الفاظ کا از خود تقاضا کرتا ہے اور جب مصنف مشکل مفہوم کی ادائیگی مشکل الفاظ و تراکیب کی مدد سے بحسن و خوبی کر لیتا ہے تو اسی کا نام قطعیت ہے۔

"Poetics" کے متن میں بھی بعض ایسے مقامات و مراحل آتے ہیں جب ارسطو نے پیچیدہ، دقیق اور مشکل ادبی و تنقیدی افکار و تصورات کو لفظوں کا جامہ پہنایا ہے۔

ان افکار و تصورات کی بصورت ترجمہ اردو زبان میں منتقلی بھی دراصل ایسے اسلوب کی خواستگار تھی جو ثقیل اور مشکل تو ضرور ہو، مگر ادائے مطلب کا عمل کامیابی سے سرانجام دے۔ "Poetics" کے مترجمین کتاب کے نفسِ مضمون پر دسترس اور مہارت لسانی کے باوصف "Poetics" کے مشکل اور پیچیدہ متن کو قطعیت (Clarity) کے ساتھ اردو زبان میں منتقل کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔

عزیز احمد کے ترجمے کی مثال ملاحظہ کیجیے:

"پس ٹریجیڈی اور کامیڈی دونوں، جن کی اس ناہموار اور بیساختہ طریقے سے ابتدا ہوئی"۔ (۲۲)

ڈاکٹر جمیل جالبی کے اسلوب میں قطعیت کی مثال ملاحظہ کیجیے:

"ابتدا میں ٹریجیڈی اور کامیڈی دونوں طبع زاد تھیں۔ ایک کی ابتدا ان لوگوں سے ہوئی جو "ڈیتھرامب" گاتے تھے اور دوسری کی ابتدا ان لوگوں سے ہوئی جو فیلک گیت گاتے تھے"۔ (۲۳)

شمس الرحمٰن فاروقی کے اردو ترجمے "شعریات" کی مثال ملاحظہ ہو:

"بہر کیف المیہ اور طربیہ دونوں شروع شروع میں فی البدیہہ ایزاد کی حیثیت رکھتے تھے"۔ (۲۴)

ڈاکٹر محمد یٰسین کے ترجمے کی مثال ملاحظہ کیجیے:

"المیہ اور طربیہ دونوں ابتدائی شکل میں ناہموار اور ناشائستہ اصناف تھے"۔ (۲۵)

"Poetics" کے اردو تراجم کے اسلوب کی چوتھی قابل ذکر مشترکہ خصوصیت ابلاغ (Communication) ہے۔ ابلاغ کا لفظ تنقیدی ڈسکورس میں ابہام (ambeguity) کے متضاد کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے اور اس سے مراد فکر و خیال کی قاری تک بحسن و خوبی منتقلی ہے۔ سید عابد علی عابد نے ابلاغ کو اسلوب کی تشکیل میں اہم عنصر کی حیثیت سے تسلیم کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"اسلوب مضامین عالی اور ابلاغ کامل کے امتزاج سے پیدا ہوتا ہے"۔ (۲۶)

نظم ہو یا نثر، طبع زاد تحریر ہو یا ترجمہ کا مقصد دوسروں تک پہنچنا ہی تو ہوتا ہے۔ اس لیے ہر لکھنے والا اپنی بات، فکر، خیال یا جذبات کو قاری کے لیے ہی ضبط تحریر میں لاتا ہے۔ اگر قاری، لکھاری، فنکار شاعر، ادیب یا مترجم کے متن کو پڑھ کر اس کی تفہیم کر لیتا ہے اور کسی قسم کے ابہام کا شکار نہیں ہوتا تو اسے تحریر کی

خوبی شمار کیا جائے گا لیکن اگر قاری تحریر کی قرأت کے بعد ان کے مفہوم تک رسائی میں ناکام رہے تو کہا جائے گا کہ تحریر مبہم۔ یہ ابہام ہی تو ہے جو بڑھتے بڑھتے بے معنویت (Meannglessness) کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔

ابلاغ علمی نثر اور ترجمے کے اسلوب کی نہایت ہی اہم خصوصیت تصور کیا جاتا ہے۔ علمی نثر کا مقصدِ اولیٰ ہی کسی خیال، تصور یا فکر کو دوسروں تک پہنچانا ہے تا کہ ان کو معلومات فراہم کی جا سکیں یا اُن کے علم میں اضافہ کیا جا سکے یا کسی منطقے میں اُن کو رہنمائی فراہم کی جائے، یا اُن کو کسی امر کی ترغیب دی جا سکے۔ لہٰذا علمی تحریر اور ترجمہ دوٹوک بیانیے کا متقاضی ہوتا ہے۔ جب ترجمے میں ابلاغ کی بات آتی ہے تو اس ضمن میں ماخذ متن (S.T) کی نوعیت اور اس کے افکار کی مکمل تفہیم ہی مترجم کو اس قابل بناتی ہے کہ وہ ہدفی زبان میں مدعا کی بلاکم و کاست منتقلی کا فریضہ ادا کر سکے۔ اگر مترجم کی تفہیم ناقص اور ماخذ متن (S.T) پر دسترس ادھوری ہو تو ترجمے کی زبان بھی الجھی الجھی اور پیچیدگی کا شکار ہو گی۔

اس تناظر میں "Poetics" کے اردو تراجم کا جائزہ اس امر کی عکاسی کرتا ہے کہ اردو زبان میں ہونے والے یہ تراجم مترجمین کی ماخذ زبان (S.T) پر مکمل دسترس، اس کے متن کی تفہیم اور اردو زبان میں اس کی کمال مہارت منتقلی کا ثبوت ہیں۔ "Poetics" کے اردو مترجمین نے دوران ترجمہ سادہ، صاف، رواں اور سلیس زبان کے انتخاب اور بیان کی سادگی کی مدد سے اردو دان طبقے کو ایسا ہدفی متن فراہم کیا اور جسے اردو زبان میں ارسطو کے تنقیدی افکار کی تفہیم میں کچھ اس طریق سے بروئے کار لایا جاتا ہے جیسے وہ اصل متن ہو۔ یہاں اس نکتے کی صراحت ضروری ہے کہ "Poetics" کی تفہیم کے لیے یونانی ادب کا پس منظری مطالعہ ناگزیر ہے۔

"Poetics" کے اردو تراجم کے اسلوب کی ایک اور قابل ذکر خصوصیت یہ ہے کہ مترجمین نے علمی ترجمے کے تقاضوں کو بطور خاص ملحوظ خاطر اور پیشِ نظر رکھا ہے۔ علمی ترجمہ منطقی طرز تحریر کا تقاضا کرتا ہے۔ اس نوع کے ترجمے میں پیچیدہ خیال اور مشکل عبارات کو ہدفی زبان کے قاری کے لیے سہل بنا کر پیش کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ ادائے خیال کو بنیادی اہمیت دی جاتی ہے اور زبان کی آرائش و زیبائش اور صنائع بدائع کے استعمال سے زبان کو رنگین بنانے کی گنجائش کم ہوتی ہے۔ چنانچہ علمی متون کا ترجمہ خیال کی موثر ترسیل کو اولیت دیتا ہے جبکہ باقی تمام چیزیں ثانوی حیثیت رکھتی ہیں۔ جملے عموماً چھوٹے ہوتے ہیں، رموزِ اوقاف کا باقاعدہ اور برمحل استعمال تفہیم کے عمل کو آسان بنا دیتا ہے۔ علمی ترجمے میں مروجہ زبان کے

اسالیب کو بروئے کار لا کر ایک ایسا متن ترتیب دیا جاتا ہے جس میں تکلف کے بجائے سادگی ہو اور یوں لگے کہ یہ متن تخلیق ہی اسی زبان (ہدفی زبان) میں ہوا ہے۔

"Poetics" کے تمام مترجمین نے ایسا ہدفی متن (S.T) تحریر کیا جو علمی ترجمے کے تمام تقاضوں کو پورا کرنے کے ساتھ ساتھ ہدفی زبان کے قاری کی علمی ضرورتوں کی کفایت بھی کرتا ہے۔ ایسا متن جس میں نہ تصنع ہو اور نہ آرائش، نہ کوئی الجھن ہو اور نہ ہی کسی قسم کی پیچیدگی۔ "Poetics" کے تمام تراجم از اوّل تا آخر علمی ترجمے کے اسلوب کے تقاضوں کو پورے کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان تمام تراجم کو ہدفی زبان اور تہذیب میں بے پناہ پذیرائی ملی۔

"Poetics" کے اردو تراجم کے اسلوب میں معروضیت (Objectivity) کا عنصر بہت نمایاں ہے۔ متذکرہ بالا تراجم میں مصنفین نے معروضی اور سائنسی طرز تحریر اپناتے ہوئے مدعا کی تفہیم و ترسیل پر بطور خاص توجہ دی اور کہیں بھی اپنی ذات یا انفرادیت کی نمائش نہیں کی۔ "Poetics" کے تراجم کا ہر لفظ اس امر کا شاہد ہے کہ مترجمین نے ایسا بیانیہ، منطقی، معروضی اور سائنسی اسلوب اپنایا اور تا آخر برقرار رکھا جو علمی شان اور وقار تو رکھتا ہے لیکن کہیں بھی مترجم کی ذات کو نمایاں نہیں کرتا۔ ترجمے کے اسلوب میں یہ خصوصیت انکسارِ ذات سے پھوٹتی ہے اور نمایاں ہوتی ہے۔ ایک ترجمہ اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ ہم سب سے پہلے ماخذ متن کے مصنف کے سامنے سرِ تسلیم خم کریں، اس سے کسبِ فیض کریں، اس کی باتوں کو توجہ سے پڑھیں اور سمجھیں۔ اس مقصد کے حصول کے لیے جہاں انکسار بنیادی شرط ہے وہاں متانت، سنجیدگی اور حصول علم کی لگن (جوہر ترجمے کا بنیادی محرک ہے) بھی ضروری ہے۔ اگر مترجم میں یہ خصوصیت نہ ہو اور وہ اپنی ذات کے خول میں مقید رہے تو اس کا ہدفی متن، اس کے مصنف اور فکر و خیال سے کامیاب مکالمہ نہیں کر سکے گا جس کے نتیجے میں ایک اعلیٰ پائے کا ہدفی متن تو دور کی بات ایک اوسط درجے کا ہدفی متن بھی نہیں وجود میں آپائے گا۔

"Poetics" کے اردو تراجم کے مترجمین نہ تو اپنی ذات کے اسیر دکھائی دیتے ہیں اور نہ ہی کسی علمی برتری کے غرور میں مبتلا ہیں، وہ تو ارسطو کی اس اہم تصنیف کو توجہ، محبت اور ذوق و شوق سے دیکھتے، پڑھتے اور سمجھتے ہیں اُن میں ایک طالب علمانہ انکسار، سنجیدگی اور دھیان نظر آتا ہے۔ وہ دورانِ مطالعہ بھی اور دوران ترجمہ بھی ابھی معروضیت، غیر جانبداری کا دامن تھامے رہتے ہیں۔ نہ کہیں تعصب کا شکار ہوتے ہیں اور نہ ہی

افراط و تفریط کا۔ یہ سائنسی رویہ اور اسلوب علمی متن کے ترجمے کی ضروری شرط ہے اور "Poetics" کے مترجمین اس شرط پر پورے اترتے ہیں۔

گزشتہ صفحات میں خاص طور پر ایک نکتے پر بات کی جاتی رہی ہے کہ "Poetics" کے اردو تراجم کو اردو زبان میں بطور اصل متن پڑھا جاتا ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ جب کوئی قاری ان تراجم کا مطالعہ کرتا ہے تو وہ اپنے دل میں یہ خیال نہیں لاتا کہ وہ کوئی ترجمہ شدہ متن پڑھ رہا ہے بلکہ وہ ارسطو کے افکار کی تفہیم کے لیے اسے اصل کتاب کے طور پر پڑھتا اور سمجھتا ہے اور دوران مطالعہ (کالجوں اور جامعات میں جہاں یہ کتاب شامل نصاب ہے) اس کے ترجمے کے پہلوؤں پر توجہ نہیں دی جاتی۔

اس کا سبب یہ ہے کہ ان تراجم میں قابل مطالعہ (Readable) ہونے کی خوبی بدرجۂ غایت موجود ہے۔ عزیز احمد کا ترجمہ ہو یا ڈاکٹر جمیل جالبی کا، شمس الرحمٰن فاروقی کا ترجمہ ہو یا ڈاکٹر محمد یٰسین کا، یہ تمام تراجم قابلِ مطالعہ ہیں۔ لیکن ایک بات ذہن میں رہے کہ "Poetics" نہ تو کوئی قصّے کہانی کی کتاب ہے اور نہ ہی عام دلچسپی کی کوئی ایسی کتاب ہے کہ جس کے مطالعے سے ہر قاری لطف اندوز ہو سکے۔ یہ کتاب یونان کے ایک نامور فلسفی و سائنس دان نے یونان کے اس عہد تک کے سارے ادب کے مطالعے، تجزیے اور تقابل کے بعد تحریر کی، جس میں یونانی مصنفین اور شعرا، اصناف اور کتب کا بکثرت ذکر ملتا ہے۔ اس کتاب کی تفہیم کے لیے یونانی ادب، تاریخ و تہذیب اور فلسفہ و تنقید سے ایک حد تک واقفیت ضروری ہے۔ اس پس منظری مطالعے کے بعد اگر "Poetics" کا مطالعہ کیا جائے تو یقیناً دلچسپی سے خالی نہیں بلکہ ارسطو کے افکار قدم قدم پر ہمیں گہری تنقیدی بصیرت اور علمی رہبری کرتے ہیں۔ اردو تراجم کی صورت میں ان کا مطالعہ بھی یکساں دلچسپی اور علم میں اضافے کا باعث ہے۔ لہٰذا قابل مطالعہ ہونا "Poetics" کے اردو تراجم کے اسلوب کا ایک قابل ذکر وصف ہے اور یہ وصف "Poetics" کے تمام تراجم میں مشترک ہے۔

علم و ادب اور فلسفہ و تنقید کی دنیا میں "Poetics" کو ایک مشکل کتاب تصور کیا جاتا ہے، جس کے دنیا کی ہر بڑی اور اہم زبان میں بے شمار تراجم ہوئے، شرحیں لکھی گئیں، مضامین و مقالات تحریر کیے گئے اور اس کے معنی و مفہوم کی وضاحت کرنے کی کوشش کی گئی، بقول عزیز احمد:

> "صحائف آسمانی اور شیکسپیئر کی تصانیف کے سوا شاید ہی کسی اور کتاب کی اس قدر تفسیریں لکھی گئی ہوں، جتنی ارسطو کی "بوطیقا" کی لکھی گئیں"۔ (۲۷)

وجہ صاف ظاہر ہے کہ ارسطو نے یونانی ادب کے تجزیے، تقابل اور تنقید سے اصول اخذ کیے، اصطلاحات وضع کیں، مروجہ اصطلاحات کو نئے معانی عطا کیے اور ادب و جمالیات کا ایک منظم و مربوط نظریہ وضع کیا۔ ان تمام امور کی تفہیم، تشریح، وضاحت اور تفہیم کے لیے یقیناً ایسی کتب، مضامین اور مقالات کی ضرورت محسوس ہوئی جو اس کتاب کی تفہیم میں مددگار ثابت ہو سکیں۔ دوسری طرف "Poetics" کے مترجمین نے بھی توضیحی اسلوب اپنایا۔ بوطیقا کے تراجم کا یہی اسلوب اس کے دقیق نکات، موضوعات اور اصطلاحات کی تفہیم کے لیے ناگزیر تھا۔ اس سے قاری و ناقد کو "بوطیقا" کے معانی و مفاہیم تک رسائی میں مدد ملتی ہے اور وہ ارسطو کی اس بنیادی اہمیت کی حامل تصنیف سے بہت روشنی حاصل کر سکتا ہے۔

"Poetics" کے اردو تراجم کے اسلوب کے تقابل سے یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے: سادگی، صفائی، سلاست اور روانی ان تراجم کی نمایاں مشترکہ خصوصیات ہیں، سبب اس کا یہ ہے کہ اردو زبان میں ہونے والے تراجم کے معیار کو بالعموم اسلوب اور زبان کے اعتبار سے انھیں خصوصیات کی کسوٹی پر پرکھا جاتا ہے اور مترجمین اپنے تراجم میں شعوری کوشش سے ایسا متن تحریر کرتے ہیں جس میں درجہ بالا اوصاف موجود ہوں۔ تراجم کی نوع چونکہ علمی متن ہے اس لیے ان میں مدعا کے ابلاغ کو بنیادی اہمیت دی گئی ہے، جس میں "Poetics" کے فاضل مترجمین کامیاب رہے ہیں۔ ترجمے کی ضروریات اور تقاضوں کو ہر مرحلے پر ملحوظِ خاطر رکھا گیا ہے۔ یہ تراجم مروجہ اردو زبان اور زندہ و رسیلی نثر کا عمدہ نمونہ ہیں۔ ان خصوصیات کے باوصف قاری کو ان کی خواندگی میں کسی قسم کی دقت کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔ لیکن یہاں اس نکتے کی بطور خاص وضاحت ضروری ہے کہ ارسطو کی "Poetics" کی تفہیم کے لیے قاری کا ایک حد تک صاحبِ علم ہونا ضروری ہے۔ بوطیقا فلسفہ و شعر، نظریۂ جمال اور یونانی ادب کے محاکے پر مبنی ایک بنیادی نوعیت کی مگر بے حد اہم کتاب ہے۔ لہٰذا اس کے ترجمے کا اسلوب جس منطقی ربط و ضبط، توازن، توضیحی انداز اور سلجھے ہوئے اسلوب کا تقاضا کرتا تھا، "Poetics" کے مترجمین نے اس کو پورا کیا اور بجا طور ارسطو کے افکار کو زندہ و توانا نثر کی صورت میں اردو دان طبقے کے سامنے پیش کیا ہے۔

تکنیک کا تقابل

"Poetics" کے ترجمہ شدہ متون میں تکنیک کے اشتراکات کا تقابل

تکنیک سے مراد کسی کام کو کرنے کا وہ مخصوص طریقہ یا انداز ہے جس کے لیے ہنر، صلاحیت یا تربیت درکار ہو۔ کرۂ ارض پر آباد ہونے کے بعد جب سے انسان نے علمی و فکری سرگرمیوں کا آغاز کیا، تب سے ہی اسے اپنے افکار و خیالات اور احساسات و جذبات دوسرے انسانوں تک منتقل کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی اور اس نے خیال کی ترسیل اور فکر کے ابلاغ کے لیے جو ذرائع ایجاد کیے اور مؤثر طریقے سے اپنائے، ان میں ایک ترجمہ بھی تھا۔ یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ ترجمے کی ضرورت، اہمیت اور افادیت نسل انسانی کے ارتقا کے اولین مراحل سے ہی محسوس کی جا رہی ہے اور تبھی سے اس مفید علمی سرگرمی پر انحصار جاری ہے، مگر ترجمے پر باقاعدہ مباحث کی تاریخ دو ہزار سال پر محیط ہے۔ سیسرو اور سینٹ جیروم نے سب سے پہلے ترجمے کے عمل اور سرگرمی پر فکری و فنی اعتبار سے اظہار خیال کیا ۔ اس ضمن میں بیسویں صدی کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ اس صدی کے دوسرے وسط میں ترجمے نے محض ایک دوسرے درجے کی علمی سرگرمی سے آگے بڑھ کر ایک باقاعدہ علمی مضمون کی صورت میں اپنی شناخت بنائی اور دنیا بھر میں اپنی اہمیت اور افادیت کے نئے زاویے متعارف کرائے۔ اب ہم ترجمے کی سرگرمی کو ایک حقیر، پسماندہ، ثانوی درجے کی اور خوشہ چینی پر مبنی سرگرمی قرار نہیں دیتے اور نہ ہی ترجمے کا ذکر تحقیر آمیز لہجے میں کرتے ہیں، بلکہ اب ترجمہ محض ایک سرگرمی ہی نہیں بلکہ علم کا ایک نیا، وسیع، ذرخیز اور کارآمد شعبہ (Discipline) ہے۔ جس کی اپنی دو ہزار سال پر محیط تاریخ، اپنے افکار و تصورات اور نظریات ہیں، جس کے اپنے تحقیقی نمونے (Research Models) ہیں، جس کا اپنا ایک منظم و مربوط فکری نظام ہے، جس کے اپنے تدریسی طریقے ہیں، جس کی اپنی حدود و قیود ہیں جو اس کو دوسرے علوم سے منفرد بھی کرتی ہیں اور ممتاز بھی۔ گزشتہ نصف صدی کے دوران اس علم نے دھماکہ خیز ترقی کی ہے اور دنیا کی اہم علمی مراکز اور قابل ذکر یونیورسٹیوں میں اس کے شعبے قائم ہو چکے ہیں، جن میں اس علم کے ارتقا اور افکار پر روزانہ کی بنیاد پر علمی کام ہو رہا ہے۔

پہلے جملے میں تکنیک پر بات کرنے کے بعد "علم ترجمہ" کی بحث چھیڑنے کا مدعا یہ تھا کہ آنے والے صفحات میں "Poetics" کے تراجم میں تکنیک کے اشتراک پر بحث ہو گی اور یہ بحث / مطالعہ و تحقیق، علم ترجمہ کے افکار و نظریات اور تصورات کی روشنی میں ہو گی۔ یہاں تراجم کے تجزیے اور تقابل کے ان نمونوں کو بروئے کار لایا جائے گا جو اس علم (علم ترجمہ / Translation Studies) کی عہد بہ عہد ترقیوں کا نتیجہ ہیں اور جن کی روشنی میں ترجمہ شدہ متون اور ان کے مابین اشتراکات کو بحسن و خوبی اور ٹھوس علمی و سائنسی اور تحقیقی بنیادوں پر سمجھا جا سکتا ہے۔

اس مرحلے پر ایک اہم نکتے کی صراحت ضروری ہے اور وہ یہ کہ "Poetics" کے زیر تحقیق متون میں تکنیک کے اشتراکات کے منظم و مربوط مطالعے کی غرض سے کسی ایک ماہر ترجمہ یا نظریہ ساز کی فکر سے روشنی حاصل کرنے اور اس کے تحقیقی نمونے کو اپنانے کے برعکس ایک امتزاجی نقطۂ نظر (Synthetic Approach) اپناتے ہوئے ان تمام نظریہ سازوں اور ماہرین کے افکار سے استفادہ کیا جائے گا جن کی بدولت "Poetics" کے ترجمہ شدہ متون میں مستور اشتراکات کھل کر سامنے آجائیں۔ اس ضمن میں اس امر کی صراحت ضروری ہے کہ محض کسی ایک تصور، نظریے یا نمونے کو اشتراکات نمایاں کرنے کی خاطر برتنے سے نہ صرف تحقیق یک رخی اور ادھورے پن کا شکار ہو جاتی ہے بلکہ بہت سی دیدہ و نادیدہ الجھنیں بھی جنم لے لیتی ہیں جو مطالعہ و تحقیق کو ضعف پہنچاتی ہیں۔ لہٰذا زیر مطالعہ متون پر تحقیق کے دوران ان تصورات اور نظریہ سازوں کی فکر کو بروئے کار لایا جائے گا جن سے تاریک گوشے منور ہوں، تمام تر اشتراکات کھل کر سامنے آئیں اور کوئی ابہام یا الجھن پیدا نہ ہو۔

"Poetics" کے زیر تحقیق متون میں تکنیک کے اشتراکات کی تلاش کے لیے سب سے پہلے تو اس بات کا تعین کر لینا ناگزیر ہے کہ زیرِ مطالعہ متون کس زمرے میں آتے ہیں، مغرب میں متون اور اسی بنا پر مترجمین کی درجہ بندی پر سب سے پہلے شلئر ماخر نے بات کی تھی۔ اس نے مترجمین کی دو قسمیں اس بنا پر بتائیں کہ وہ دونوں متون کی مختلف جہتوں پر کام کرتے ہیں:

۱۔ "ایسے مترجمین جو تجارتی متون کا ترجمہ کرتے ہیں۔

۲۔ ایسے مترجمین جو فنکارانہ اور عالمانہ متون کا ترجمہ کرتے ہیں۔ (۲۸)

شلئیر ماخر کا شمار علم ترجمہ کے علم (Translation Studies) کے ان قابل ذکر علما میں ہوتا ہے جن کے تصورات کی بنیاد پر بعد ازاں جدید دور کے علما نے مزید بات کی اور اس کے تصورات کو نئی صورت بخشی۔

ستر کی دہائی میں جرمن اسکالر کیتھرینہ رائس (s Katherina Ries) نے متن میں پائی جانے والی امتیازی خصوصیت کی بنا پر اس کی کچھ یوں ہر درجہ بندی کی:

۱۔ حقائق کا سادہ انداز میں ابلاغ:

اس نوع کے متن میں میں علم، معلومات یا آرا وغیرہ کی ترسیل شامل ہے۔ معلومات کی ترسیل کی غرض بے منطقی اسلوب کی حامل زبان استعمال کی جاتی ہے۔ مواد اور موضوع کے ابلاغ پر بطور خاص توجہ دی جاتی ہے اور متن کی قسم "معلوماتی" (Informative) ہوتی ہے۔

۲۔ **تخلیقی متن:**

تخلیقی متن میں مصنف زبان کا جمالیاتی پہلو بروئے کار لاتا ہے، ایسے متن میں مصنف اور صنف سخن نمایاں ہوتے ہیں اور متن کی قسم "تاثراتی" ہوتی ہے۔

۳۔ **عمل کی ترغیب دینے والا متن:**

اس متن کا مقصد قاری یا پیغام موصول کرنے والے کو کوئی خاص کام کرنے کی ترغیب دینا ہوتا ہے۔ اس نوع کے متن کی زبان مکالماتی ہوتی ہے اور اس کا مقصد خاص طرح کا تاثر پیدا کرنا ہوتا ہے۔ اس قسم کے متن کو "رائس"، "عملیاتی متن" کہتے ہیں۔

۴۔ **سمعی بصری ذرائع استعمال کرنے والا متن:**

اس قسم میں فلمیں، اشتہارات اور مناظر شامل ہیں جو دوسرے تین افعال میں بصری تصورات اور موسیقی کے ذریعے اضافے کرتے ہیں۔ (۲۹)

گویا کیتھرینہ رائس کے مطابق متن کو معلوماتی متن، تخلیقی متن، رد عمل کی ترغیب دینے والے متن اور سمعی بصری ذرائع استعمال کرنے والے متن میں تقسیم کیا جا سکتا۔ رائس متن کی ان چار اقسام کے ترجمے کے لیے الگ الگ حکمت عملیوں اور طریقوں سے بھی آگاہ کرتی ہیں۔ رائس کی متن کی درجہ بندی جسے جدید علم ترجمہ میں "Text Typology" سے موسوم کیا جاتا ہے۔ ترجمے کے جدید تصورات میں رائس کی متن کی درجہ بندی کا تصور کلیدی اہمیت کا حامل ہے۔

اردو زبان میں ترجمے پر نظریاتی مباحث مغرب کی ترقی یافتہ زبانوں انگریزی، جرمن، فرانسیسی، ہسپانوی اور اطالوی کی نسبت بہت کم دکھائی دیتے ہیں۔ ابھی ہماری زبان اردو میں ترجمے کے فن اور عمل کے حوالے سے یہ سب تصورات ابتدائی مرحلے سے آگے نہیں بڑھ پائے، تاہم اردو زبان میں بھی ترجمے کی درجہ بندی کا تصور موجود ہے۔

اس ضمن میں ڈاکٹر مرزا حامد بیگ رقم طراز ہیں کہ:

"جہاں تک ترجمے کی مختلف اقسام کا تعلق ہے، ان میں سے حسب ذیل بنیادی حیثیت رکھتی ہیں:

۱۔ علمی ترجمہ ۲۔ ادبی ترجمہ ۳۔ صحافتی ترجمہ "(۳۰)

ڈاکٹر فاخرہ نورین اپنی کتاب "ترجمہ کاری" میں تمام تراجم کو درج ذیل چار اقسام میں تقسیم کرتی ہیں:

۱۔ "علمی متن کا ترجمہ

۲۔ ادبی متن کا ترجمہ

۳۔ صحافتی متن کا ترجمہ

۴۔ مذہبی متن کا ترجمہ "(۳۱)

درجہ بالا درجہ بندیوں کے ذکر سے اس امر کی وضاحت کرنا مقصود ہے کہ متن کے ترجمے کے تجزیے، تقابل اور تنقید کے باب میں سب سے بنیادی چیز متن کی نوع کی شناخت ہے، کیونکہ ہر قسم کے متن کے لیے ترجمے کی ایک ہی تکنیک یکساں طور پر اور بلا امتیاز نہیں برتی جاسکتی ہے اور نہ ہی ایسا ممکن ہے۔ ہر طرح کا متن از خود مختلف طریقۂ ترجمہ اور تکنیک کا تقاضا کرتا ہے۔

درجہ بالا درجہ بندیوں کے تناظر میں جب "Poetics" کے ہدفی متون کو دیکھتے ہیں تو وہ شلیئر ماخر کے نزدیک "عالمانہ متن"، کیتھرینہ رائس کے نزدیک "معلوماتی متن"، مرزا حامد بیگ کے نزدیک "علمی ترجمے" اور ڈاکٹر فاخرہ نورین کے بیان کردہ "علمی متن کے ترجمے" کی ذیل میں آتے ہیں۔ اس لیے ان متون کے ترجمے کے لیے جان ڈرائیڈن کے تین اصولوں ا۔Metaphrase ۲۔ Paraphrase ۳۔ Imitation میں سے Metaphrase یعنی لفظ بہ لفظ اور سطر بہ سطر ترجمے کی تکنیک۔

کیتھرینہ رائس کی حکمت عملی کے مطابق سادہ اور حشو وزوائد سے پاک نثر میں ماخذ متن کے مواد کی ترسیل کی تکنیک۔ اسی طرح ڈاکٹر مرزا حامد بیگ نے بھی متون کی اقسام کی بنا پر ترجمے کی تین راہوں یا تکنیکوں کا تذکرہ کیا ہے۔

" ا۔ لفظی ترجمہ ۲۔ آزاد ترجمہ ۳۔ معتدل ترجمہ "(۳۲) جن میں سے "" کے تراجم کے لیے پہلی یعنی " لفظی ترجمے " کی تکنیک برتی جائے گی۔

ایک بہت اہم اور کامیاب نمونہ (Model) جس سے بوطیقا کے تراجم کی تکنیک کے تقابل میں مدد مل سکتی ہے وہ وے (Vinay) اور ڈار بلنٹ (Darbelnet) کا نمونہ ہے۔ ان دو علما نے اپنا نمونہ دراصل انگریزی اور فرانسیسی زبانوں کے اسلوبیاتی تجزیے کی خاطر وضع کیا تھا، لیکن یہ اس قدر مفید اور اہم ہے کہ ہم اردو اور انگریزی ترجمے کے تقابل میں بھی اسے بخوبی عمدہ نتائج کے حصول کے لیے بروئے کار لایا جاسکتا ہے۔

وِنے اور ڈار بلنٹ نے ترجمے کے دو طریقے بتائے:

۱۔ Direct Translation (براہ راست ترجمہ)

۲۔ Oblique Translation (بالواسطہ ترجمہ)

براہ راست ترجمہ دراصل لفظی ترجمے کا مترادف اور متبادل ہے جبکہ بالواسطہ ترجمہ "آزاد ترجمہ" کی ذیل میں آتا ہے۔

براہ راست ترجمہ (Direct Translation) تین حکمت عملیوں پر محیط ہے، جن میں (۱) مستعار الفاظ (۲) ترجمہ شدہ مستعار لفظ (۳) لغوی ترجمہ شامل ہے۔

لیکن وِنے اور ڈار بلنٹ کے خیال کے مطابق جہاں براہ راست یا لفظی ترجمہ ممکن نہ ہو وہاں بالواسط (Oblique Translation) ترجمہ کیا جائے جو مزید چار حکمت عملیوں پر مشتمل ہے۔

i۔ "ٹرانسپوزیشن

ii۔ ماڈیولیشن

iii۔ مساویت

iv۔ ترمیم"(۳۳)

درجہ بالا اصولوں، تکنیکوں اور نمونوں کی روشنی میں اب "Poetics" کے اردو تراجم کے مابین تکنیک کے اشتراک کا سراغ لگانے کی کوشش کی جائے گی۔ اس ضمن میں "Poetics" کے ہر مترجم کے اردو ترجمے کے فقط دو کلیدی اقتباسات لے کر ان کا تجزیہ و تقابل کر کے نتائج کا استخراج کیا جائے گا۔

سب سے پہلے عزیز احمد کے ترجمے "فنِ شاعری" کے ماخذ متن کا ہدفی متن سے تقابل کیا جاتا ہے:

"Epic poetry, Tragedy, comedy, dithyrambics, as also, for the most part, the music of flute and of the lyre all these are in the most general view of them, imitations, differing however, from each other in three respects, according to the different means,

"رزمیہ شاعری، ٹریجیڈی (المیہ) کامیڈی (طربیہ) بھجن اور اسی طرح بانسری اور جنگ کے راگ، اگر آپ بالکل عام نقطۂ نظر سے دیکھیے تو یہ سب نقلیں ہیں۔ پھر بھی یہ تین لحاظوں سے ایک دوسرے سے مختلف ہیں اور وہ اس

the different objects or the different Mannar of their imitation".(35)	طرح سے کہ ان کے نقل کرنے کے ذریعے مختلف ہیں، موضوع مختلف ہیں، اور طریقے مختلف ہیں"۔(۳۴)

درجہ بالا انگریزی اور اردو اقتباسات کا تقابل بتاتا ہے کہ مترجم نے دورانِ ترجمہ لفظی ترجمے (ڈرائیڈن) کے (Metaphrese)، ونے اور ڈرابلنٹ کے (Direct Translation) اور مرزا حامد بیگ کے مطابق لفظی ترجمے اور فاخرہ نورین کے نزدیک علمی متن کے ترجمے کی راہ پر اپناتے ہوئے جو سب دراصل لفظی ترجمے کی ہی صورتیں ہیں ہر انگریزی لفظ (جو زیر تحقیق متن کی ماخذ زبان ہے) کے مقابل اردو مقابل اور مترادف فراہم کرنے کی کوشش کی ہے۔

اس ترجمے میں مترجم ماخذ متن سے اس حد تک وابستہ اور وفادار ہے کہ وہ دورانِ ترجمہ ماخذ متن سے سرِ مو انحراف نہیں کرتا۔

مترجم دونوں ماخذ زبان اور ہدفی زبان پر چونکہ مکمل مہارت رکھتا ہے، اس لیے وہ دوران ترجمہ ابہام سے بچ کر ابلاغ کے عمل کو آسان بنانے کی سعی کرتا ہے۔

اسی طرح تھامس ٹوائنگ (Thomas Twining) کے انگریزی متن کے اردو ترجمے کا ایک اور کلیدی اقتباس جس میں ارسطو المیہ کی تعریف اور مقصد سے بحث کرتا ہے، پیش خدمت ہے:

"Tragedy, then is an imitation of some action, that is important entire, and of a proper magnitude by language embellished and rendered pleasurable, but by different means in different parts in the way not of narration, but of action. affecting through pity and terror the correction and refinement of such passions".(37)	"ٹریجڈی نقل ہے کسی ایسے عمل کی جو اہم اور مکمل ہو اور ایک مناسب عظمت (طوالت) رکھتا ہو، جو مزین زبان میں لکھی گئی ہو، جس سے حظ حاصل ہوتا ہو، لیکن مختلف حصوں میں مختلف ذریعوں سے، جو درد مندی اور دہشت کے ذریعے اثر

کر کے ایسے ہیجانات کی صحت اور
اصلاح کرے"۔ (۳۶)

درج بالا اقتباس اپنی اہمیت، افادیت اور معنویت کی بنا پر نہ صرف "Poetics" کا مرکزی اقتباس ہے بلکہ اس اقتباس کو "المیہ" (Tragedy) کی تفہیم کے لیے "کلید" کا درجہ حاصل ہے۔ درجہ بالا اقتباس بھی (Metaphrase) یعنی لفظی ترجمے، براہ راست ترجمے یا لفظ بہ لفظ ترجمے کی واضح مثال ہے۔

یوں ہمیں عزیز احمد کے "Poetics" کے اردو ترجمے "فنِ شاعری" میں لفظی ترجمے کی تکنیک کا استعمال دکھائی دیتا ہے۔ مترجم نے دورانِ ترجمہ از اوّل تا آخر اسی تکنیک کو بروئے کار لایا ہے اور ہر انگریزی متن کے لفظ کا اردو مترادف، مماثل یا متبادل ڈھونڈنے اور استعمال کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس حوالے سے تھامس ٹوائنگ کی کتاب "Aristotle's Poetics" (جس کی بنیاد پر عزیز احمد نے اپنا اردو ترجمہ پیش کیا ہے) کا کوئی جملہ، اقتباس یا باب اٹھا کر دیکھ لیجیے اور اس کا باریکی سے تجزیہ کر لیجیے، ہر لفظ، سطر، جملے اور باب میں لفظی ترجمہ ہی روبہ عمل دکھائی دے گا۔

اس نقطے کی مزید وضاحت کی خاطر بطور مثال اور حوالہ درج کیے گیے پہلے اقتباس کا مزید باریکی سے اور لفظ بہ لفظ تجزیہ و تقابل ملاحظہ کیجیے:

"رزمیہ شاعری	Epic Poetry,
ٹریجڈی (المیہ)	Tragedy,
کامیڈی (طربیہ)	Comedy,
بھجن	dithyrambics,
اسی طرح	as also,
یہ سب	for the most part,
راگ	the music
کے	of
بانسری	flute
اور	and
چنگ کے	of the lyre-

یہ سب	all these
ہیں	are,
	in
بالکل عام نقطہ نقطہ	In the most general view of them,
نقلیں	imitations;
مختلف	differing
پھر بھی	however,
ایک دوسرے سے	from each other
تین	in three
لحاظوں	respects,
کے مطابق	according to
مختلف ذریعے	different means,
مختلف موضوع	the different objects,
یا	or,
مختلف طریقے	The different manners
کے	of
ان کی	their
نقل	imitation

درجہ بالا ترجمے میں اردو کے متبادل اور مترادف الفاظ کو یکجا کرنے اور ترتیب سے درج کرنے یہ صورت بنتی ہے:

"رزمیہ شاعری" ، ٹریجڈی، کامیڈی، بھجن اور اسی طرح بانسری اور جنگ کے راگ، اگر آپ بالکل عام نقطۂ نظر سے دیکھیے تو یہ سب نقلیں ہیں۔ پھر بھی یہ تین لحاظوں سے ایک دوسرے سے مختلف ہیں، اور وہ اس طرح سے کہ ان کے نقل کرنے کے ذریعے مختلف ہیں، موضوع مختلف ہیں، اور طریقے مختلف ہیں"۔ (۳۸)

عزیز احمد کے ترجمے کے ماخذ متن سے تقابل اور اس کے نتیجے میں سامنے آنے والی "لفظی ترجمے" کی تکنیک کے مطالعے کے بعد زمانی اعتبار سے دوسرے نمبر شائع ہونے والے ڈاکٹر جمیل جالبی کے ترجمے "بوطیقا" کا تجزیہ و تقابل کیا جاتا ہے۔

ڈاکٹر جمیل جالبی نے "Poetics" کا ترجمہ ٹی۔ ایس۔ ڈورش (T.S. Dorsch) کے انگریزی ترجمے "Aristotle on the Art of Poetry" کو بطور ماخذ متن (S.T) بناتے ہوئے کیا۔

ڈاکٹر جمیل جالبی کا اردو ترجمہ بھی لفظ بہ لفظ ترجمے کی مثال پیش کرتا ہے" Aristotle on the Art of Poetry" کے اردو ترجمے کے دوران ڈاکٹر جمیل جالبی نے بھی عزیز احمد کی طرح یہی کوشش کی کہ ماخذ متن (S.T) کے ہر لفظ کا اردو متبادل فراہم کیا جائے اور جہاں یہ اردو مترادف یا متبادل دستیاب نہ ہو یا میسر نہ آسکے وہاں ماخذ متن (S.T) کا لفظ ہی مستعار لے کر کام چلا لیا جائے۔

عزیز احمد اور ڈاکٹر جمیل جالبی کے اردو تراجم میں تکنیک کا اشتراک جاننے کی خاطر ضروری ہے کہ ڈاکٹر جمیل جالبی کے ترجمے کے اردو متن کا ماخذ متن (S.T) کے کلیدی اقتباسات کی روشنی میں تقابل کیا جائے۔ اس ضمن میں بہتر نتائج کے حصول اور یکسانیت برقرار رکھنے کی خاطر ڈاکٹر جمیل جالبی کے اردو ترجمے اور ماخذ انگریزی متن کے انھیں اقتباسات کا انتخاب کیا گیا جو عزیز احمد کے ترجمہ کی تکنیک کے مطالعے کے دوران منتخب کیے گئے تھے۔

جیسا کہ گزشتہ سطور میں بتایا گیا کہ ڈاکٹر جمیل جالبی نے بھی لفظی ترجمے کی تکنیک برتی ہے لہٰذا ماخذ و ہدفی متون متوازی طور پر رکھ کر تقابل پیش کیا جاتا ہے۔

اردو ترجمہ	انگریزی متن
"ایپک شاعری	Epic Poetrey
اور ٹریجک شاعری	and Tragic Poetry,
کامیڈی بھی	Comedy too,
غنائی شاعری	Dithyrambic Poetry,
زیادہ تر وہ موسیقی	and most music
ترتیب دی جاتی ہے	composed for
بانسری	the flute

and the lyre,	اور لائر
Can be described	کیا جا سکتا ہے
in general terms,	عام الفاظ میں
as forms of	صورتیں ہیں
imitation	نقل
or representation	نمائندگی
However	مگر
they	یہ
differ	مختلف ہیں
from one another	ایک دوسرے سے
in three respects:	تین باتوں میں
either	یا
in using	استعمال کرتی ہیں
different	مختلف
media	ذرائع
for	کے لیے
the representation	نمائندگی
or	یا
Representing	نمائندگی کرتی ہیں
different things	مختلف چیزوں کی
or	یا
in representing	نمائندگی کرتی ہیں
them	ان کی
in entirely	بالکل ہی

مختلف different

طریقوں سے" way

درجہ بالا اقتباس کا انگریزی متن ترتیب سے نقل کیا گیا ہے۔ اب اس کا اردو ترجمہ ترتیب سے کچھ یوں ہو گا:

"ایپک اور ٹریجک شاعری، کامیڈی بھی اور غنائی شاعری اور زیادہ تر وہ موسیقی جو بانسری اور لائر کے لیے ترتیب دی جاتی ہے--- ان سب کے بارے میں عام الفاظ میں کہا جاسکتا ہے کہ سب کی سب نقلیں یا نمائندگی کی صورتیں ہیں۔ مگر یہ ایک دوسرے سے تین حوالوں سے مختلف ہیں یا تو یہ نمائندگی کے لیے مختلف ذرائع استعمال کرتی ہیں یا مختلف چیزوں کی نمائندگی کرتی ہیں یا ان کی نمائندگی بالکل ہی مختلف طریقوں سے کرتی ہیں"۔ (۳۹)

اس مثال سے واضح ہوتا ہے کہ "Poetics" کے ترجمے کے دوران ڈاکٹر جمیل جالبی بھی لفظی ترجمے Metaphrase اور "ونے اور ڈاربلنٹ" کے نمونے کے مطابق براہ راست ترجمہ (Direct Translation) کی تکنیک اپناتے ہیں اور ماخذ متن کی سختی سے پیروی کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ اس ضمن میں دوسری مثال جو کہ "Poetics" کا مرکزی اقتباس ہے، پیش کیا جاتا ہے۔

پہلے ٹی۔ ایس ڈویس کا انگریزی متن اور پھر ساتھ ہی ڈاکٹر جمیل جالبی کا اردو ترجمہ ملاحظہ کیجیے:

اردو ترجمہ	انگریزی
"ٹریجیڈی ایسے عمل کی نقل یا نمائندگی ہے جو سنجیدہ توجہ کے لائق ہو۔ وہ اپنی جگہ مکمل بھی ہو اور کچھ وسعت بھی رکھتی ہو۔ ایسی زبان میں ہو جو فنی صنائع سے معمور ہو اور ڈرامے کے مختلف حصوں کے مناسب ہو۔	"Tragedy then, is a representation of an action that is worth serious attention, complete in itself, and of some amplitude; in language enrich by variety of artistic devices appropriate to the several parts of the play; presented in the form of action not of narration; by means

یہ عمل کی شکل میں پیش کی گئی ہو اور افسانے کی طرح بیان نہ کی گئی ہو۔ خوف اور ترس کے ذریعے ایسے جذبات کا تزکیہ بھی کرتی ہو"۔(۴۰)

of pity and fear bringing about the purgation of such emotions".(4)

ماخذ متن اور ہدفی متن کے درجہ بالا اقتباسات کا ایک ساتھ مطالعہ اس امر کو روز روشن کی طرح عیاں کر دیتا ہے کہ یہ اقتباس بھی لفظی ترجمے کی ایک صاف، واضح اور نمائندہ مثال ہے۔ اور اس امر میں اب کوئی ابہام باقی نہیں رہا کہ ڈاکٹر جمیل جالب، ٹی۔ ایس ڈورش کے انگریزی متن "Aristotle on the Art of Poetry" کو اردو زبان میں ترجمہ کرنے کے دوران "Metaphrase" اور Direct Translation کی تکنیک استعمال کی، گزشتہ سطور میں عزیز احمد کے ترجمے کے تفصیلی تجزیے سے بھی اسی تکنیک کے استعمال کا سراغ ملا ہے۔

یوں عزیز احمد اور ڈاکٹر جمیل جالبی کے تراجم کے تفصیلی تجزیے سے "Poetics" کے دونوں مترجمین کی تکنیک کا اشتراک واضح ہوا۔

"Poetics" کا وہ تیسرا ترجمہ شمس الرحمٰن فاروقی نے ۱۹۷۶ء میں مکمل کیا۔ زمانی اعتبار سے بھی "Poetics" کا تیسرا ترجمہ ہے۔ اب اس امر کا سراغ لگانے کے لیے کہ شمس الرحمٰن فاروقی نے "Poetics" کے اردو ترجمے کے دوران کون سی تکنیک بروئے کار لائی اور یہ تکنیک "Poetics" کے دیگر مترجمین کی تکنیک سے کس حد تک مماثلت رکھتی ہے۔ شمس الرحمن فاروقی کے ترجمے "شعریات" کا اقتباس تجزیہ و تقابل کیا جاتا ہے:

شمس الرحمن فاروقی کا اردو ترجمہ

لفظی اور ترجمہ	انگریزی متن
"رزمیہ شاعر ہو یا	Epic Poetry, and
المیہ	Tragedy,
یا طربیہ	comedy also
اور	and
پرجوش خرابی کورس	Dithyrambic Poetry

اور نغمے	and the music
بانسری کے	of the flute.
یا	and
بربط کے	of the Lyre
اکثر ہیئتوں میں	in most of their forms.
سب کے سب اپنی عمومی	are all in their general
صورت میں	conception
نمائندگی یا ترجمانی کے طریقے	modes of imitation
یہ	They
مختلف	Differ
باہم	however
ایک دوسرے سے	from one another
تین بنیادوں پر	in three respects.
ذرائع	the medium
وہ اشیاء جن کی نمائندگی کی جائے	the objects
اور وہ طریقہ جو نمائندگی کے لیے اختیار کیے جائیں	the manner
(کوئی متبادل لفظ نہیں)	modes of imitation
ایضاً	being in each case
ایضاً"	district.

شمس الرحمٰن فاروقی کے ہدفی متن (S.T) کے اس اقتباس کو ترتیب سے یوں پیش کیا جاتا ہے:

"رزمیہ شاعری ہو یا المیہ یا طربیہ یا پرجوش شرابی کورس، اور اکثر ہیئتوں میں بانسری کے نغمے ہوں یا بربط کے، یہ سب کی سب اپنی عمومی صورت میں نمائندگی یا ترجمانی کے طریقے ہیں۔ لیکن یہ تین بنیادوں پر ایک دوسرے سے مختلف بھی ہیں۔ یعنی

نمائندگی کے ذرائع، وہ اشیا جن کی نمائندگی کی جائے اور وہ طریقے جو نمائندگی کے لیے اختیار کیے جائیں"۔ (۴۲)

اس اقتباس کا تجزیہ و تقابل یہ ظاہر کرتا ہے کہ شمس الرحمٰن فاروقی نے بھی ایس۔ ایچ بچر (S.H. Butcher) کی "Poetics of Aristotle" کے ترجمے کے دوران گزشتہ سطور میں زیر بحث آنے والی لفظی ترجمے کی تکنیک ہی استعمال کی ہے۔ اس ضمن میں شمس الرحمٰن فاروقی کی اردو ترجمے کی تکنیک کی مزید صراحت، تقابل اور تجزیے کی خاطر "Poetics" کا ایک اور اقتباس بطور مثال اور حوالہ پیش کیا جا سکتا ہے۔

"لہٰذا المیہ ایک ایسے عمل کی نمائندگی ہے جو سنجیدہ، توجہ کے لائق، بذات خود مکمل اور ایک خاص حجم کا حامل ہو، اس کی زبان ہر طرح کے صنائع بدائع سے مزین ہوتی ہے جو ڈرامے کے مختلف حصوں میں ان کی مناسبت سے استعمال ہوتے ہیں۔ اس کی ہیئت بیانیہ نہیں بلکہ عملیہ ہوتی ہے اور یہ درد مندی اور خوف کے ذریعے ان جذبات کی اصلاح اور مناسب تنقیہ کرتا ہے"۔ (۴۳)

"Tragedy, then, is an imitation of an action that is serious complete and of a certain magnitude;
in language embellished with each kind of artist ornament the severeal kinds being found in separate parts of the play;
in from of action, not of narration; through pity and fear affecting the proper purgation of these emotionss". (44)

شمس الرحمٰن فاروقی کے اردو ترجمے "شعریات" کا درجہ بالا ترجمہ اور اس کا انگریزی متن سے تقابل اس دلیل کو مزید مستحکم کرتا ہے کہ شمس الرحمٰن فاروقی نے "Poetics" کے دیگر مترجمین، عزیز احمد اور ڈاکٹر جمیل جالبی کی طرح لفظی ترجمے کی تکنیک استعمال کی ہے۔ یوں درجہ بالا مطالعے سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے کہ "Poetics" کے ترجمے کی تکنیک کے حوالے سے عزیز احمد ڈاکٹر جمیل جالبی اور شمس الرحمٰن فاروقی میں مماثلت اور اشتراک موجود ہے۔ (۴۵)

"Poetics" تنقید کی پہلی باقاعدہ، ضابطہ اور مربوط کتاب ہے۔ اس کا مصنف ارسطو اس کتاب میں قدیم و معاصر یونانی ادب اور خصوصاً ٹریجیڈی / المیہ کو زیر بحث لا کر ایک طرف تو اس کی تعریف متعین کرتا

ہے، اس کے عناصر ترکیبی بتاتا ہے اور ساتھ ہی المیہ نگار کو کچھ ہدایات بھی دیتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ رزمیہ شاعری کا بھی سرسری جائزہ لے کر اصول اخذ کرتا ہے۔ ارسطو کی اس تصنیف میں نہ افسانہ طرازی ہے اور نہ ہی قصّہ گوئی، ارسطو نے اس تصنیف میں نہ کوئی زبان وبیان کے جوہر دکھائے ہیں اور نہ اپنی انشاپردازی کی جھلک دکھائی۔ اس نے فقط ادب کا مطالعہ، تجزیہ، محاکمہ، تقابل کر کے اصول سازی کی ہے اور یقیناً اس دوران اپنی فکر وخیال کا مستقیم انداز میں ابلاغ اس کا اولین مقصد رہا ہو گا۔ لہٰذا ارسطو کی "Poetics" کو ترجمہ کرنے کے دوران بھی زبان کی اسی درجہ صفائی، صحت اور قطعیت کی ضرورت تھی، جو اس کے مصنف کے پیشِ نظر رہی۔

یوں اس نوع کے متن میں ماخذ متن کے مواد کی مکمل تفہیم اور ہدفی متن میں اس کی اس طرح منتقلی کے ہدفی زبان کا قاری اس متن سے مستفید بھی ہو سکے اور الجھن میں بھی مبتلا نہ ہو، اس نوع کے متن کے ترجمے کا بنیادی مقصد ہوتا ہے۔

کیتھرینہ رائس (Katherina Riess) جس کی متن کی درجہ بندی (Text Typology) گزشتہ سطور میں زیر بحث لائیں گئی وہ بھی "معلوماتی متن" کے ترجمے کے لیے طریقہ کار کا احاطہ کچھ یوں کرتی ہیں:

> "ایک معلوماتی متن کی زبان کو ماخذ متن کے مکمل تصوراتی مواد/معلومات کو منتقل کرنا چاہیے۔ ترجمہ حشو وزوائد سے پاک اور سادہ نثر میں ہونا چاہیے اور ضرورت پڑنے پر بات کی صراحت بھی کر دینی چاہیے"۔ (۴۶)

درجہ بالا تراجم میں مترجمین کے پیش نظر سب سے اہم بات یہی تھی کہ وہ "Poetics" کی فکر کا ابلاغ کر سکیں۔ اس کے لیے مترجمین کی لفظی ترجمے (Metaphrase) یا براہ راست ترجمے کی تکنیک کو موزوں و مناسب اور موثر قرار دیا جاسکتا ہے لیکن اس کا انحصار اس بات پر بھی ہے کہ مترجم نے ابلاغ کے مقصد کے حصول کے لیے کس درجہ محنت کی اور اس نے "Poetics" کے کلیدی الفاظ، تراکیب اور خصوصاً اصطلاحات کو کس ڈھنگ سے اردو زبان کا روپ عطا کیا۔

کیونکہ "Poetics" کے تراجم ونے ڈار بلنٹ (Viney and Darbelent) کی درجہ بندی کے مطابق براہ راست ترجمے کی ذیل میں آتے ہیں، اور براہِ راست ترجمہ تین حکمت عملیوں کا احاطہ کرتا ہے:

۱۔ Borrowing (مستعار الفاظ)

۲۔ Calque (ترجمہ شدہ مستعار الفاظ)

۳۔ Literal Translation (لفظی یا لغوی ترجمہ)

جس کی تفصیل کچھ یوں ہے:

۱۔ مستعار الفاظ (Borrowing)

ونے اور ڈار بلنٹ کے مطابق اس تکنیک کے ذریعے ماخذ زبان کا لفظ ہدفی زبان (S.T) میں براہ راست منتقل کیا جاتا ہے۔ اس کا سبب یہ ہوتا ہے کہ مترجم کو دورانِ ترجمہ ہدفی زبان کا کوئی ایسا موزوں و مناسب لفظ میسر نہیں آتا جو معنی و مفہوم کی منتقلی کا ذریعہ بن سکے تو وہ غلط یا غیر موزوں لفظ کے انتخاب سے بچنے کی خاطر ماخذ زبان کا لفظ استعمال کرتا ہے۔ اس سے ہدفی زبان کے ذخیرہ الفاظ میں وسعت پیدا ہوتی ہے اور ہدفی زبان ترجمے کے ذریعے مائل بہ ارتقار ہتی ہے۔

"Poetics" کے تمام مترجمین نے ماخذ زبان سے الفاظ و اصطلاحات مستعار لی ہیں۔

عزیز احمد نے اپنے ترجمے "فن شاعری" میں ٹریجیڈی، کامیڈی، آئمبی، Dran، Prattion، ٹروکی، پرولوگ، اے پی سوڈ، اکسوڈ، کورس، اسٹاسی مون اور کوموس بطور مستعار الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔

۲۔ ڈاکٹر جمیل جالبی کے ترجمے "بوطیقا" میں بھی عزیز احمد کی مانند مستعار الفاظ و اصطلاحات بکثرت دکھائی دیتے ہیں۔ انھوں نے کامیڈی، ٹریجیڈی، ایپک، ایپک شاعری، سائکلوپس، آئمبک، فیلک گیت، آئمبس، ڈران، پراٹین، میٹرک، ٹروکی، ٹیٹرامیٹر، ہیکسامیٹر، لائر، کورس، پرولوگ، ایکسوڈ، کورس گیت، اپی سوڈ، کومائے، اسٹاسی مون اور، ٹریجک کو بطور مستعار الفاظ و اصطلاحات ماخذ متن (S.T) سے لیا ہے۔

شمس الرحمٰن فاروقی کے "Poetics" کے ترجمے میں گو مستعار الفاظ و اصطلاحات کی شرح دیگر مترجمین سے کم ہے لیکن وہ دوسرے مترجمین سے اس حد تک مائل ضرور ہیں کہ انھوں نے بھی اپنے ترجمے کے دوران بعض الفاظ و اصطلاحات مستعار لی ہیں، مثال کے طور پر، کورس، سائکلوپ، آئمب، ڈرین، پرٹین، ٹروکی، کومائے وغیرہ۔

ڈاکٹر محمد یٰسین کے اردو ترجمے "کتاب الشعر" میں مستعار الفاظ کی مثالیں دیکھیے:

کورس، اکسوڈ، آئمبی، ہیکسامیٹر

یوں براہ راست ترجمے (Direct Translation) کی پہلی حکمت عملی "مستعار الفاظ" کے حوالے سے "Poetics" کے تمام مترجمین میں اشتراک دیکھا جاسکتا ہے / موجود ہے۔

ونے اورڈار بلنٹ کی براہِ راست ترجمے کی دوسری حکمت عملی ترجمہ شدہ مستعار الفاظ ہیں، جن کے لیے وہ "Calque" کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں۔ "Calque " سے مراد ماخذ زبان (S.L) کے الفاظ و اصطلاحات کا ترجمہ کر کے انہیں ہدفی زبان (T.L) میں منتقل کرنا ہے۔ اردو زبان کے تراجم میں ہمیں کلیدی الفاظ اور اصطلاحات کے ترجمے میں یہ دونوں حکمتِ عملیاں بدرجۂ غایت دکھائی دیتی ہیں۔ الفاظ اور خصوصاً اصطلاحات کے معاملے میں بطورِ خاص یہ رجحان موجود ہے کہ اصطلاح کا موزوں ترین اور برمحل ترجمہ کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

"Poetics" کے زیرِ مطالعہ متون میں بھی ہمیں کلیدی الفاظ و اصطلاحات کے ترجمے اور ان کا موزوں مترادف تلاش کرنے کا رجحان غالب دکھائی دیتا ہے۔ اس ضمن میں عزیز احمد کے ترجمے "فنِ شاعری" میں "Calque" کی مثالیں دیکھیے: نقل، بھجن، نقالی، ماہر طبیعیات، قصیدے، ہجویں، شہوانی گیت، بیانیہ، خوف، دردمندی، مکالمہ، آغاز، درمیان، انجام، دریافت، حزنیہ، نقل، مداخلت غیبی، مشین کا دیوتا اور سوقیانہ پن وغیرہ۔ ایسی مثالیں بکثرت موجود ہیں، لیکن طوالت سے بچنے کی خاطر فقط انھیں مثالوں پر اکتفا کیا گیا ہے۔

ڈاکٹر جمیل جالبی کے "Poetics" کے ترجمے "بوطیقا" میں ترجمہ شدہ مستعار الفاظ کی صورت کچھ یوں ہے:

> "غنائی شاعری، نمائندگی، نقل، وزن، بحر، فطری فلسفی، حمد ، قصیدے، طنزیے، پلاٹ کا اتحاد، آفاقی صداقتیں، یقینی واقعات، قرین قیاس واقعات، ہاتف غیبی، قابل فہم، پامال وعامیانہ وغیرہ۔ یہاں بھی ترجمہ شدہ مستعار الفاظ کی فہرست خاصی طویل ہے۔ لیکن مثالیں محض دوسرے مترجمین سے اشتراکات دکھانے کے لیے محدود پیمانے پر ہی نقل کی گئی ہیں"۔

شمس رحمٰن فاروقی کے ترجمے " شعریات " میں بھی ترجمہ شدہ مستعار الفاظ کی کثرت دکھائی دیتی ہے۔ کچھ مثالیں بطور نمونہ درج کی جاتی ہیں:

> "پرجوش شرابی کورس، رزمیہ شاعری، المیہ شاعری، آہنگ، بحر، سوانگ، رثائی شعرا، ماہر طبیعیات، نمائندگی کے ذرائع، دیوتاؤں کی حمد، طنزیات، نقلی چہرہ، چار رکنی ٹروکی، مسدس الارکان بحر، تنقیہ، صنائع بدائع سے مزین زبان، اسٹیج کاری، آبی

گھڑی، منظری پلاٹ، تبدیلی حال، آغازیہ، بے منظر گیت، سنگیت کا پہلا کلام، مخصوص گیت، المیاتی عیب، مشینی لطیفہ غیبی، ملوک الکلام، پیچیدہ المیہ، دردناک المیہ، تحت الثریٰ، رطوریقا، پیش پا افتادہ اور نومی نظمیں"۔

ڈاکٹر محمد یٰسین اردو ترجمے "کتاب الشعر" میں ترجمہ شدہ مستعار الفاظ کی مثالوں کی کثرت ہے۔ مثال کے طور پر رزمیہ، المیہ، طربیہ، سرور کے نغمے، ہجو نگار، خوف، رحم، تزکیہ، پلاٹ، کردار، آرائش، انکشاف، گردش، غصہ در غصہ، انقلاب، افتیاحیہ حصّہ، واقعہ، المیہ نگار، الجھاؤ، سلجھاؤ، حل، سادہ المیہ، پیچیدہ المیہ، اخلاقی المیہ، المناک المیہ وغیرہ"۔

شمس الرحمٰن فاروقی بھی بڑے پیمانے پر "Calque" کی حکمت عملی کا استعمال کرتے ہیں۔ اس ضمن میں عزیز احمد اور ڈاکٹر جمیل جالبی کے ساتھ ساتھ شمس الرحمٰن فاروقی کے ہاں بھی "calque" کا رجحان (اور وہ بھی غالب سطح پر) "Poetics" کے ان مترجمین کے ترجمے کی تکنیک میں اشتراک کا بین ثبوت ہے۔

۳۔ لغوی یا لفظی ترجمہ جسے "ونے اور ڈار بلنٹ" کے ماڈل میں "Literal Translation" کہا گیا، براہ راست ترجمے کی تیسری حکمتِ عملی ہے۔ اس سے مراد ماخذ زبان کے ہر لفظ کی جگہ ہدفی زبان میں معنوی لحاظ سے قریب ترین مماثل یا مترادف تلاش کرنا ہے۔

گزشتہ سطور اور خاص طور پر دوسرے باب میں اس حوالے سے تفصیلی مطالعے اور تجزیے کے بعد یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ "Poetics" کے مترجمین نے اپنے تراجم میں لفظی ترجمے کی تکنیک برتی ہے اور اس حوالے سے اب کوئی ابہام باقی نہیں رہا کہ "Poetics" کے مترجمین نے لفظی ترجمہ کی تکنیک بروئے کار لائی ہے اور اس حوالے سے تمام مترجمین میں اشتراک موجود ہے۔

انگریزی زبان سے اردو میں ترجمے کے دوران مترجم کے لیے ایک مشکل ہے اور پیچیدہ مسئلہ مغربی علما، مصنفین، شعرا اور فلسفیوں کے ناموں کی اردو زبان میں منتقلی کا ہے۔ اس حوالے سے ڈاکٹر مرزا حامد بیگ کی درجہ ذیل رائے دیکھیے:

> "اس باب میں ضرورت اس بات کی ہے کہ سب سے پہلے مترجم انگریزی اسمائے اشخاص کو ترجمہ کرتے وقت اس کا صحیح تلفظ معلوم کریں اور یہ دیکھیں کہ ہماری زبان اس تلفظ کی متحمل ہو سکتی ہے کہ نہیں۔ اگر ایسا ممکن ہے تو اصل تلفظ سے بڑھ کر کیا اچھائی ہو گی لیکن اگر ایسا ممکن نہیں تو قطع و برید میں تکلف نہ برتیں"۔ (۴۷)

اردو زبان میں مغربی اہل قلم کے ناموں کی منتقلی کے دو رجحانات پائے جاتے ہیں، پہلا رجحان یہ ہے کہ نام کو اردو زبان کے مزاج کے مطابق ڈھال دیا جائے اور اس کا اندراج اردو زبان کے مزاج کے مطابق ہو۔ اس حوالے سے خاص طور پر عربی اور فارسی تراجم سے اردو زبان میں منتقل ہونے والے نام بطور خاص شامل ہیں، جن کو ان زبانوں نے اپنے مزاج کے مطابق ڈھالا اور بعد ازاں اردو زبان نے انھیں زبانوں کا املا اور تلفظ قبول کر لیا جیسے "Socrates" کو عربی و فارسی میں "سقراط" اور پھر اردو میں بھی سقراط ہی کہا جانے لگا۔ یہی حال "Plato" اور "Aristotle" کا ہوا جو عربی و فارسی کے راستے اردو میں افلاطون اور ارسطو کی صورت میں داخل ہوئے وگرنہ اردو والے تو "پلیٹو" اور "ارسٹوٹل" بھی بغیر کسی دقت اور تغیر کے بول سکتے ہیں۔

ناموں کی اردو میں منتقلی کی دوسری صورت یہ ہے کہ نام کو اصل ہجوں اور تلفظ کے مطابق اردو زبان میں منتقل کیا جائے۔ میرے خیال کے مطابق یہ زیادہ بہتر اور صحت مند رجحان ہے اور دورِ جدید میں ہونے والے زیادہ تر تراجم جو مغربی زبانوں اور خاص طور پر انگریزی سے اردو زبان میں ہوئے ہیں وہ اسی رجحان کے حامل ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آئن سٹائن، گلیلیو، سگمڈ فرائڈ، ایڈلر اور ڈارون اردو میں بھی اصل ناموں سے پکارے جاتے ہیں اور اردو کے چھوٹی جماعتوں کے طلبہ بھی ان ناموں کے تلفظ اور املا میں اس لیے دقت محسوس نہیں کرتے کہ اردو کے صوتی نظام میں اتنی وسعت ہے کہ وہ دنیا کی تقریباً ہر زبان کے الفاظ کو ادا کرنے پر قادر ہیں۔ یہ رجحان ناموں کے تلفظ کو مضحکہ خیز بنانے سے محفوظ رکھتا ہے اور عالمگیریت کی ترجمانی کرتا ہے۔

"Poetics" کے تراجم میں "سقراط" کا نام محض ایک مقام پر سقراطی مکالموں (Socratic Dialogues) کے حوالے سے آیا ہے اور "Poetics" کے تمام مترجمین نے اس کو "سقراط" ہی درج کیا ہے۔ باقی تمام ناموں کو اصل کے تلفظ اور لہجے کے مطابق برتا ہے۔

عزیز احمد نے "Aristophanes" کو ارسٹو فینیز "Eryphyle" کو "اری فائل"، "Aeschylus" کو اسکائی لس یا اسکی لس، ہی لکھا ہے۔ یہی حال "افی جے نیا"، اکاریس، اگاتھان، السی بائے ڈیز، الکٹرا، امپی ڈو کلیز، انٹی گون، او ڈیسئس اوریس ٹیز، اپی کارمس، پالی گنوٹس، پرومے تھئیس، پروٹاگورس، پنڈارس، پوسون، ٹمو تھیس، ٹیلی ماکس، زے نارکس، زیوکسس، سوفوکلیز، کرے ٹس، کریون، ہومر، یولی سیز، پوری پڈیز اور پیکٹر کا ہے۔

ڈاکٹر جمیل جالبی، شمس الرحمٰن فاروقی اور ڈاکٹر محمد یٰسین کے تراجم میں بھی سو فیصد یہی رجحان ملتا ہے۔ یہاں مثالیں نقل کرنا محض ناموں کو دہرانے کے مترادف ہو گا۔

یوں "Poetics" کے مترجمین کے مابین ناموں کو اردو زبان میں منتقل کرنے کے حوالے سے بھی اشتراک موجود ہے اور یہی وہ نکتہ اور تکنیک ہے جہاں مترجمین میں کامل اشتراک کی صورت دکھائی دیتی ہے۔

اصطلاحات کا تقابل

"Poetics" کے مطالعہ و تحقیق میں اصطلاحات کا تجزیہ اور تقابل مرکزی اہمیت رکھتا ہے۔ یونانی ادب کے مطالعے، تجزیے ، تحقیق و تنقید کے دوران ارسطو نے بیسیوں نئی اصطلاحات وضع کرنے کے ساتھ ساتھ افلاطون کی وضع کردہ اصطلاحات میں تغیر و تبدل کرتے ہوئے ان میں نئے معانی کا اضافہ بھی کیا۔ "Poetics" کے مطالعے کے دوران ایسی اصطلاحات سے واسطہ پڑتا ہے جو ارسطو کی غیر معمولی ذہنی اپج، تخلیقی صلاحیت اور اصطلاح وضع کرنے کی استعداد کا بین ثبوت فراہم کرتی ہیں۔ ویسے بھی ارسطو کو علم انسانی کے ارتقا کی تاریخ میں ایک ایسے فلسفی و سائنسدان اور معلم کی حیثیت حاصل ہے جس نے اپنے عہد میں علوم و فنون کے دائرے میں بے پناہ وسعت پیدا کی۔ اسے بجا طور پر حیاتیات، منطق، نفسیات اور تنقیدِ ادب جیسے مضامین کا موسس کہا جاتا ہے۔ ان علوم کی بنیاد رکھنے اور انھیں مضبوط بنیادوں پر استوار کرتے ہوئے ارسطو نے وضع اصطلاحات کے ایک ایسے سلسلے کا آغاز کیا جس سے ان علوم کے دقیق، پیچیدہ، نازک اور بنیادی افکار و تصورات کی عکاسی ہوتی ہے۔ "Poetics" کی تصنیف کے دوران سارا یونانی ادب ارسطو کے سامنے تھا۔ اصول سازی اور ادب کے تجزیے کے دوران وہ فنون لطیفہ کی دوسری اصناف موسیقی اور مصوری کا بھی حسبِ موقع اور بوقت ضرورت حوالہ دیتا ہے۔

"بوطیقا" کی ترتیب و تصنیف کے دوران ارسطو کے پیش نظر ماضی و حال کا سارا یونانی ادب تھا۔ وہ ایک ماہر حیاتیات کی طرح (یعنی سائنس دان کی طرح) اس ادب کا مطالعہ کرتا ہے، اس کا تجزیہ کرتا ہے، اس کی مختلف اصناف کی جڑوں کا سراغ لگاتا ہے، المیہ نگاروں اور شاعروں کے درمیان تقابل کرتا ہے، ان کے محاسن و معائب اجاگر کرتا ہے اور اپنے عہد میں موجود متنوع اصنافِ سخن کا محاکمہ کر کے اصول سازی کرتا ہے، اس مطالعے اور نظریہ سازی کے لیے اسے ایسے الفاظ و تراکیب کی ضرورت محسوس ہوتی ہے جو ایک طرف تو

ارسطو کے افکار کو اہبت بطون میں سمو سکیں اور دوسری طرف ادب کا محاکمہ، مطالعہ، تجزیہ، تنقید اور مقصدیت کا اظہار بھی کر سکیں۔ یوں ارسطو اس مطالعے کے دوران ایسی اصطلاحات وضع کرتا چلا جاتا ہے جس سے ایک طرف تو ادبی افکار و تصورات کو بیان کرنا آسان ہو جاتا ہے اور دوسری طرف دنیائے علم اور خصوصاً ادب و تنقید کی لفظیات اور اصلاحات میں گراں قدر اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔

ارسطو نے ادب کی تنقید اور تفہیم کے لیے جو اصطلاحات وضع کیں انھوں نے دنیائے نقد و نظر میں سکۂ رائج الوقت کی حیثیت اختیار کر لی۔

آج ڈھائی ہزار سال کا عرصہ گزر جانے کے باوجود ارسطو کی وضع کردہ اصطلاحات نہ صرف زندہ و مستعمل ہیں بلکہ تنقیدی ڈسکورس میں ان کا کثرت سے استعمال کیا جاتا ہے۔

"Poetics" کے اردو تراجم کے دوران تمام مترجمین نہ صرف ارسطو کی تحقیق و مطالعہ کے اس پہلو (اصطلاح سازی) سے بطریق احسن آگاہ تھے بلکہ ہر مترجم نے دورانِ ترجمہ "Poetics" کی اصطلاحات پر بطور خاص توجہ دی۔ اس ضمن میں ڈاکٹر جمیل جالبی رقم طراز ہیں:

> "ارسطو کی بنیادی اہمیت یہ ہے کہ اس نے سائنس، فلسفہ و منطق وغیرہ کی ایسی لاتعداد اصطلاحات وضع کیں کہ دو ہزار سال سے زیادہ عرصہ گزر جانے کے باوجود ہم آج بھی انھیں اصطلاحات کی مدد سے مدد سے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہیں"۔ (۴۸)

اصطلاحات سازی کے منطقے میں ارسطو کی اہمیت اور فضیلت کا ایک بین ثبوت یہ بھی ہے کہ اس کی وضع کردہ بہت سی اصطلاحات ادب کی تفہیم، تنقید اور تشریح میں ہر دور میں مددگار رہی ہیں اور آنے والے زمانوں میں بھی رہیں گی۔ وقت کے بہاؤ اور علم کے ارتقا میں بہت سے افکار و تصورات، اصطلاحات اور نظریات باطل ثابت ہو کر متروک اور اور غیر مستعمل ہوتے چلے جاتے ہیں، صرف وہی افکار و تصورات اور اصطلاحات و نظریات بچ جاتے ہیں جو اپنی روح اور نوع کے اعتبار سے آفاقی ہوتے ہیں۔

"Poetics" بنیادی طور پر یونانی ادب اور بالخصوص یونانی المیے کا تنقیدی و تجزیاتی مطالعہ ہے، رزمیہ اور طربیہ کی بحث بہت عمومی اور مختصر نوعیت کی ہے، لیکن ارسطو کی تنقیدی بصیرت اور اصطلاح سازی کی صلاحیت نے اس مخصوص عہد اور علاقے کے ادب کے مطالعے کو ہر علاقے اور ہر عہد کے ادب کے لیے رہنما اُصولوں اور اصطلاحات کا منبع و مخرج بنا دیا۔

"Poetics" کے ترجمہ شدہ متون میں اصطلاحات کا تقابل کرنے سے پیشتر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اصطلاح کے حوالے سے بنیادی امور کا جائزہ لیا جائے۔

لفظ اصطلاح کا مادہ ص ل ح ہے جس کے معنی مصالحت یا رضامندی کے ہیں۔ انگریزی زبان میں اصطلاح کے لیے "Term" کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔

اردو زبان میں اصطلاح سازی اور علم اصطلاح سازی اور علم الاصطلاح کے ماہرین نے اصطلاح کی مختلف تعریفیں متعین کرنے کی کوششیں کی ہیں۔ مولوی وحید الدین سلیم جنھوں نے اردو زبان میں "وضع اصطلاحات" کے عنوان سے اردو زبان میں پہلی کتاب تصنیف کی، لکھتے ہیں کہ:

"اصطلاحیں دراصل اشارے ہیں جو خیالات کے مجموعوں کی طرف ذہن کو منتقل کر دیتی ہیں"۔ (۴۹)

وارث سرہندی کے مطابق:

> "کسی لفظ کو جب کسی خاص شعبۂ علم و فن میں مخصوص معنی میں استعمال کیا جائے تو اسے اصطلاح کہتے ہیں"۔ (۵۰)

ڈاکٹر جمیل جالبی کے خیال میں:

> "اگر مروج معنی کے علاوہ کسی لفظ کے کوئی اور معنی صلاح و مشورے سے مقرر کر لیے جائیں تو معنی کی اس صورت کو اصطلاح کہتے ہیں۔ اس طرح کئی تصورات یا خیالات اس لفظ سے ادا ہو جاتے ہیں"۔ (۵۱)

ڈاکٹر عطش درانی لکھتے ہیں کہ:

> "کسی واحد مفہوم کے تعین کے لیے جس علامت یا لفظ پر علما کا اتفاق یا قرارداد ہو، اسے اصطلاح کہتے ہیں"۔ (۵۲)

اصطلاح کی درجہ بالا تعریفوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اصطلاح کا تعلق کسی خاص شعبۂ علم و فن سے ہوتا ہے۔ یہ اپنے مخصوص و معین معانی رکھتی ہے اور ان معانی پر اس شعبۂ علم کے علما کا اتفاق ہوتا ہے۔ گویا کسی خاص مضمون میں کسی تصور کے ابلاغ کے لیے جو لفظ یا مجموعہ الفاظ استعمال ہوتا ہے، اسے اصطلاح کہتے ہیں۔ اصطلاح ایک لفظ پر بھی مشتمل ہو سکتی ہے اور ترکیب کی صورت میں بھی ہو سکتی ہے۔ کوئی علامت یا ہندسہ بھی ہو سکتی ہے اور مخفف بھی۔ اصطلاح بھی علم کے لیے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے اور اس علم

کے نوع بہ نوع تصورات (Concepts) کی ترسیل اور ابلاغ اصطلاحات کے وسیلے سے ہی ممکن بنایا جاتا ہے۔ بقول مولوی وحید الدین سلیم:

> "اگر اصطلاحات نہ ہوں تو ہم علمی مطالب ادا کرنے میں طول لاطائل سے بچ نہیں بچ سکتے۔ جہاں ایک چھوٹے سے لفظ سے کام نکل سکتا ہے، وہاں بڑے بڑے لمبے لمبے جملے لکھنے پڑتے ہیں اور ان کو بار بار دہرانا پڑتا ہے۔ لکھنے والے کا وقت جدا ضائع ہوتا ہے اور پڑھنے والے کی طبیعت جدا ملول ہوتی ہے"۔ (۵۳)

گویا اصطلاحات نہ صرف علمی مطالب ادا کرنے میں سہولت بہم پہنچاتی ہیں بلکہ پڑھنے اور لکھنے کے عمل کو بھی سہل بناتی ہیں۔ یوں اصطلاحات ایک شعبۂ علم کے مصنف، تخلیق کار اور مرتب کے ساتھ ساتھ طلبہ کے لیے بھی مفید اور مددگار ثابت ہوتی ہیں۔ اصطلاح کو بجا طور پر "گنجینۂ معنی کا طلسم" سمجھنا چاہیے جو اپنے دامن میں ایک جہانِ معنی سموئے ہوئے ہوتا ہے۔

عام طور پر اصطلاحات کی چار اقسام میں تقسیم کیا جاتا ہے:

۱۔ مفرد ۲۔ ترکیبی ۳۔ مرکب ۴۔ مشتق

جہاں تک اصطلاح وضع کرنے کا تعلق ہے تو اس حوالے سے اصطلاحات کو تین اقسام میں بانٹا جاتا ہے:

۱۔ طبع زاد ۲۔ ترجمہ شدہ ۳۔ تسمیہ

اردو زبان میں اصطلاحی مباحث کی تاریخ خاصی طویل اور تابناک ہے۔ اردو زبان میں دونوں انفرادی اور اجتماعی سطح پر اصطلاح سازی کا عمل زبان کے ارتقائی سفر کے ساتھ جاری و ساری ہے۔ البتہ اصطلاح سازی کے اُصولی و نظری ومباحث کی تقریباً ایک صدی پر محیط ہے۔ اس ضمن میں چودھری برکت علی کا نام بنیاد گزاروں میں شامل ہے۔ انھوں نے اصطلاح سازی کے فنی مباحث پر ایک چھوٹا سا رسالہ یا کتابچہ تحریر کیا۔ اس کے بعد مولوی وحید الدین سلیم نے "اصطلاح سازی" کے عنوان سے اردو زبان میں پہلی مسبوط کتاب تصنیف کی۔ ڈاکٹر عطش درانی نے "اردو اصطلاحات سازی" کے عنوان سے ایک جامع کتاب تحریر کی جس میں اس علم کے اصولی و اطلاقی امور پر بحث کی گئی۔ اداروں کی سطح پر پر دلّی کالج سے لے کر مقتدرہ قومی زبان تک نے اصطلاح سازی میں قابل قدر کام کیا۔ اس حوالے سے جامعہ عثمانیہ، حیدر آباد دکن اور انجمن ترقی اردو کی خدمات بھی گراں بہا اور تاریخی اہمیت کی حامل ہیں۔ اردو زبان میں مختلف علوم کی

اصطلاحات کی سیکڑوں کتب شائع ہو چکی ہیں اور اردو اصطلاحات کا ذخیرہ ساڑھے تین لاکھ بتایا جاتا ہے۔ ابھی اردو زبان میں اس میدان میں بہت سے تاریک گوشوں کو منور کرنے کی ضرورت ہے۔ لسانی ترقی اصطلاحی ترقی کی مرہون منت ہوتی ہے اور زندہ وار تقاپذیر زبان کی ایک نمایاں خصوصیت اس میدان میں مائل بہ ارتقا رہنا بھی ہے۔

عزیز احمد اور ڈاکٹر جمیل جالبی کی "Poetics" کی ترجمہ کردہ اصطلاحات میں اشتراکات:

اردو میں "Poetics" کا پہلا ترجمہ عزیز احمد نے کیا جو انجمن ترقی اردو ہند سے ۱۹۴۱ء میں شائع ہوا۔ ڈاکٹر جمیل جالبی کا "Poetics" کا ترجمہ پہلی مرتبہ عزیز احمد کے ترجمے سے لگ بھگ تیس سال بعد ۱۹۷۲ء میں ان کی کتاب "ارسطو سے ایلیٹ تک" میں شائع ہوا۔ اس کے بعد مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد نے عظیم کتب (امہات الکتب) کے تراجم کا منصوبہ بنایا تو اس فہرست میں ارسطو کی "Poetics" کا ترجمہ بھی شامل تھا۔ "Poetics" کو اردو زبان میں منتقل کرنے کا کام ڈاکٹر جمیل جالبی کے سپرد کیا گیا، جو اس سے قبل مقتدرہ قومی زبان کے صدر نشین اور "Poetics" کے اردو زبان کے دوسرے قابل ذکر مترجم تھے۔

عزیز احمد اور ڈاکٹر جمیل جالبی کے "Poetics" کے تراجم میں اصطلاحات کے ترجمے میں اشتراکات کی نوعیت کچھ یوں ہے، " Tradgedy " کا ترجمہ دونوں مترجمین، عزیز احمد اور ڈاکٹر جمیل جالبی نے ٹریجیڈی ہی برقرار رکھا ہے۔ البتہ عزیز احمد نے قوسین میں المیہ بھی درج کیا ہے۔ اسی طرح "comedy " کا ترجمہ دونوں مترجمین نے ترجمہ کرنے کے دوران اسے ہو بہو اردو میں کامیڈی کی صورت میں مستعار لیا ہے۔ لیکن اس فرق کے ساتھ کہ یہاں بھی عزیز احمد نے قوسین میں کامیڈی کے ساتھ طربیہ (کامیڈی (طربیہ) کا لفظ بھی درج کیا ہے جو اردو میں "Comedy" کا واحد معروف، مروج اور مستعمل ترجمہ ہے۔ "Imitation" بوطیقا کی ایک نہایت ہی کلیدی، اہم اور مرکزی اصطلاح ہے اور اردو انگریزی، عربی اور فارسی مترجمین نے اس کے مختلف تراجم فراہم کیے ہیں۔ لیکن عزیز احمد اور ڈاکٹر جمیل جالبی دونوں نے اس کا ترجمہ نقل ہی کیا ہے۔ "Metre" کا ترجمہ دونوں مترجمین نے بحر کیا ہے۔ "Means of Imitation" کے لیے دونوں نے نقل کے ذرائع استعمال کیا ہے۔ "Manner of Imitation" کے لیے عزیز احمد اور

ڈاکٹر جمیل جالبی، دونوں کے ہاں یکسانیت پائی جاتی ہے۔ دونوں نے اس اصطلاح کا اردو ترجمہ نقل کے طریقے کیا ہے۔ "Hymns" کا ترجمہ بھی دونوں مترجمین نے ایک ہیں یعنی "قصیدہ" کیا ہے۔ "Iambic Metre" کا ترجمہ عزیز احمد اور ڈاکٹر جمیل جالبی دونوں نے "آئمبی بحر" کیا ہے۔ (Iambs) کے ترجمے کی املا میں فقط ایک حرف کے فرق کے ساتھ یکسانیت پائی جاتی ہے۔ اس اصطلاح کا اردو ترجمہ عزیز احمد نے آئمبی (ہجو) اور ڈاکٹر جمیل جالبی نے آئمبس کیا ہے۔ لیکن عزیز احمد کو یہاں یہ امتیاز حاصل ہے کہ قوسین میں انھوں نے اس اصطلاح کا اردو متبادل بھی درج کر دیا ہے، جو اردو زبان میں مروّج بھی ہے۔ "Dran" کو بھی دونوں مترجمین نے بلا تغیر اردو ترجمے میں بطور دخیل لفظ لیا ہے مگر اس طور پر کہ عزیز احمد نے اس اصطلاح کو انگریزی حروف میں ہی درج کر دیا ہے جبکہ ڈاکٹر جمیل جالبی نے اردو حروف میں لکھا ہے۔ ڈران " Dran" یہی صورت "Pratein" کے ترجمے میں بھی پیش آئی۔ دونوں نے اس انگریزی اصطلاح کا اردو ترجمہ کرنے کے بجائے اسے من و عن اردو میں منتقل کیا ہے لیکن عزیز احمد نے اس کو انگریزی جبکہ ڈاکٹر جمیل جالبی نے اس کو اردو رسم الخط میں درج کیا ہے۔ (عزیز احمد، "Pratein" ڈاکٹر جمیل جالبی، پراٹائن "Fear" کا ترجمہ دونوں کے ہاں خوف ہے۔ "Language" کا لفظ زبان کے معروف معنوں سے ہٹ کر "Poetics" میں محض شاعری اور بالخصوص "Tragedy" کی زبان کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ اس مفہوم میں عزیز احمد نے اس کا ترجمہ زبان اور ڈاکٹر جمیل جالبی نے زبان و بیان کیا ہے۔ "Water clock" کا ترجمہ دونوں مترجمین نے گھڑی کیا ہے۔ "Episodic Plot" کی اصطلاح کا اردو ترجمہ عزیز احمد کی "فن شاعری" اور ڈاکٹر جمیل جالبی کے ترجمے "بوطیقا" دونوں میں "قصہ در قصہ پلاٹ" کیا گیا ہے۔ "Simple and Complex Plot" اصطلاحات کے اس جوڑے کا عزیز احمد نے "سادہ اور پیچیدہ پلاٹ" ترجمہ کیا ہے جبکہ ڈاکٹر جمیل جالبی نے بھی ان دونوں اصطلاحات کا یہی ترجمہ کیا ہے۔ "Probable" کا ترجمہ بھی "Poetics" کے دونوں تراجم "فن شاعری" اور "بوطیقا" میں مشترک ہے ، دونوں تراجم میں اس اصطلاح کا قرین قیاس ترجمہ کیا گیا ہے، یونانی المیہ کے (کمیتی حصوّں) خاص حصوں کے ناموں / اصطلاحات کے ترجمے میں بھی اشتراکات پائے جاتے ہیں۔ "Prologue" کو دونوں مترجمین، عزیز احمد اور ڈاکٹر جمیل جالبی نے اردو رسم الخط میں ڈھال کر اردو زبان کا جزو بنانے کی کوشش کی ہے البتہ عزیز احمد نے قوسین میں اس کا ترجمہ (افتتاحیہ حصّہ) بھی ساتھ ہی درج کر دیا ہے۔ "Episode" کو بھی "Poetics" کے دونوں اردو مترجمین نے اردو میں من و عن منتقل کیا ہے، البتہ یہاں بھی عزیز احمد کے قوسین میں اس اصطلاح کی توضیح "دو گیتوں کے درمیان کا حصّہ) لکھ کر کی ہے۔

"Exode" کو بھی دخیل اصطلاح کے طور پر دونوں مترجمین نے قبول کیا ہے اور اس کو "ایکسوڈ" کی صورت میں درج کیا ہے البتہ عزیز احمد نے قوسین میں اس اصطلاح کا مفہوم "وہ حصّہ جس کے بعد گیت نہ ہوں" درج کر دیا ہے۔ "Choric Song" کا ترجمہ عزیز احمد نے "کورس (سنگت) کے گیت" اور ڈاکٹر جمیل جالبی نے کورس گیت کیا ہے۔ اسی طرح "Parode، Stasimon" اور "Comi" کو عزیز احمد نے بالترتیب پیروڈ" سنگت کے پہلے گیت"، اسٹاسی مون (خاص طرح کے گیت)، کوموس (سنگت اور اداکاروں کی مشترکہ فریاد) کی صورت میں اردو ترجمے میں منتقل کیا ہے۔ انھیں اصطلاحات کو ڈاکٹر جمیل جالبی نے بالترتیب پیروڈ، اسٹاسی مون اور کومائے کی شکل میں پیش کیا ہے۔ "complex Tragedy" کا ترجمہ بھی دونوں مترجمین کے ہاں پیچیدہ ٹریجیڈی / ٹریجڈی کیا گیا ہے۔

عزیز احمد اور ڈاکٹر جمیل جالبی کے درمیان اصطلاحات میں اس اشتراکات کے تقابل کے ضمن میں درج ذیل امور ابھر کر سامنے آتے ہیں:

۱۔ "Poetics" کے ان دونوں مترجمین نے اصطلاحات کا لفظی ترجمہ کیا ہے۔

۲۔ بعض اصطلاحات کا لفظی ترجمہ کرنے کے بجائے انھیں من و عن دخیل اصطلاح یا مستعار اصطلاح کے طور پر قبول کیا گیا ہے۔ البتہ عزیز احمد کے ہاں قوسین میں اردو متبادل فراہم کرنے یا اصطلاح کا توضیحی ترجمہ کرنے کا رجحان بھی نمایاں ہے۔

۳۔ "Poetics" کے دونوں مترجمین نے دورانِ ترجمہ بہت سی اصطلاحات کا ترجمہ "مفرد اصطلاح" کی صورت میں کیا ہے لیکن حسبِ ضرورت اصطلاح کی ترکیبی صورت بھی دکھائی دیتی ہے۔

۴۔ دونوں مترجمین کے انگریزی متن کو متبادل اردو متن میں منتقل کرنے کا غالب رجحان دکھائی دیتا ہے، اصطلاحات کے ترجمے میں محنت و ریاضت اور تحقیق و تدوقیق کے رجحان میں کمی بلکہ ایک حد تک سہل پسندی بھی دکھائی دیتی ہے۔

۵۔ دونوں مترجمین کے ہاں اصطلاحات کے ترجمے میں محض دو متون پر انحصار دکھائی دیتا ہے۔ اس کے برعکس عربی، فارسی اور انگریزی کے متنوع تراجم اور مآخذ سے استفادے کی صورت میں اصطلاحات کے ترجمے میں کافی بہتری لائی جاسکتی تھی۔ خاص طور پر عربی میں ابن رشد، ابن سینا ابو بشر متی نے "Poetics" کے تراجم اور شرحوں میں بعض اصطلاحات کے ایسے تراجم کیے ہیں جن سے اردو مترجمین خاطر خواہ فائدہ اٹھاسکتے تھے۔ جبکہ عزیز احمد اور ڈاکٹر جمیل جالبی کے ہاں صرف اور صرف

ایک انگریزی متن پر جزوی اور ایک متن پر کلی انحصار کا رجحان پایا جاتا ہے۔ زیادہ گہرائی میں جائے بغیر بھی محض واجبی سی محنت اور زبان دانی کے جوہر کے استعمال سے متبادل اردو متن فراہم کرنا ہی کافی سمجھا گیا۔ لہٰذا اس حوالے سے زیرِ مطالعہ دونوں تراجم "فنِ شاعری" اور "بوطیقا" میں اس حوالے سے کام کی بہت گنجائش ہے۔

۶۔ عزیز احمد کا ترجمہ ڈاکٹر جمیل جالبی کے "Poetics" کے ترجمے سے کم و بیش تیس(30) سال قبل شائع ہو چکا تھا اور ایک مدت تک یہ اردو کا واحد، معتبر اور اہم ترجمہ بھی رہا۔ گو ڈاکٹر جمیل جالبی نے "بوطیقا" کے دیباچے میں عزیز احمد کا کہیں ذکر نہیں کیا لیکن اصطلاحات کے ترجمے کے اشتراکات میں یہ بات ضرور سامنے آتی ہے کہ ڈاکٹر جمیل جالبی نے عزیز احمد کے ترجمے "فنِ شاعری" سے ضرور استفادہ کیا ہو گا۔

۷۔ "Poetics" کے زیر تحقیق دونوں تراجم کے مترجمین میں محض اصطلاحات کے لفظی ترجمے یا اصطلاحات مستعار لینے(Borrowing) کا پہلو ہی دکھائی دیتا ہے۔ وضع اصطلاحات پر کوئی کدو کاوش نہیں دکھائی دیتی گویا درجہ بالا مترجمین وضع اصطلاح کے کھکھیڑ میں نہیں پڑے۔

عزیز احمد اور شمس الرحمٰن فاروقی کی اصطلاحات میں اشتراکات:

شمس الرحمٰن فاروقی کا اردو ترجمہ ۱۹۷۶ء میں عزیز احمد کے "Poetics" کے اردو ترجمے کے پچیس (۲۵) سال بعد مکمل ہوا۔(شمس الرحمٰن فاروقی کے اردو ترجمے کے پس منظر کا مطالعہ گزشتہ باب میں بالتفصیل کیا جا چکا ہے) شمس الرحمٰن فاروقی نے دوران ترجمہ جن اردو و انگریزی کتب سے استفادہ کیا ان میں عزیز احمد کا ترجمہ نمایاں حیثیت اور اہمیت کا حامل ہے۔ شمس الرحمٰن فاروقی نے اپنے ترجمے "شعریات" میں عزیز احمد کے ترجمے سے استفادے کا کھلے دل سے اعتراف کرنے کے ساتھ ساتھ حسبِ موقع و محل عزیز احمد کے اصطلاحات کے ترجمے سے بھی فائدہ اٹھایا ہے اور اختلاف و اعتراض کی وضاحت حواشی میں کی ہے۔

"Tragedy" کا ترجمہ شمس الرحمٰن فاروقی نے المیہ کیا ہے، عزیز احمد نے اپنے ترجمے "فنِ شاعری" میں اس کا ترجمہ المیہ ہی کیا تھا۔ "Epic Poetry" کا اردو ترجمہ بھی دونوں اصحاب کے تراجم میں رزمیہ شاعری کیا گیا ہے۔ "Physicist" کا اردو ترجمہ بھی عزیز احمد اور شمس الرحمٰن فاروقی کے ہاں مشترک ہے

اور دونوں نے اس کا ترجمہ "ماہر طبیعیات" کیا ہے۔ "Narrative" اور "Narration" کی اصطلاحات کا ترجمہ بھی شمس الرحمٰن فاروقی اور عزیز احمد نے "بیانیہ" کیا ہے۔ ان اصطلاحات کا یہ ترجمہ اردو میں مقبول ،معروف اور مستعمل ہے اور اردو تنقیدی ڈسکورس میں اس اصطلاح کا بکثرت استعمال ملتا ہے۔ " Iambic Meter" کے ترجمے میں بھی اشتراک پایا جاتا ہے اور شمس الرحمٰن فاروقی اور عزیز احمد دونوں کے "Poetics" کے تراجم میں اس کو "آئمبی بحر" کی صورت میں اردو ترجمے میں ڈھالا گیا ہے۔ "Iambs" کا اردو ترجمہ شمس الرحمٰن فاروقی نے آئمب اور عزیز احمد نے آئمبی (ہجو) کیا ہے۔ فقط اس میں ایک بات قابل توجہ ہے کہ عزیز احمد دخیل اصطلاح کا ترجمہ بھی کوسین میں درج کر دیتے ہیں۔

"Poetics" میں استعمال ہونے والی دو اصطلاحات (Dran) اور "Pratien" کو بھی "Poetics" کے دونوں مترجمین نے اپنی اصلی صورت میں اردو میں پیش کیا ہے۔ البتہ عزیز احمد نے ان دونوں اصطلاحات کو اردو رسم الخط میں تحریر کرنے کے بجائے انگریزی رسم الخط میں لکھا ہے جبکہ شمس الرحمٰن فاروقی نے انھیں اردو کی املائی صورت میں درج کیا ہے۔ "Trohiactetrametre" کے ترجمے میں بھی دونوں مترجمین کے ہاں اشتراک موجود ہے اور شمس الرحمٰن فاروقی نے اس کا ترجمہ "چار رکنی ٹروکی" اور عزیز احمد نے "ٹروکی چار رکنی" کیا ہے۔

"Hexametre" کی اصطلاح کے اردو ترجمے میں بھی شمس الرحمٰن فاروقی اور عزیز احمد میں یکسانیت پائی جاتی ہے۔ اس اصطلاح کا دونوں نے "مسدس الارکان بحر" ترجمہ کیا ہے۔ "Fear" جو المیہ کا ایک اہم اور بنیادی عنصر اور "Poetics" کی کلیدی اصطلاحات میں سے ایک ہے کا اردو ترجمہ دونوں مترجمین نے خوف کیا ہے۔ اسی طرح (Pity) کے ترجمے میں بھی اشتراک پایا جاتا ہے۔ دونوں مترجمین شمس الرحمٰن فاروقی اور عزیز احمد نے اس اصطلاح کا اردو ترجمہ دردمندی کیا ہے۔ ارسطو نے پلاٹ کی طوالت کے بحث کے دوران تین اہم اصطلاحات کی مدد سے اپنی بات واضح کی تھی۔ وہ اصطلاحات "Middle, End " ہیں۔ ان تین اصطلاحات کے اردو ترجمے میں شمس الرحمٰن فاروقی اور عزیز احمد کے درمیان دو اصطلاحات کے ترجمے میں اشتراک پایا جاتا ہے۔ دونوں نے "Begining" کا اردو ترجمہ آغاز اور "End" کا اردو ترجمہ انجام کیا ہے، تاہم عزیز احمد نے قوسین میں آغاز اور انجام کے ساتھ قوسین میں "ابتدائی حصّہ" اور "آخری حصّہ" کی تراکیب بھی درج کی ہیں جو توضیح یا توضیحی ترجمے کی ایک صورت ہے۔

"Pitiable" کا اردو ترجمہ دونوں مترجمین نے رحم انگیز کیا ہے۔ "Hamartia" کا شمار ارسطو کی وضع کردہ نہایت اہم اور دیرپا اثرات کی حامل اصطلاح میں ہوتا ہے۔ اس اصطلاح کو مختلف ادوار میں مختلف معنوں میں لیا جاتا رہا اور دونوں فکری و فنی سطح پر اس کا کثرت سے استعمال ہوا۔ "Poetics" کے مختلف تراجم میں بھی اس کی مختلف شرحیں اور تراجم ملتے ہیں۔ خاص طور پر انگریزی میں اس اصطلاح کے مختلف "Shades" دکھائی دیتے ہیں، تاہم عزیز احمد اور شمس الرحمٰن فاروقی دونوں اردو مترجمین نے اس کا ترجمہ "غلطی" کیا ہے۔ شمس الرحمٰن فاروقی نے "انسانی کمزوری" کا اضافہ بھی کر دیا ہے۔ (غلطی یا انسانی کمزوری) "Suitor" کا ترجمہ بھی شمس الرحمٰن فاروقی اور عزیز احمد کے ہاں یکساں ہے۔ دونوں نے اس کا ترجمہ مدعی کیا ہے۔

عزیز احمد چونکہ "Poetics" کے اولین مترجم ہیں اور شمس الرحمٰن فاروقی نے ان کے ترجمے کی اشاعت کے پچیس (۲۵) سال بعد اپنا ترجمہ "بوطیقا" پہلے "ترقی اردو بورڈ" اور بعد ازاں قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کی تحریک پر شائع کیا۔ دونوں تراجم ہندوستان سے شائع ہوئے تاہم زمانی بعد کی بنا پر شمس الرحمٰن فاروقی نے عزیز احمد کے ترجمے سے بھرپور استفادہ کیا جس کا اثر اصطلاحات کے تراجم میں بھی دکھائی دیتا ہے۔ دونوں کی اصطلاحات کا تقابل شمس الرحمٰن فاروقی پر عزیز احمد کے کام کے اثرات کا عکاس اور آئینہ دار ہے۔

ڈاکٹر جمیل جالبی اور شمس الرحمن فاروقی کے تراجم میں اصطلاحی اشتراکات:

ڈاکٹر جمیل جالبی، عزیز احمد اور شمس الرحمٰن فاروقی بمقابلہ عزیز احمد کے برعکس ڈاکٹر جمیل جالبی اور شمس الرحمٰن فاروقی کے درمیان اصطلاحی اشتراکات نسبتاً کم دکھائی دیتے ہیں۔ اس کے اسباب و علل کی تفتیش آخر میں کی جائے گی۔ پہلے دونوں مترجمین کی اصطلاحات کے تراجم کا تقابل پیش کیا جاتا ہے۔ Imitation / Mimesis کا اردو ترجمہ ڈاکٹر جمیل جالبی اور شمس الرحمٰن فاروقی دونوں نے نمائندگی کیا ہے۔ تاہم ڈاکٹر جمیل جالبی نے اس اصطلاح کا دوسرا ترجمہ "نقل" اور شمس الرحمٰن فاروقی نے ترجمانی بھی کیا ہے۔ دونوں علما چونکہ انگریزی ادب کے طالب علم رہ چکے تھے اور دونوں نے انگریزی ادب میں ایم۔اے کی ڈگریاں لے رکھی تھیں۔ لہٰذا اس اصطلاح کے ترجمے میں دونوں مترجمین پر انگریزی تنقید اور خصوصاً "Poetics" کے انگریز مترجمین کے واضح اثرات دکھائی دیتے ہیں۔ انگریزی میں "Mimesis" کے لیے بعض ناقدین نے

"Expression" اور بعض نے "Representation" کی اصطلاحات برتی ہیں۔ "Mimes" بوطیقا کی ان چند اصطلاحات میں سے ایک ایسی اصطلاح ہے جس کے ترجمے پر ابھی تک اتفاق نہیں ہو سکا۔ انگریزی اور اردو زبانوں میں اس اصطلاح کے متعدد تراجم موجود ہیں۔ جن کا تذکرہ اصطلاحات کی معیار بندی کے مطالعے کے دوران کیا جائے گا۔ "Medium of Imitation" کا ترجمہ دونوں مترجمین نے "نمائندگی کے ذرائع" کیا ہے۔ "Cyclopes" کا ترجمہ کرنے کی بجائے دونوں مترجمین، ڈاکٹر جمیل جالبی اور شمس الرحمٰن فاروقی نے اسے مستعار لیا ہے تاہم ڈاکٹر جمیل جالبی نے اس کو جمع "سائیکلوبس" اور شمس الرحمٰن فاروقی نے واحد "سائکلوپ" کے صیغے میں برتا ہے۔ "Narrative form" کا ترجمہ ڈاکٹر جمیل جالبی نے بیان اور شمس الرحمٰن فاروقی نے بیانیہ طریقے سے کیا ہے۔ "Hymns" کا ترجمہ ڈاکٹر جمیل جالبی نے حمد اور شمس الرحمٰن فاروقی نے دیوتا کی حمد کیا ہے۔ "Iambs" کا ترجمہ ڈاکٹر جمیل جالبی کے ہاں طنزیے جبکہ شمس الرحمٰن فاروقی کے ہاں طنزیات ہے۔ "Iambic Metre" کا اردو ترجمہ بھی دونوں مترجمین کے ہاں مشترک ہے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی نے اسے آئمبک بحر اور شمس الرحمٰن فاروقی نے آئمبی بحر تحریر کیا ہے۔ اسی طرح "Iambs" کا ترجمہ ڈاکٹر جمیل جالبی نے آئمبس اور شمس الرحمٰن فاروقی نے آئمبک کیا ہے۔ واحد اور جمع کے فرق کے ساتھ "Dran" اور "Pratien" دونوں اصطلاح اداکاری کرنے کے معنوں میں استعمال ہوئی ہیں لیکن ڈاکٹر جمیل جالبی اور شمس الرحمٰن فاروقی نے ان کا ترجمہ کرنے کے بجائے بطور مستعار اصطلاحات ہی قبول کرنا مناسب خیال کیا ہے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی نے ڈران اور پراٹین اور شمس الرحمٰن فاروقی نے تلفظ کے خفیف سے فرق کے ساتھ ڈرین اور پریٹائن درج کیا ہے۔ "Heroic Poems" کو ڈاکٹر جمیل جالبی نے ہیرواک نظمیں اور شمس الرحمٰن فاروقی نے ہیروئی نظمیں لکھا ہے۔ "Fear" کی اصطلاح کا ترجمہ دونوں مترجمین نے خوف کیا ہے۔ "Plot" کا ترجمہ بھی دونوں مترجمین کے ہاں پلاٹ ہی ہے۔ اسی طرح "Character" کا ترجمہ بھی دونوں مترجمین نے کردار کیا ہے۔ "Dramatic Speeches" کا ترجمہ ڈاکٹر جمیل جالبی نے ڈرامے کی تقریریں اور شمس الرحمٰن فاروقی نے ڈرامائی تقریریں کیا ہے۔ پلاٹ کے تین حصوں "Beginning, Middle and End" میں ڈاکٹر جمیل جالبی اور شمس الرحمٰن فاروقی حقیقی میں صرف "Middle" کی اصطلاح میں اشتراک پایا جاتا ہے، دونوں مترجمین نے اس اصطلاح کا ترجمہ وسط کیا ہے۔ "Water Clock" کا ترجمہ ڈاکٹر جمیل جالبی نے فقط گڑی جبکہ شمس الرحمٰن فاروقی نے آبی گھڑی کیا ہے۔

"Hamartia / Poetics" کا ترجمہ بھی ڈاکٹر جمیل جالبی اور شمس الرحمٰن فاروقی کے ہاں مشترک ہے۔ دونوں نے "Poetics" کی اس کلیدی اصطلاح کا اردو ترجمہ "غلطی" کیا ہے۔

۱۔ درجہ بالا تحقیق سے یہ نکتہ منکشف ہوتا ہے کہ ڈاکٹر جمیل جالبی اور شمس الرحمٰن فاروقی کی اصطلاحات کے ترجمے میں اٹھارہ(۱۸) فیصد اشتراک پایا جاتا ہے۔ دلچسپ اور توجہ طلب بات یہ ہے کہ دونوں مترجمین نے دوران ترجمہ ایس۔ ایچ۔ بچر "S.H. Butcher" کے انگریزی ترجمے سے استفادہ کیا ہے۔ شمس الرحمٰن فاروقی نے تو بچر ہی کا انگریزی متن اردو میں منتقل کیا ہے جبکہ ڈاکٹر جمیل جالبی نے ٹی۔ ایس ڈروش (T.S.Dorsh) کے متن کو بنیاد بنایا لیکن اس کے ساتھ ساتھ بچر سے بھی استفادہ کیا ہے۔

۲۔ "Poetics" کے دونوں مترجمین ڈاکٹر جمیل جالبی اور شمس الرحمٰن فاروقی کے ہاں اصطلاحات کے لفظی ترجمے کی صورت پائی جاتی ہے۔

۳۔ دونوں مترجمین نے اصطلاحات کا ترجمہ کرنے کے ساتھ ساتھ اصطلاحات مستعار لینے کی حکمت عملی بھی اپنائی ہے۔ یہ اردو (بلکہ تمام زبانوں) کی ایک عام حکمت عملی ہے کہ جہاں مترجم کو موزوں ترین متبادل دستیاب نہ ہو وہاں ماخذ زبان (S.L) کا لفظ من و عن ترجمے میں اپنا لیا جاتا ہے اور پیچیدگی یا ابہام کی صورت میں حواشی میں وضاحت کر دی جاتی ہے۔ بعض اوقات ہدفی زبان (T.L) میں اصطلاح کا موزوں متبادل موجود ہوتا بھی ہے مگر مترجم کی تن آسانی، تنگیِ وقت یا تحقیق و تدقیق کے فقدان کے باعث مستعار لفظ سے کام چلایا جاتا ہے۔ اس ضمن میں مترجمین محنت و کاوش، فن ترجمہ کاری کی مناسب تربیت، اصطلاحات سازی کے علم و فن سے آگاہی اور اپنی ذات کے خول یا تنگ دائرے سے نکل کر متعلقہ علم و فن کے علما سے مشاورت اور تبادلہ خیال بہتر متبادل کی فراہمی کا ضامن ہو سکتا ہے۔ لیکن اردو زبان میں تراجم کی بنیادی اہمیت کے باوجود ابھی تک اس باب میں منظم و منضبط اور جدید خطوط پر کام ہونا باقی ہے۔ یہی ہماری زبان کے فروغ اور علمی ارتقا کا باعث ہو سکتا ہے۔

۴۔ "Poetics" کے زیرِ مطالعہ دونوں مترجمین کے ہاں مفرد اصطلاح کی صورت بھی نظر آتی ہے اور مرکب اصطلاحات بھی ہیں تاہم "Poetics" کے دیگر مترجمین کے برعکس شمس الرحمٰن فاروقی

کے ہاں محنت و تحقیق زیادہ نظر آتی ہے۔ انھوں نے اصطلاحات کے موزوں ترین متبادل تلاش کرنے کے ساتھ ساتھ اصطلاحات وضع کرنے کی کوشش بھی کی ہے۔

۵۔ "Poetics" کے درجہ بالا دونوں مترجمین اردو زبان کے صفِ اوّل کے علما، ناقدین اور محققین میں شمار ہوتے ہیں دونوں اہل زبان ہونے کے ساتھ ساتھ انگریزی دان بھی تھے اور انگریزی ادب کی یونیورسٹی کی سطح کی اعلیٰ تعلیم حاصل کر چکے تھے۔ ان دونوں مترجمین میں ایک اور یکسانیت یہ بھی ہے کہ دونوں کا تعلق سول سروس سے تھا۔ ڈاکٹر جمیل جالبی پاکستانی سول سروس (سی ایس پی) جبکہ شمس الرحمٰن فاروقی انڈین سول سروس (آئی سی ایس) کا حصّہ رہے، لیکن دونوں نے عمر بھر محنت، لگن اور مشنری جذبے کے تحت اردو زبان و ادب کے فروغ کے لیے کام کرتے رہے اور دونوں رسائل و جرائد کے مدیر کی حیثیت سے بھی گیسوئے اردو سنوارتے رہے۔

۶۔ ڈاکٹر جمیل جالبی اور شمس الرحمٰن فاروقی کے تراجم کی اشاعت میں دو سال کا فرق ہے۔ علم و فن کی تاریخ میں اس قدر قلیل مدت کی کوئی خاص اہمیت نہیں ہوتی۔

۷۔ "Poetics" کے درجہ بالا دونوں مترجمین ہم عصر تھے۔

ڈاکٹر محمد یٰسین اور عزیز احمد کی "Poetics" کی ترجمہ کردہ اصطلاحات میں اشتراکات:

ڈاکٹر محمد یٰسین کا ترجمہ اردو میں "Poetics" کا دوسرا ترجمہ ہے۔ ڈاکٹر محمد یٰسین کے ترجمے کی اشاعت سے قبل صرف عزیز احمد کا ترجمہ شائع ہوا تھا۔ اس لیے ڈاکٹر محمد یٰسین کے سامنے صرف عزیز احمد کا اردو ترجمہ ہیں بطور نمونہ اور مثال موجود تھا۔ ڈاکٹر محمد یٰسین نے "Poetics" اردو ترجمہ کے دوران عزیز احمد کے اردو ترجمے سے بھرپور استفادہ کیا۔ اس استفادے کی ایک صورت اصطلاحی اشتراک کی صورت میں بھی دکھائی دیتی ہے۔ ڈاکٹر محمد یٰسین کے اردو ترجمے "کتاب الشعر" میں عزیز احمد کے ترجمے "فن شاعری" کی جھلک صاف دکھائی دیتی ہے، جس کی تفصیل اصطلاحی اشتراک کے باب میں کچھ یوں ہے:

ڈاکٹر محمد یٰسین اور عزیز احمد دونوں کے ہاں "Dithyrambics" کا ترجمہ بھجن کیا گیا ہے۔ "Imitation" کا ترجمہ دونوں مترجمین کے ہاں نقل ہے۔ "Narration" کا ترجمہ بھی ڈاکٹر محمد یٰسین

اور عزیز احمد دونوں نے بیان کیا ہے۔"Hymns"کا ترجمہ بھی دونوں مترجمین نے یکساں طور پر حمد کیا ہے۔ "Praises of famous men"کا ترجمہ بھی دونوں مترجمین نے قصائد کیا ہے۔"Iambic" کو دونوں مترجمین نے آئمک بھی تحریر کیا ہے"Phallic Songs"کا اردو ترجمہ دونوں مترجمین نے شہوانی گیت کیا ہے۔"Fear"کا ترجمہ دونوں مترجمین نے خوف کیا ہے۔"Dramatic Speeches"ترجمہ بھی دونوں مترجمین کے ایک ہاں یکساں یعنی مکالمے ہے۔"Facts " کا ترجمہ بھی عزیز احمد کی طرح ڈاکٹر محمد یٰسین نے عام حقائق کیا ہے۔"Episodic"کا اردو ترجمہ بھی دونوں مترجمین نے مشترکہ طور پر قصّہ در قصّہ پلاٹ کیا ہے۔ اسی طرح"Simple and Complex Plot"کے لیے بھی دونوں مترجمین نے سادہ و پیچیدہ پلاٹ کی اصطلاحات برتی ہیں۔ "Peripeteia" کا ترجمہ بھی دونوں مترجمین نے انقلاب کیا ہے۔"Probable" کا اردو ترجمہ بھی دونوں مترجمین نے قرین قیاس کیا ہے۔"Accident"کا ترجمہ بھی دونوں مترجمین کے ہاں حادثہ ملتا ہے۔"Choric Songs"کا اردو ترجمہ بھی دونوں مترجمین کے ہاں سنگت ملتا ہے۔ "Ethical Tragedy" کا اردو متبادل دونوں مترجمین کے ہاں اخلاقی المیہ ملتا ہے۔" Scenes of Hades"کا اردو ترجمہ بھی عزیز احمد کی طرح ڈاکٹر محمد یٰسین نے بھی "جہنم کے مناظر" ہی کیا ہے۔

ڈاکٹر محمد یٰسین اور ڈاکٹر جمیل جالبی کی "Poetics" کی ترجمہ کردہ اصطلاحات میں اشتراکات:

ڈاکٹر محمد یٰسین اور ڈاکٹر جمیل جالبی دونوں نے"Poetics" کی بنیادی اہمیت کی حامل اصطلاح "Mimesis"کا اردو ترجمہ نقل کیا ہے۔"Narration"کا ترجمہ بھی دونوں مترجمین نے بیان کیا ہے۔ اسی طرح "Hymns"کا ترجمہ بھی ڈاکٹر محمد یٰسین اور ڈاکٹر جمیل جالبی نے حمد کیا ہے۔"------" کا اردو ترجمہ بھی دونوں کے ہاں قصیدہ یا قصائد کیا گیا ہے۔"Iambs" کو اردو کے دونوں ہم مترجمین نے بطور مستعار لفظ لیا ہے اور اسے آئمبس کی صورت میں تحریر کیا ہے۔"----------" کو دونوں نے طنزیہ تشاعری کی صورت میں نقل کیا ہے۔"Fear" کا ترجمہ بھی دونوں مترجمین کے ہاں مشترکہ طور پر خوف کیا گیا ہے۔"Katharsis" کی اصطلاح کا ترجمہ بھی دونوں مترجمین نے مشترکہ طور پر تزکیہ کیا ہے۔ اسی طرح المیہ کے چھے(٦) عناصر ترکیبی میں سے دونوں مترجمین کے ہاں صرف"Plot" اور "Character" کا

ترجمہ پلاٹ اور کردار مشترک ہے۔"Episodic Plot" کا اردو ترجمہ بھی دونوں کے ہاں قصّہ در قصّہ پلاٹ کیا ہے"Simple and Complex Plot" کا اردو ترجمہ دونوں فاضل مترجمین نے سادہ و پیچیدہ پلاٹ کیا ہے۔"Anagnorsis" کا اردو ترجمہ بھی دونوں مترجمین نے مشترکہ طور انکشاف پر کیا ہے۔ "Necessary" کا اردو ترجمہ بھی ڈاکٹر محمد یٰسین اور ڈاکٹر جمیل جالبی نے یقینی کیا ہے۔ "Probable" کا اردو ترجمہ بھی دونوں مترجمین نے قرین قیاس کیا ہے۔ "Scenees of Hades" کا اردو ترجمہ بھی دونوں اردو مترجمین نے مشترکہ طور پر جہنم کے مناظر کیا ہے۔

ڈاکٹر محمد یٰسین اور شمس الرحمٰن فاروقی کی "Poetics" کی ترجمہ کردہ اصطلاحات میں اشتراکات :

ڈاکٹر محمد یٰسین اور شمس الرحمٰن فاروقی کی "Poetics" کی ترجمہ کردہ اصطلاحات میں اشتراک کی تفصیل کچھ یوں ہے۔ ڈاکٹر محمد یٰسین اور شمس الرحمٰن فاروقی دونوں نے "Tragedy" کا ترجمہ المیہ شاعری، "Comedy" کا ترجمہ طربیہ شاعری، "Epic Poetry" کا رزمیہ شاعری، "Hymns" کا ترجمہ حمد، "Iambs" کا ترجمہ آئمبک شاعری، "Narration" کا ترجمہ بیان، "Fear" کا ترجمہ خوف، "Rhythm" کا ترجمہ آہنگ، "Plot" اور "Character" کا ترجمہ "پلاٹ اور کردار، "Begining" کا ترجمہ آغاز، "End" کا ترجمہ انجام "Complex Tragedy" کا ترجمہ پیچیدہ المیہ، "Pathatic Tragedy" کا ترجمہ دردناک المیہ "Ethical Tragedy" کا ترجمہ اخلاقی المیہ کیا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ وحید الزمان قاسمی، کیرالوی، مولانا، القاموس الوحید، ادارۂ اسلامیات، ۲۰۲۱، ص ۸۶۷

۲۔ الٰہی بخش اختر اعوان، ڈاکٹر، کشاف اصطلاحات لسانیات، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۹۵ء، ص ۴۶۳

۳۔ سید احمد دہلوی، مولوی، فرہنگ آصفیہ، ص ۱۲۰

۴۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، قومی انگریزی اُردو لُغت، ص ۱۳۲۱

۵۔ محمد عبداللہ خویشگی، فرہنگ عامرہ، طبع اوّل، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۸۹، ص ۱۱

۶۔ ابوالاعجاز حفیظ صدیقی، کشاف تنقیدی اصطلاحات، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۸۵ ۱۹ء، ص ۱۳

۷۔ The penguin Dictionary of Literary Terms and Literary Theory (Fourth Edition), The Estate of J.A. Cuddon,1998, P 872

۸۔ عابد علی عابد، سید، اسلوب، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۷۱، ص ۳۶

۹۔ سید عبداللہ، ڈاکٹر، وجہی سے عبدالحق تک، سنگ میل پبلیکیشنز، لاہور، ۱۹۹۶، ص ۳۷۱-۳۷۲

۱۰۔ گوپی چند نارنگ، ڈاکٹر، ادبی تنقید اور اسلوبیات، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۱ء، ص ۱۴

۱۱۔ عابد علی عابد، سید، ایضاً، ص ۸۹

۱۲۔ سید عبداللہ، ڈاکٹر، ایضاً، ص

۱۳۔ عزیز احمد (مترجم)، فن شاعری، ازارسطو، انجمن ترقی اردو، بابائے اردو روڈ، کراچی، ۱۹۸۶، ص ۳۹

۱۴۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، (مترجم) بوطیقا، ازارسطو، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۹۸ء، ص ۲۹

۱۵۔ شمس الرحمٰن فاروقی، (مترجم) شعریات، ازارسطو، فکشن ہاؤس، لاہور، ۲۰۱۹ء، ص ۵۴

۱۶۔ محمد یٰسین، ڈاکٹر، (مترجم) کتاب الشعر، ازارسطو، انجمن ترقی اردو (ہند)، ۱۹۷۵ء، ص ۴۶

۱۷۔ عزیز احمد، ایضاً، ص ۴۸

۱۸۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، ایضاً، ص ۳۷

۱۹۔ شمس الرحمٰن فاروقی، ایضاً، ص ۶۴

۲۰۔ محمد یٰسین، ڈاکٹر، ایضاً، ص ۵۲

۲۱۔ عابد علی عابد، سید، ایضاً، ص ۱۰۴

۲۲۔ عزیز احمد، ایضاً، ص۴۵
۲۳۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، ایضاً، ص۳۳
۲۴۔ شمس الرحمٰن فاروقی، ایضاً، ص۶۰
۲۵۔ محمد یٰسین، ڈاکٹر، ایضاً، ص۴۹
۲۶۔ عابد علی عابد، سید، ایضاً، ص۸۰
۲۷۔ عزیز احمد، ایضاً، ص۱۵
۲۸۔ Schleiermacher, on The different methods of translating, in R. Schulte and J.Biguenet, 1992, P 36-54
۲۹۔ Riess,K, Text types, translation types and translation assessment, translated by Chesterman, 1989, P 105-115
۳۰۔ مرزا حامد بیگ، ڈاکٹر، اردو ترجمے کی روایت (۱۷۸۶ء تا حال)، دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد، ۲۰۱۶ء، ص۶۴
۳۱۔ فاخرہ نورین، ڈاکٹر، ترجمہ کاری، ادارہ تحقیقات اردو، اسلام آباد ۲۰۱۴، ص۱۹
۳۲۔ مرزا حامد بیگ، ڈاکٹر، ایضاً، ص۶۴
۳۳۔ Vinay and Darbelnet, A Methodology for Translation John Benfamins, Amsterdam, 1995, p84
۳۴۔ عزیز احمد، ایضاً، ص۳۷
۳۵۔ Thomes Twining, Aristotle's poetics, J.M. Dent & Sons Ltd, London, 1953, P 15
۳۶۔ عزیز احمد، ایضاً، ص۴۸
۳۷۔ Thomes Twing, ibid, P 14
۳۸۔ عزیز احمد، ایضاً، ص۴۸
۳۹۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، ایضاً، ص۲۷
۴۰۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، ایضاً، ص۳۹

۴۱۔ T.S. Dorsch, Aristotle on The Art of Poetry, Penguine classics, London 1965, P 38-39

۴۲۔ شمس الرحمن فاروقی، ایضاً، ص ۵۰

۴۳۔ شمس الرحمن فاروقی، ایضاً، ص ۶۴

۴۴۔ S. H. Butcher, Poetics of Aristotle, Macmallin And Co.,Ltd. Newyork, 1902, P23

۴۵۔ محمد یٰسین، ڈاکٹر، ایضاً، ص ۵۲

۴۶۔ Riess. K, ibid, p 107

۴۷۔ مرزا حامد بیگ، ڈاکٹر،

۴۸۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، ارسطو سے ایلیٹ تک، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، ۲۰۱۹، ص ۹۲

۴۹۔ وحید الدین سلیم، مولوی، وضع اصطلاحات، انجمن ترقی اردو، کراچی، ۱۹۶۵، ص ۱۲

۵۰۔ وارث سرہندی، اردو اصطلاحات: ایک جائزہ، مشمولہ، اصطلاحی مباحث، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۹۰، ص ۲۱

۵۱۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، جامعہ عثمانیہ حیدر آباد کا علمی سرمایہ اور اردو اصطلاحات، مشمولہ، اصطلاحی مباحث، ص ۷۷

۵۲۔ عطش درانی، ڈاکٹر، اصطلاحی جائزے، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۹۸، ص ۹۱

۵۳۔ وحید الدین سلیم، مولوی، ایضاً، ص

"Poetics" کے ترجمہ شدہ متون میں اختلافات

اس باب میں اردو میں مغربی تنقید کے بنیادی ماخذ "Poetics" کے اردو تراجم کے مابین تقابل کر کے ان تراجم میں پائے جانے والے اختلافات کی نشاندہی کرنے کے ساتھ ساتھ ان کا تجزیہ بھی کیا جائے گا۔ یہ تقابل اسلوب، تکنیک اور اصطلاحات کے حوالے سے کیا جائے گا۔

"Poetic" کے اردو تراجم کے اسلوب میں اختلافات کا تقابل

ادبی و تنقیدی مطالعہ کے دوران جو چیز نقاد اور قاری کے سامنے روز روشن کی طرح کھل کر سامنے آتی ہے وہ مصنف، فنکار، لکھاری اور مترجم کا اسلوبِ بیان اور طرز نگارش ہے۔ ادب میں اسلوبِ بیان اور طرز نگارش کو ثانوی نہیں بلکہ بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ اس حوالے سے ہمیں یہ نکتہ فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ ادب و تنقید کے بنیادی مباحث میں ایک مسئلہ ہمیشہ زیرِ بحث رہا اور آج بھی اس پر سوال و جواب اور نقد نظر کا سلسلہ برابر جاری و ساری ہے کہ ادب اور غیر ادب میں کیا فرق ہے؟ اور ایک ادبی تحریر کی وہ کون سی بنیادی اور امتیازی خصوصیات یا اوصاف ہوتے ہیں جن کا کی بنا پر اِسے غیر ادبی تحریر سے الگ سمجھا جاتا ہے۔ اس سوال کی اہمیت کے پیش نظر ڈھائی ہزار سال سے اس سوال کا جواب دینے کی سعی کی جاتی رہی ہے۔ ارسطو کی "Poetic" میں بھی یہ سوال معرضِ بحث میں آیا ہے اور اس کا جواب اس نے اپنے مخصوص تجزیاتی، تقابلی اور سائنسی انداز میں فراہم کیا:

> "فن کی وہ صنف جو صرف زبان سے تعلق رکھتی ہے، چاہے زبان نثر ہو یا نظم اور نظم چاہے مختلف بحروں کا مجموعہ ہو یا ایک خاص قسم کی بحر کا، اب تک بے نام ہے"۔ (۱)

اس بیان سے قبل ارسطو نے ادب کا موسیقی اور مصوری سے تقابل کر کے یہ نکتہ واضح کیا تھا کہ موسیقی میں وزن (Rhythm) اور مصوری میں رنگوں کا استعمال کیا جاتا ہے. اس بحث کو آگے بڑھاتے ہوئے اس نے یہ نکتہ واضح کیا کہ نثر و نظم (ادب) میں نمائندگی، پیش کش، نقالی یا محاکات نگاری کے لیے لفظوں کو بطور ذریعہ (Medium) استعمال کیا جاتا ہے اور جس طرح متناسب آوازیں اور رنگوں کا موزوں استعمال

حسن کاری کا فریضہ سر انجام دے کر سامع و ناظر کو مسرت بہم پہنچاتا ہے۔ اسی طرح (ادب) نثر و نظم میں الفاظ کے خوبصورت استعمال کی مدد سے جمالیاتی لطف بہم پہنچایا جاتا ہے۔ ارسطو کے نظریے کو ادب و تنقید اور فلسفہ و جمالیات میں ایک اہم اور بنیادی نظریے کے طور پر قبول کیا جاتا ہے اور اس کا مطالعہ فکر و شعور کی پرورش اور فنونِ لطیفہ کی مبادیات کی تفہیم کے لیے نہایت کلیدی اہمیت کا حامل تصور کیا جاتا ہے۔

درجہ بالا بحث سے جو بات نمایاں کرنا مقصود ہے وہ یہ ہے کہ ادب میں لفظ کا خوبصورت استعمال ہی بنیادی اہمیت کا حامل ہے اور یہی چیز ادب کو غیر ادب سے ممیز و ممتاز کرنے کے ساتھ ساتھ فنون لطیفہ کے منطقے میں ادب کو برتر مقام عطا کرتی ہے اور اسی چیز کو اصطلاح میں اسلوب، سٹائل یا سبک (Style) کہا جاتا ہے۔

ارسطو کے بعد لانجائنس (Lmginus) نے اپنے مشہور زمانہ مقالے "On The Subline" میں بھی اسلوب اور اسلوب عالیہ (Grand Style) پر اعلیٰ پائے کے افکار پیش کیے اور اسے ادب / زبان میں علویت (Sublimity) پیدا کرنے کے لیے ضروری قرار دیا:

> "علویت طرز ادا کی مخصوص خوبی اور امتیازی صفت ہے اور یہی وہ سرچشمہ ہے کہ جہاں سے عظیم ترین شعرا اور مؤرخین نے فضیلت اور دائمی شہرت حاصل کی"۔ (۲)

گویا لانجائنس کے خیال میں ادب میں علویت پیدا کرنے کے لیے طرز ادا یعنی اسلوب کی خوبی بنیادی حیثیت اور اہمیت رکھتی ہے اور اسی خوبی کی بنا پر ادبی فن کار کو دنیائے ادب میں دائمی عزت و شہرت بھی حاصل ہوتی ہے۔

تاریخ ادب و تنقید کے ان دو بنیادی صحائف (بوطیقا اور علویت کے بارے میں) سے درجہ ذیل بنیادی نکات سامنے آتے ہیں:

۱۔ ادب بھی دوسرے فنون لطیفہ کی مانند ایک فن لطیف (Fine Art) ہے۔

۲۔ جس طرح دوسرے فنون رنگ، سر، سنگ اور آہنگ کو حسن کاری کے لیے بروئے کار لاتے ہیں، اسی طرح ادب لفظ کے خوبصورت استعمال سے حسن پیدا کرتا ہے (جسے طرز / اسلوب کہا جاتا ہے)۔

۳۔ اسلوب ہی فنکار / شاعر و ادیب کی امتیازی خوبی ہے اور یہ وصف اسے شہرتِ دوام عطا کرتا ہے۔

گویا ادب کو ادب بنانے والی بنیادی خوبی، ناگزیر وصف اور اہم خصوصیت اسلوب ہے۔ ادبی تحریر سے اسلوب کا پہلو نکال دیا جائے تو تحریر لفظوں کا ڈھیر اور معلومات کا ذریعہ تو رہ جائے گی مگر ادب نہیں۔

جہاں اسلوب (Style) ادب اور غیر ادب میں امتیاز پیدا کرتا ہے وہاں یہ اسلوب ہی ہے جو ایک مصنف، شاعر اور ادیب کو دوسرے سے الگ کرتا ہے۔ اس کی علیحدہ شناخت قائم کرتا ہے اور دنیائے ادب میں اس کی بقا یا فنا کا باعث بنتا ہے۔ یوں یہ بات پورے وثوق اور کامل اعتماد سے کہی جاسکتی ہے کہ اسلوب ایک انفرادی چیز ہے اور اسلوب کی بنا پر ہی لکھنے والے کی تحریر دوسری ادبی تحریروں سے الگ اور منفرد رنگ اختیار کر کے اپنی پہچان کراتی ہے۔

سبک شناسی اور اسلوب کی شناخت ایک دلچسپ مگر پیچیدہ عمل ہے۔ آنے والے صفحات میں اس پر تفصیلی بحث کی جائے گی اور "Poetics" کے مترجمین کے اسلوب کے اختلافات کو نمایاں کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ مگر فی الوقت چند بنیادی نکات کی صراحت ضروری معلوم ہوتی ہے، جن کی بنیاد پر اسلوبی اختلافات کو نہ صرف نمایاں کرنا ممکن ہو سکے گا بلکہ انھیں بنیادی نکات کی بنا پر "Poetics" کے اردو تراجم میں پائے جانے والے اسلوب کے اختلافات پر بھی بات کی جائے گی۔ جو نکتہ زیرِ بحث ہے اس کا لب لباب یہ ہے کہ اسلوب قطعاً اور کلیتاً ایک انفرادی شے ہے اور جس طرح دو انسانوں کے خدوخال، گفتار و کردار، رنگ ڈھنگ، سوجھ بوجھ حتیٰ کہ انگلیوں کے نشانات (Finger prints) میں فرق ہے اسی طرح دو لکھنے والوں کی تحریریں بھی کبھی ایک جیسی نہیں ہوتیں۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ فرق مقصود فطرت بھی ہے اور رمز ادب بھی۔ تاریخ تنقید میں شعوری اور غیر شعوری طور پر ہمیشہ شعرا و ادبا کے طرز خاص یا انفرادی اندازِ نگارش کو توجہ اور اہمیت حاصل رہی ہے اور اسی بنیاد پر ان کے مقام و مرتبے کا تعین بھی کیا جاتا رہا ہے۔

لونجائنس (Longinus) نے اس انفرادیت کو کچھ یوں پیش کیا ہے:

"علویت اعلیٰ دماغ کی صدائے بازگشت ہے۔

"شاندار طرز ادا قدرتی طور پر اعلیٰ دماغ لوگوں ہی میں ہوتا ہے"۔ (۳)

اسی طرح اسلوب کی انفرادیت پر بفن (Buffan) نے جو بات کہی اسے تو ضرب المثل کا درجہ حاصل ہو چکا ہے۔ یعنی (Style is man himself) (اسلوب فن کار ہی کا دوسرا نام ہے)

بوفون ہی کے اس معروف قول کی مزید صراحت غلام جیلانی اصغر کی اس رائے سے ہوتی ہے کہ:

"جس طرح ماں باپ کا ناک نقشہ بچے تک منتقل ہوتا ہے اسی طرح ادیب کا انداز فکر، اس کا تخیل، اس کا استدلال، اس کے اسلوب میں منتقل ہوتا ہے اسی لیے بوفون کا یہ کہ قول اسٹائل شخصیت کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ صرف ادبی ہی نہیں حیاتیاتی سطح پر بھی صحیح ہے"۔ (۴)

غلام جیلانی اصغر کی یہ رائے بہت ہے کہ مصنف کی شخصیت کے اکثر عناصر اسلوب پر اثرانداز ہوتے ہیں اور ان جملہ عناصر میں سے انھوں نے حیاتیاتی عنصر کو بطور خاص نمایاں کیا۔ لیکن راقمِ مقالہ کے خیال میں کسی ادیب کے اسلوب کی تشکیل کے لیے نہ صرف حیاتیاتی عناصر اہمیت رکھتے ہیں بلکہ نفسیاتی اور عمرانی عناصر بھی اس میں اتنا ہی اہم کردار ادا کرتے ہیں جتنا کہ دوسرے عناصر۔ ایک ادیب کی شخصیت کی تعمیر جس ماحول و معاشرے میں ہوتی ہے، جو خارجی عناصر اس پر اثرانداز ہوتے ہیں اور داخلی سطح پر ادیب کے ہاں جو ردعمل پیدا ہوتا ہے، یہ سارا جدلیاتی عمل (Dialectical process) امتزاجی اور پراسرار انداز میں اس کے شعور و لاشعور پر اثرات مرتب کرکے اس کی شخصیت کی ساخت اور اس کے اسلوب کی پرداخت میں رونما ہوتا ہے۔ گویا معاصر سماجی اور نفسیاتی صورتحال انفرادی اسلوب کی تشکیل میں اپنا گہرا اثر ڈالتی ہے۔ اس حوالے سے ڈاکٹر رشید امجد کی رائے دیکھیے:

"کسی تخلیق کار کی عصری حیثیت کا تعین جن باتوں سے کیا جاتا ہے ان میں عصری معاشرتی مزاج کی عکاسی اور اسلوب برابر کی اہمیت رکھتے ہیں۔ اسلوب کسی چیز کو عصری تازگی کے ساتھ ساتھ تصدیقی پہچان بھی عطا کرتا ہے"۔ (۵)

یوں معلوم ہوتا ہے کہ اسلوب کی انفرادیت اور خوبی کا دارومدار بہت سے نفسیاتی، سماجی، عمرانی، سیاسی اور اقتصادی عناصر کے امتزاج اور پھر تحریر کی صورت میں اس کی عکاسی پر ہے۔ لیکن یہ تو طے ہی کہ اسلوب ہمیشہ انفرادی صورت میں اپنا جلوہ دکھاتا ہے اور اِسی نکتے کو سید عابد علی عابد نے بڑی صراحت کے ساتھ کچھ یوں بیان کیا ہے:

"اسلوب سے مراد لکھنے والے کی وہ انفرادی طرز نگارش ہے جس کی بنا پر وہ دوسرے لکھنے والوں سے ممیز ہو جاتا ہے۔ اس انفرادیت میں بہت سے عناصر شامل ہیں"۔ (۶)

اب جب کہ سید عابد علی عابد نے عناصر کی بات کی تو ان عناصر کی فہرست مرتب کی جاتی ہے جو اسلوب کی تشکیل اور انفرادیت میں حصہ لیتے ہیں:

۱۔ مصنف کی شخصیت۔

۲۔ مصنف کا زبان کا مطالعہ و علم اور دوسری زبان پر مہارت / دلچسپی۔

۳۔ مصنف کا مختلف علوم و فنون اور خصوصاً صاحبِ طرز مصنفین کا مطالعہ اور اثر پذیری۔

۴۔ مصنف کے معاصر سماجی و عمرانی حالات۔

۵۔ مصنف کے عہد کا سیاسی ماحول۔

۶۔ مصنف کی معاشی حالت (اس کے ملک و معاشرے اور ذات کی)۔

۷۔ اسلوب میں انفرادیت پیدا کرنے کی خاطر محنت، ریاضت، لگن اور شعوری کاوش۔

ان تمام عناصر کے کیمیائی امتزاج کے بعد ایک قلم کار کی زبان مخصوص تراش خراش اور وضع کی حامل بن کر صفحہ قرطاس پر منتقل ہو کر انفرادی اسلوب کی صورت میں جلوہ گر ہوتی ہے۔

درجہ بالا مباحث اور عناصر کو زیر بحث لانے کا مقصد یہ ہے کہ آئندہ صفحات میں "Poetics" کے اردو تراجم میں پائے جانے والے اسلوب کے اختلاف پر بات ہو گی اور یہ دکھانے کی کوشش کی جائے گی کہ کن اوصاف اور خصوصیات کی بنا پر ایک مترجم کا اسلوب دوسرے مترجم سے مختلف بھی ہے اور انفرادی خصوصیت کا حامل بھی۔ "Poetics" کے تمام مترجمین نہ صرف صاحب علم و فن ہیں بلکہ ان کا شمار اردو زبان کے صفِ اوّل کے مصنفین میں ہوتا ہے۔ ان کے قلم نے ترجمہ کاری کے علاوہ بھی ادب کے دیگر شعبوں اور اصناف میں اپنی غیر معمولی صلاحیتوں کی بدولت تخلیق کے نہایت ہی رنگین، خوشبودار اور سدا بہار پھول کھلائے ہیں۔

"Poetics" کے اردو تراجم میں اسلوب کے اختلاف کے جائزے میں لفظوں کے استعمال کا تجزیہ و تقابل بھی کیا جائے گا اور جملوں کی ساخت بھی دیکھی اور سمجھی جائے گی۔ جملے میں رموز او قاف کا استعمال کس طرح اس کو سنبھالتا اور بامعنی بناتا ہے اور "Poetics" کے مترجمین نے رموزواقاف کو اپنے جملوں کی ساخت اور ان کے معنی میں اضافہ کرنے کے لیے کیسے کیسے اور کہاں استعمال کیا۔ اردو متن میں دوسرے متون / انگریزی متن کی موجودگی کی صورت کیا ہے؟ مترجم نے زبان کی آرائش و زیبائش کے لیے کیا تدابیر کیں اور ان کی بدولت تحریر کی روانی میں اضافہ ہوا یا کمی ہوئی؟

"Poetics" کے مترجمین نے ماخذ متن کے لب و لہجے اور رنگ و آہنگ کو فوقیت اور افضلیت دی یا ہدفی زبان کے رجحان کا حامل متن مرتب کیا؟

اس مطالعے میں ان تمام عناصر کا مطالعہ وتقابل شامل ہے جو "Poetics" کے اردو تراجم کے اسلوب میں انفرادی عناصر کی موجودگی اور انھیں دوسرے تراجم سے علیحدہ شناخت عطا کرتے ہیں۔

"Poetics" کے اردو تراجم کے اسلوب میں اختلاف کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ تمام مترجمین نے اردو ترجمے کے لیے الگ الگ ماخذ متن (S.T) کا انتخاب کیا ہے۔ انگریزی زبان میں "Poetics" کے تراجم اور تشریحات کی کثیر تعداد موجود ہے اور عزیز احمد کے بقول الہامی کتب اور شیکسپیئر کی تخلیقات کے بعد جس تصنیف پر سب سے زیادہ لکھا گیا، اس کے تراجم ہوئے۔ تشریحات اور تفاسیر لکھی گئیں اور اصطلاحات پر بات ہوئی۔ وہ ارسطو کی بوطیقا ہے۔ اردو زبان میں باضابطہ تنقید کی تاریخ سو سوا سو سال سے زیادہ نہیں۔ اردو میں ارسطو کے افکار کی تفہیم کے لیے پہلا باضابطہ اردو ترجمہ عزیز احمد کا ہے جو "فن شاعری" کے نام سے پہلی بار ۱۹۴۱ء میں جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن سے شائع ہوا۔ یوں اردو میں ارسطو کی فکر کی باضابطہ ترجمے کے ذریعہ تفہیم کا آغاز (۸۰) سال قبل ہوا۔ عزیز احمد نے " فنِ شاعری" کے دیباچے میں بتایا کہ یہ ترجمہ انھوں نے مختلف تراجم کی مدد سے کیا۔ لیکن جہاں پر اختلاف پایا وہاں ایس۔ ایچ۔ بچر (S.H.Butcher) کے ترجمے کو ترجیح دی۔ لیکن راقمِ مقالہ نے دوران تحقیق جب تقابلی مطالعہ کیا تو معلوم ہوا کہ عزیز احمد نے "تھامس ٹوائننگ" کے ترجمے کی بنیاد پر اردو متن تیار کیا ہے۔ ترجمہ چونکہ لفظی ہے جس کی تفصیل دوسرے باب میں دے دی جا چکی ہے، اس لیے ہر لفظ اور ہر سطر کی سطح پر عزیز احمد نے "تھامس ٹوائننگ" کے ترجمے کو ہی ترجیح دی ہے۔ سو عزیز احمد کا ترجمہ ٹوائننگ کے انگریزی متن سے تیار ہوا۔

"Poetics" کا دوسرا ترجمہ ڈاکٹر جمیل جالبی نے "بوطیقا" کے نام سے کیا، جو پہلے پہلے ان کی کتاب "ارسطو سے ایلیٹ تک" اور بعد میں مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد سے عظیم کتب کی اشاعت کے دوران علیحدہ کتاب کی صورت میں ۱۹۹۸ء میں شائع ہوا۔ اس ترجمے کے لیے انھوں نے "ٹی۔ ایس۔ دورش" کے جدید انگریزی متن کو بنیاد بنایا۔ تیسرا اردو ترجمہ شمس الرحمٰن فاروقی کا ہے جو "ایس۔ ایچ۔ بچر" کے انگریزی متن کی بنیاد پر کیا گیا۔ اسی طرح ڈاکٹر محمد یٰسین کا اردو ترجمہ "کتاب الشعر" کا ماخذ متن انگرام بائی واٹر کا انگریزی متن ہے۔ یہ ترجمہ ۱۹۷۵ میں شائع ہوا۔

یوں ہم دیکھتے ہیں کہ "Poetics" کے مترجمین نے کسی ایک ماخذ متن (S.T) کو بنیاد نہیں بنایا بلکہ اپنی ذاتی پسند، دلچسپی یا سرپرستی کرنے والے ادارے کی خواہش یا فرمائش کے مطابق مختلف متون کو اردو زبان میں ترجمہ کیا ہے۔ ماخذ متن کے اس اختلاف کے باعث، ہدفی متن کے اسلوب میں اختلاف، نیرنگی اور انفرادیت کا پیدا ہونا قدرتی بات تھی "Poetics" کے اردو تراجم کے اسلوب میں اختلاف کا سب سے بڑا سبب مختلف انگریزی ماخذ متون کو بنیاد بنا کر ان سے استفادہ کرنا ہے۔

اردو زبان و ادب اور تنقید کو اس سے فائدہ یہ ہوا کہ مختلف نوع کے تنقیدی اسالیب اور تراکیب و اصطلاحات سے اردو زبان کے ادب کو مغربی تنقید سے شناسائی ہوئی اور متنوع تراجم کے مطالعے، تجزیے اور تقابل کے بعد ارسطو کی فکر کی بہتر تفہیم بھی ممکن ہوئی۔ یہی اس اسلوبی تنوع کی بڑی دین ہے۔

"Poetic" کے اردو تراجم میں اسلوب کے تقابل کی غرض سے اب ہدفی متون کا تفصیلی تقابل کیا جاتا ہے۔

ارسطو نے "Poetics" میں پلاٹ کو مرکزی حیثیت دی اور "المیہ" کے چھے اجزائے ترکیبی میں پلاٹ پہلا جزو ہے۔ اس حوالے سے "Poetics" کے چھٹے باب میں پلاٹ کے حوالے سے درجہ ذیل بنیادی اہمیت کا حامل جملہ دیکھیے، کہ مختلف مترجمین نے اس کو کس طرح اردو زبان کا روپ عطا کیا ہے:

عزیز احمد:

"لہٰذا ٹریجڈی کا خاص عنصر روئیداد ہے۔ یوں کہیے کہ یہ اس کی روح ہے"۔

ڈاکٹر جمیل جالبی:

"لہٰذا پلاٹ ٹریجیڈی کا پہلا اور بنیادی جزو ہے۔ اس کی حیثیت ٹریجیڈی کی رگوں میں خون کی سی ہے"۔ (۸)

شمس الرحمٰن فاروقی:

"لہٰذا پلاٹ المیہ کا اصل الاصول اور گویا اس کی روح ہے"۔ (۹)

ڈاکٹر محمد یٰسین: "المیہ کے تمام اجزائے ترکیبی میں پلاٹ کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے"۔ (۱۰)

درج بالا جملوں کا مرکزی مفہوم محض یہ ہے کہ پلاٹ المیے کا بنیادی جزو ہے۔ عزیز احمد نے اس کے لیے "خاص عنصر" کی ترکیب استعمال کی، ڈاکٹر جمیل جالبی نے "پہلا اور بنیادی جزو" کے الفاظ استعمال کیے۔

شمس الرحمن فاروقی نے اسے "اصل الاصول" قرار دیا اور ڈاکٹر محمد یٰسین نے "سب سے زیادہ اہمیت کا حامل" کہا ہے۔

عزیز احمد نے اس کے لیے ایک ہی طویل جملہ استعمال کیا، جمیل جالبی نے دو چھوٹے چھوٹے جملوں میں بات کی "شمس الرحمٰن فاروقی نے بھی ایک جملہ استعمال کیا۔

عزیز احمد کا جملہ پندرہ(۱۵) الفاظ پر مشتمل ہے، ڈاکٹر جمیل جالبی نے اسی خیال کو بیس(۲۰) الفاظ میں پیش کیا، شمس الرحمٰن فاروقی نے مدعا کے بیان کے لیے بارہ(۱۲) الفاظ ہوتے ہیں۔

یوں یہ دلچسپ حقیقت بھی سامنے آتی ہے کہ ایک جملے کے متقاضی خیال کی ترسیل کے لیے پندرہ، بیس اور بارہ الفاظ برتے گئے لفظوں کی برت اور استعمال میں یہ فرق ظاہر کرتا ہے کہ کس طرح ایک بات کی تفہیم و ترسیل کے لیے مترجمین کے ہاں لفظون کے استعمال کے ضمن میں کمی یا بیشی دیکھنے کو ملتی ہے۔ گویا یوں کہا جاسکتا ہے کہ شمس الرحمٰن فاروقی کے اسلوب میں ایجاز کی مثال ملتی ہے۔ عزیز احمد کے اسلوب میں اختصار ہے جبکہ جمیل جالبی کے ہاں تفصیل کا رجحان ہے۔ ایک اور توجہ طلب نکتہ جس پر آنے والے صفحات میں قدرے تفصیل سے روشنی ڈالی جائے گی وہ یہ ہے کہ عزیز احمد اور شمس الرحمٰن فاروقی نے مدعا کو ایک جملے میں بیان کیا ہے۔ اس کے برعکس ڈاکٹر جمیل جالبی نے ابلاغ کے لیے دو چھوٹے چھوٹے جملے استعمال کیے ہیں۔

"Poetics" کے تناظر میں دیکھا جائے تو پلاٹ کے لیے "خاص عنصر" اور "اصل الاصول" کے لفظوں کے استعمال کی نسبت "پہلا اور بنیادی جزو" کے الفاظ نہایت ہی موزوں، مناسب اور برمحل ہیں، جن سے ایک طرف تو بنیادی خیال کی تیر بہ ہدف ترسیل ہوتی ہے اور دوسری طرف ارسطو کے خیال کی عمدہ تفہیم بھی ہو جاتی ہے۔ ارسطو نے المیہ کے چھے اجزا میں پلاٹ کو پہلے نمبر پر رکھا ہے۔ اس لیے عزیز احمد اور شمس الرحمٰن فاروقی کے الفاظ کی نسبت ڈاکٹر جمیل جالبی کے الفاظ ارسطو کی فکر کی درست ترجمانی کرتے ہیں۔

عزیز احمد اور ڈاکٹر جمیل جالبی نے Tragedy کا اردو میں موزوں، مناسب اور متداول ترجمہ "المیہ" ہونے کے باوجود اس کا ترجمہ نہیں کیا بلکہ ماخذ زبان کا لفظ ہی مستعار لے لیا ہے، جبکہ شمس الرحمٰن فاروقی نے المیہ کا لفظ استعمال کیا جو ترجمے کے اعتبار سے موزوں ترین ہے۔ اسی طرح " Plot" کے لیے عزیز احمد نے روئیداد کا لفظ استعمال کیا جبکہ اردو میں یہ لفظ پلاٹ (مستعار لفظ کی صورت میں) اردو زبان و ادب اور تنقید کا جزو بن چکا ہے۔

درجہ بالا جملوں کے تجزیہ و تقابل سے یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ عزیز احمد اور شمس الرحمٰن فاروقی کے برعکس ڈاکٹر جمیل جالبی کی زبان سادہ، صاف، سلیس اور رواں ہے، فقط ٹریجیڈی کا لفظ کھٹکتا ہے اس کی جگہ اگر "المیہ" کی اصطلاح استعمال کی جاتی تو زیادہ موزوں معلوم ہوتی۔

"Poetics" کے تراجم کے اسلوب میں اختلاف کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ بعض مترجمین کے ہاں جملہ سازی کی سطح پر مختلف رجحان دکھائی دیتا ہے۔ عزیز احمد اور شمس الرحمٰن فاروقی کے ہاں طویل جملہ لکھنے کا میلان پایا جاتا ہے جبکہ ڈاکٹر جمیل جالبی کے جملے چھوٹے اور مختصر ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر جمیل جالبی کے ہاں چھوٹا جملہ لکھنے کا رجحان "بوطیقا" کے ترجمے کے تمام حصوں میں موجود ہے۔ اس حوالے سے ڈاکٹر جمیل جالبی کے ترجمے سے ایک اقتباس ملاحظہ کیجئے:

> "کچھ فنکار یا تو نظریاتی علم سے یا پھر طویل مشق سے اشیا کی شکل یا ان کے رنگ کی نقل کی ادائیگی پر قدرت رکھتے ہیں۔ دوسرے فنکار یہی عمل آواز کے استعمال سے کرتے ہیں۔ جن فنون کا میں نے ابھی ذکر کیا ہے، ان میں نقل وزن، زبان اور موسیقی کے ذریعے پیدا کی جاتی ہے"۔ (۱۱)

اب ذرا اسی مفہوم کا حامل شمس الرحمن فاروقی کے ترجمے سے اقتباس ملاحظہ کیجیے:

> "چوں کہ ایسے لوگ موجود ہیں جو شعوری اور ارادی فن کاری کے ذریعے یا محض عادتاً، رنگ، ہیئت یا آواز کے وسیلے سے مختلف اشیا کی نمائندگی کر لیتے ہیں، لہٰذا محولہ بالا شعری اور موسیقاتی فنون میں نمائندگی کا عمل مجموعی طور پر آہنگ، زبان اور سریلی آواز کے ذریعے ظاہر ہوتا ہے"۔ (۱۲)

درجہ بالا دونوں اقتباسات کا تقابلی جملوں کی طوالت کی بنا پر کرنے سے یہ بات آئینہ ہو جاتی ہے کہ ڈاکٹر جمیل جالبی کے ہاں مختصر اور چھوٹے جملے لکھنے کا رجحان غالب دکھائی دیتا ہے، اس کے برعکس شمس الرحمٰن فاروقی اور عزیز احمد کے ہاں جملوں کی ساخت طویل ہے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی نے جو بات کرنے کے لیے تین جملے لکھے وہی بات شمس الرحمٰن فاروقی نے محض ایک جملے میں کی، یہی رجحان عزیز احمد کے ہاں بھی دکھائی دیتا ہے۔

عزیز احمد نے "Poetics" کے ترجمے "فنِ شاعری" میں مستعار انگریزی الفاظ و اصطلاحات کا استعمال بکثرت ہوا ہے جس کی تفصیل اس مقالے کے مختلف حصوں میں موضوع کی مناسبت سے کر دی گئی ہے۔ وہ ایسے الفاظ بھی ماخذ زبان سے مستعار لینے پر بضد ہیں جن کے اردو مترادفات بہ آسانی دستیاب ہیں

لیکن ان کا الفاظ مستعار لینے کا طریقہ دلچسپ ہے۔ وہ مآخذ زبان کا جو لفظ یا اصطلاح مستعار لیتے ہیں، قوسین میں اس کا مترادف یا مفہوم بھی درج کر دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر " ٹریجیڈی (المیہ)"، کامیڈی (طربیہ) "ایپک (رزمیہ)" وغیرہ۔ اس سے ترجمے کی روانی متاثر ہوتی ہے۔ اس کے برعکس اگر محض اردو مترادف ہی درج کر دیا جاتا تو ترجمہ رواں اور دلنشیں ہوتا۔ عزیز احمد کے ترجمے کے اسلوب میں لفظ کے استعمال کی سطح پر ایک اور توجہ طلب بات یہ ہے کہ انھوں نے ہندی الفاظ بھی استعمال کیے ہیں، جن میں سبھی موزوں نہیں ہیں، بھجن، سنگیت، سنگت اور چنگ وغیرہ۔

اس کے برعکس ڈاکٹر جمیل جالبی کے ترجمے کا اسلوب خالص صاف ستھری، نکھری ہوئی متین اردو کا نمونہ پیش کرتا ہے۔ لیکن ان کے ترجمے کی ایک بہت نمایاں خصوصیت مستعار الفاظ کا بکثرت استعمال ہے۔ ایسی بہت سی تراکیب، الفاظ و اصطلاحات جن کے اردو مترادفات متداول، معروف اور مروج ہیں، کے لیے بھی بعض مقامات پر انھوں نے ماخذ زبان (S.L) کا لفظ مستعار لیا ہے۔ مثال کے طور پر، لائر، ٹریجیڈی، کامیڈی، ٹریجک، سائکلوپ، ہیرواک، کامک وغیرہ۔ عزیز احمد تو مستعار لفظ یا اصطلاح کا مترادف یا مفہوم قوسین میں درج کرتے ہیں لیکن ڈاکٹر جمیل جالبی ایسا نہیں کرتے۔ اس قسم کی بہت سی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں مگر بخوف طوالت چند ایک پر ہی اکتفا کیا جاتا ہے۔

شمس الرحمٰن فاروقی کے ترجمے کو عزیز احمد اور ڈاکٹر جمیل جالبی کے ترجمے کے اسلوب پر لفظوں کے استعمال کے ضمن میں یہ فوقیت حاصل ہے کہ انھوں نے اپنا ترجمہ مروجہ اردو زبان میں پیش کیا ہے۔ الفاظ و اصطلاحات کے باب میں بھی انھوں نے مروجہ و معروف تراجم کو ہی فوقیت دی ہے اور ماخذ زبان سے الفاظ مستعار نہیں لیے (فقط ترجمہ کیا ہے)

شمس الرحمٰن فاروقی کے ترجمے کے اسلوب کی ایک نمایاں خصوصیت مترادفات (مترادفات کے جوڑوں) کا بکثرت استعمال ہے اور یہ عنصر ان کے ترجمے میں از اوّل تا آخر موجود ہے۔ مثلاً صفات و تفاعل، شعوری اور ارادی، نمائندگی یا ترجمانی، سریلی آواز اور آہنگ اور حمد اور مدح اس حوالے سے بھی ایک طویل فہرست موجود ہے لیکن نمونے کے طور پر یہی مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

عبارت میں رموز و اوقاف کا استعمال بڑی اہمیت اور قدر و قیمت کا حامل ہوتا ہے۔ رموز اوقاف کے استعمال سے عبارت خوبصورت نظر آتی ہے۔ مفہوم واضح ہو جاتا ہے، ابلاغ کا عمل آسان ہوتا ہے۔ عبارت کی پیچیدگی، الجھن اور ابہام رفع ہوتا ہے۔ "Poetics" کے تراجم میں علمی اسلوب کے حامل ہیں۔ علمی نثر کسی

قسم کے ابہام یا پیچیدگی کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ علمی نثر کی تخلیق کا مقصد ہی تو معلومات کی فراہمی، علم کی حدود میں اضافہ اور قاری کے علمی تصورات کو صاف، واضح اور مزید روشن کرنا ہوتا ہے۔ لہٰذا رموز او قاف کا استعمال ایک طرف تو فطری طور پر تحریر کو دلکش اور جاذبِ نظر بناتا ہے تو دوسری طرف مصنف یا مترجم کے مفہوم کو بطریقِ احسن قاری تک منتقل کرتا ہے۔ یوں رموزاو قاف تحریر کو خوبصورت اور بامعنی بنانے کے لیے بطور موثر ہتھیار بروئے کار لائے جاتے ہیں۔

بقول پروفیسر ڈاکٹر سید محمد عارف:

> "گویا کسی بھی تحریر خواہ وہ قلمی ہو یا مطبوعہ کتب کی صورت میں ہو، اس کے درست مفہوم تک پہنچنے اور صحیح انداز میں پڑھنے کے لیے ان رموز و اوقاف کے بغیر کام نہیں بنتا۔ رموزِ اوقاف تحریر کا لازمی جزو ہیں۔ جو زبان اس نعمت سے محروم ہے اس کی علمی ادبی اور سائنسی ترقی کے امکانات مسدود ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا اردو تحریروں کی ظاہری سلاست اور شائستگی ان علامتوں کے بغیر ممکن نہیں"۔ (۱۳)

گویا کسی بھی تحریر خواہ وہ قلمی ہو یا مطبوعہ کتب کی صورت میں ہو، اس کے درست مفہوم تک پہنچنے اور صحیح انداز میں پڑھنے کے لیے ان رموزِ اوقاف کے بغیر کام نہیں بنتا۔ رموزِ اوقاف کا تحریر کا لازمی جزو ہیں۔ جو زبان اس نعمت سے محروم ہے۔ اس کی علمی، ادبی اور سائنسی ترقی کے امکانات مسدود ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا اردو تحریروں کی ظاہری سلاست اور شائستگی ان علامتوں کے بغیر ممکن نہیں۔

انگریزی تحریروں میں رموز او قاف کا استعمال اردو زبان کی تحریروں کی نسبت زیادہ کیا جاتا ہے۔ لیکن اردو زبان میں بھی رموز او قاف کی اہمیت کو تسلیم کرتے ہوئے فکر و فن اور نظریہ و عمل دونوں سطح پر کافی حد تک بنیادی نوعیت کا کام ہوا ہے۔

رموزاو قاف کے استعمال کے حوالے سے عبارت کو دلکش، جاذبِ نظر اور بامعنی بنانے کے حوالے سے جب ہم "Poetics" کے اردو تراجم کا تجزیہ و تقابل کرتے ہیں تو اس باب میں ہمیں کافی اختلافات دکھائی دیتے ہیں۔

عزیز احمد کے "Poetics" کے اردو ترجمے فن شاعری میں سکتے اور حتمے کے ساتھ ساتھ قوسین کا استعمال بکثرت ملتا ہے۔ سکتہ اور ختمہ تو نہایت ہی ضروری علامات ہیں اور ان تو بغیر تو یقیناً عبارت محض لفظوں

کا ملغوبہ بن کر رہ جاتی ہے۔ قوسین کا استعمال انھوں نے اصطلاحات کا ترجمہ یا مفہوم واضح کرنے اور ناموں کو انگریزی رسم الخط یا حروف میں لکھ کر بھی قوسین میں بند کر دیا ہے۔ اس کے علاوہ خط یا لکیر کا استعمال بھی ان کے ہاں ہے لیکن نسبتاً کم۔ اس کے برعکس واوین کا استعمال بکثرت دکھائی دیتا ہے۔ اقوال اور کہیں کہیں کتب کے نام بھی انھوں نے واوین میں درج کیے ہیں۔

عزیز احمد کے ترجمے کے برعکس ڈاکٹر جمیل جالبی کے ترجمے میں قوسین کا استعمال بہت کم ہوا ہے۔ (جس کو نہ ہونے کے برابر کہا جاسکتا ہے) سبب اس کا یہ ہے کہ عزیز احمد کی طرح ڈاکٹر جمیل جالبی نے اصطلاحات کے معنی یا مفہوم کا اندراج نہیں کیا۔ واوین کے استعمال میں بھی ڈاکٹر جمیل جالبی کے ہاں مختلف نوعیت دکھائی دیتی ہے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی نے بعض کلیدی الفاظ اور تصانیف کے نام بھی واوین میں درج کیے ہیں جیسے: "ڈیلید"، "ایلید"، "اوڈیسی"، "نیک"، "بد"، "شر مناک" وغیرہ۔ عزیز احمد کے برعکس ڈاکٹر جمیل جالبی کے ہاں خط / لکیر کا استعمال بھی کم ہے اور محض چند مقامات پر ہمیں یہ علامت دکھائی دیتی ہے۔ جیسا کہ گزشتہ سطور میں لکھا گیا ہے کہ بوطیقا کے دیگر مترجمین کے برعکس ڈاکٹر جمیل جالبی کے ترجمے میں چھوٹا جملہ لکھنے کا رجحان دکھائی دیتا ہے جس کے نتیجے میں قدرتی طور پر ان کے ہاں ختمے کا استعمال دیگر مترجمین کی نسبت زیادہ ہوا ہے۔

عزیز احمد اور ڈاکٹر جمیل جالبی کے برعکس شمس الرحمٰن فاروقی کے اردو ترجمے میں رموز او قاف کا استعمال کم دکھائی دیتا ہے۔ خط / لکیر کا استعمال ان کے ترجمے میں سرے سے موجود ہی نہیں۔ اس کے علاوہ ڈاکٹر جمیل جالبی اور عزیز احمد کے برعکس ان کے ترجمے میں واوین کا استعمال بھی نہ ہونے کے برابر ہے۔ قوسین کا استعمال وضاحت یا تشریح یا جملہ معترضہ کے بیان کے لیے نہیں بلکہ محض مصنفین شعرا، کتب اور مقامات کے انگریزی نام (انگریزی حروف میں) کرنے کے لیے کرتے ہیں۔ اس کے برعکس انھیں تراجم کے انگریزی متن کا تجزیہ بتاتا ہے کہ "Poetics" کے انگریزی متون میں رموزِ او قاف اردو متون کی نسبت زیادہ استعمال ہوئے ہیں۔ اس حوالے سے صرف ایس۔ ایچ۔ بچر (S.H.Butcher) کے انگریزی متن " Aristotle Poetics of "میں سکتہ، وقفہ، رابطہ، ختمہ، واوین، اکہرے واوین، خط، قوسین، استفہامیہ اور تفصیلیہ کا استعمال بکثرت ملتا ہے۔

یوں معلوم ہوتا ہے کہ اردو میں صرف ختمہ اور سکتہ یا پھر سوالیہ / استفہامیہ اور واوین کے استعمال پر ہی زیادہ توجہ دی جاتی ہے اور دیگر علامات کے استعمال سے گریز کیا جاتا ہے یا دوران تحریر ان کی طرف دھیان نہیں دیا جاتا۔

عمدہ تحریر کے لیے رموزِ اوقاف کی اہمیت ثانوی نہیں بنیادی ہے۔ ضروری ہے کہ رموزِ اوقاف کے باموقع اور موزوں استعمال کو اردو میں رواج دیا جائے تاکہ شر کے حسن، دلآویزی اور معنویت میں قابل قدر اضافہ ہو۔

"Poetic" کے تراجم کے اسلوب میں اختلافات کا تقابل بین المتنیت کے نقطۂ نظر سے کرنا بھی بہت دلچسپی اور اہمیت کا حامل ہو گا۔ بین المتنیت (Intertextuality) اردو ادب و تنقید کی دنیا میں ایک نووارد اصطلاح اور تصور ہے اور اردو تنقید کے ڈسکورس میں اس اصطلاح کا استعمال خال خال ہی دکھائی اور سنائی دیتا ہے۔ تاہم بین المتنیت دور جدید میں ادب اور خصوصاً متن کی تفہیم کے لیے اختراع کی گئی نہایت ہی اہم اور بنیادی قدر و قیمت کی حامل اصطلاح ہے۔ بین المتنیت کی اصطلاح ایک نقاد، ماہر لسانیات اور تانیثیت پسند مصنفہ "جولیا کرسٹیوا" (Julia Kristiva) نے ساٹھ کے عشرے میں وضع کی۔ یہ اصطلاح ادبی متن کی تفہیم کے لیے نہایت ہی بنیادی اہمیت ہے۔ بین المتنیت دراصل دو متون کے باہمی تعلق کی شناخت اور ان کے ایک دوسرے پر اثرات کے مطالعہ اور سراغ کا نام ہے۔ گویا بین المتنیت سے مراد ایک متن میں دوسرے متن کی موجودگی ہے۔ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ بین المتنیت ایک متن میں دوسرے موجودگی کا نام ہے تو پھر خود بخود ذہنوں میں یہ سوال جنم لیتا ہے کہ ایک متن میں دوسرے متن یا متون کی موجودگی کی صورت کیا ہوتی ہے یا ہو سکتی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ایک متن میں دوسرے متن کی موجودگی اس سے مستعار لیے گئے فکر و خیال، مستعار الفاظ، جملوں، اقوال، اقتباسات اور تاثرات کی صورت میں ہوتی ہے یا ہو سکتی ہے۔

یوں اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو کوئی بھی متن بجا طور پر اتنا کامل، مکمل، خود مختار اور دیگر متون کے اثرات سے کلیتاً پاک نہیں ہوتا۔ ہر مصنف کی تحریر میں اس کی زبان کی ادبی روایت، معاصر ادب کے اثرات اور تخلیق و تصنیف کی صنف سے متعلقہ دیگر کتب کے اثرات کی بازگشت صاف سنائی دیتی ہے۔ مصنف و فنکار یہ اثرات کبھی تو شعوری طور پر قبول کر کے کھلے دل سے ان کا اعتراف بھی کرتا ہے اور کبھی تو یہ اثرات اس قدر پراسرار طریقے سے اثر انداز ہوتے ہیں کہ مصنف لاشعوری طور پر انہیں قبول تو کرتا ہے اور ان کا تخلیقی

سطح پر اظہار بھی کرتا ہے لیکن شعوری طور پر خود اسے بھی ان اثرات کا پتہ نہیں ہوتا اور انہیں وہ کم فہمی کی بنا پر طبع زاد سمجھتا اور بتاتا ہے۔ اس حوالے سے ڈاکٹر فاخرہ نورین رقم طراز ہیں کہ:

> "مصنف کوئی ایسی چیز یا بات تحریر نہیں کر سکتا جو اس نے پہلے سے پڑھی، دیکھی، سنی یا مشاہدہ نہ کی ہو۔ ہر متن میں اپنے سے پہلے کے متون کی بازگشت اور اپنے بعد آنے والے متون کی جہات پوشیدہ ہوتی ہیں۔ کسی متن کی مکمل تفہیم کے لیے اس میں موجود تمام حوالوں کی تفہیم ضروری ہے۔ ایسا نہ ہونے کی صورت میں متن کی جزوی تفہیم ہو پائے گی"۔ (۱۴)

ٹم اینس (Tim Ennis) نے بین المتنیت کی دو صورتوں کا تذکرہ کیا ہے:

۱۔ "افقی یا عمودی بین المتنیت۔

۲۔ بین یا ترکیبی بین المتنیت (۱۵)

جب ایک متن میں دوسرے متن کی موجودگی کے واضح نشانات موجود ہوں اور اس کی نشاندہی کے لیے زیادہ غور و فکر درکار نہ ہو تو اسے "عمودی بین المتنیت" کہا جائے گا۔ اس کے برعکس ایک متن میں کسی کتاب کا محض ایک جزو، منظر یا خلاصہ افقی بین المتنیت کی ذیل میں آئے گا۔

ایک متن میں کسی دوسرے متن یا متون سے اقوال، اقتباسات وغیرہ نقل کرنا ترکیبی بین المتنیت کی ذیل میں آتا ہے۔ بین المتنیت دو متون میں تجزیہ کر کے ان کے اشتراکات و اختلافات واضح کرتی ہے۔ یہ دو متون کے درمیان ایک بامعنی مکالمہ ہے۔ متون کا بین المتنی مطالعہ ان کی بہتر تفہیم اور تحسین کا باعث بنتا ہے۔

بین المتنیت پر کی گئی درجہ بالا بحث کا مقصد یہ ہے کہ اس تصور کی بہتر تفہیم کی جائے اور پھر اس کے نتیجے میں "Poetic" کے اردو تراجم میں بین المتنیت کا مطالعہ کر کے یہ بات جاننے کی کوشش کی جائے کہ "Poetics" کے فاضل مترجمین نے بین المتنی اُمور کو کس طرح سمجھا اور نمٹایا ہے اور اس حوالے سے ان میں کیا اختلافات پائے جاتے ہیں؟

"Poetics" ایک ایسی تصنیف ہے جس کے متن میں ارسطو اور اس سے پہلے کے تمام تر ادب کا ذکر، حوالے اور بعض تصانیف کے خلاصے موجود ہیں۔ ارسطو نے استقرائی طریقہ تحقیق و مطالعہ اپناتے ہوئے یونانی تخلیقات سے اصول اخذ کر کے تاریخ ادب و تنقید میں پہلا "نظریہ شعر و ادب

""Poetics" وضع کیا۔ اس کے علاوہ افلاطون کے "جمہوریہ" میں شاعروں پر اعتراضات اور خراب شاعری کے مضر اثرات بھی اس کے پیشِ نظر تھے۔

"Poetics" کے تراجم کے غائر مطالعے سے یہ بات توطے ہوتی ہے کہ ان فاضل مترجمین، جو عالمی ادب اور انگریزی ادب پر عبور رکھتے ہیں۔ بین المتنیت کو نہایت باریکی اور عمدگی سے پہچانا ہے مگر فرق ہدفی زبان میں پیش کش کی صورت میں ابھرتا ہے۔

بین المتنیت سے پیدا شدہ اُمور اور مشکلات کے حل کے لیے مونا بیکر (Mona Baker) نے پانچ حکمت عملیاں بتائی ہیں:

ا"۔ لغوی ترجمہ ۲۔ ثقافتی متبادل کی فراہمی ۳۔ متن یا حاشیے میں وضاحت ۴۔ تخریج
۵۔ اصل زبان کے اظہارات کی ترجمے میں منتقلی"۔ (۱۶)

ان پانچ حکمت عملیوں میں سے "Poetics" کے اردو تراجم میں تین (۳) حکمت عملیوں کا استعمال دکھائی دیتا ہے۔ "Poetics" کے اردو مترجمین نے متن میں موجود دیگر متون کا یا تو لغوی ترجمہ کیا ہے یا ان کو اصل صورت میں ہی برقرار رکھا ہے یا پھر حاشیے میں اس کی وضاحت کی ہے۔

اس حوالے سے عزیز احمد کے ہاں لغوی ترجمے کی صورت بھی دکھائی دیتی ہے اور ترجمے کے آخر میں بعض اُمور کی انھوں نے حاشیے میں بھی وضاحت کی ہے۔ مثال کے طور پر لغوی ترجمے کی صورت دیکھیے:

"اہل فارس"، کالے بھوت،

اصل صورت اور رسم الخط برقرار رکھنے کی مثال:

Centaur , Comai , Comazein , Margites, Demos

اس کے علاوہ عزیز احمد نے حاشیے میں بہت سی تصانیف، ڈراموں اور نظموں کی وضاحت کی جو "Poetics" کے متن میں آئی ہیں مثلاً اوڈی سی، ایلیڈ، اور یسس ٹیز، اے ڈی پس، ٹیرس وغیرہ۔

عزیز احمد کے برعکس ڈاکٹر جمیل جالبی کی "بوطیقا" کے متن میں وضاحت کے لیے حواشی موجود نہیں اور نہ ہی انھوں نے عزیز احمد کی طرح ناموں اور تصانیف کو انگریزی رسم الخط میں درج کیا ہے بلکہ انھوں نے فقط یہ کیا کہ تصانیف، نظموں اور ڈراموں کے ناموں کو اردو رسم الخط میں تحریر کیا ہے۔ یہاں اس نکتے کی صراحت بھی ضروری ہے کہ انھوں نے ان تصانیف اور ڈراموں کے ناموں کا لغوی ترجمہ بھی نہیں کیا۔

مثالیں ملاحظہ کیجیے:

سائکلوپس، مار گائٹس، سٹیر ک ڈراما، تھیسیڈ، ہیر اکلیڈ، اینتھیوس، ایفی جینیا، ایفی جینیا اِن ٹورس، دی لٹل ایلیڈ، سپریا، وغیرہ۔

ڈاکٹر جمیل جالبی کے اردو ترجمے بوطیقا میں افقی بین المتنیت (Horizantial Interlex tuality) کی مثالیں جو تیسرے باب، چوتھے باب، پانچویں باب، آٹھویں باب، گیارھویں باب، تیرھویں باب، پندرھویں باب، سترھویں باب، اٹھارویں باب، انیسویں باب، چوبیسویں باب میں موجود ہیں۔ ان ابواب کے تفصیلی حوالے پوری ایک کتاب کے متقاضی ہیں۔ مختصراً ان ابواب میں یونانی کرداروں کا حوالہ، کتب / رزمیہ نظموں کا خلاصہ اور المیوں (Tragedies) کا خلاصہ یا حوالہ ملتا ہے۔

شمس الرحمن فاروقی کے اردو ترجمے کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ اس میں دیگر تراجم کی نسبت تحقیق اور پس منظری مطالعے کا عمل دخل زیادہ دکھائی دیتا ہے۔ شمس الرحمٰن فاروقی کے غائر مطالعے اور گہری تحقیق کے بعد جب اپنا اردو ترجمہ پیش کیا تو وہ باقی خوبیوں کے ساتھ ساتھ بین المتنیت کی شناخت کے حوالے سے بھی نمایاں ترین ہے اور بین المتنی نکات کو نمٹانے کے حوالے سے گراں قدر اور وقیع ہے۔ شمس الرحمٰن فاروقی نے "Poetics" کے متن میں موجود دیگر متون کو مہارت سے پیش کرنے کے ساتھ ساتھ مشکل اور توجہ طلب نکات کی وضاحت کی خاطر مفید اور دلچسپ حواشی بھی قلمبند کیے۔ عزیز احمد نے حواشی کا اندراج کتاب کے اختتام پر کیا، ڈاکٹر جمیل جالبی نے حواشی تحریر ہی نہیں کیے۔ ان مترجمین کے برعکس شمس الرحمٰن فاروقی نے تمام دستیاب اردو و انگریزی متون اور کتب سے استفادہ کر کے بین المتنیت کی وضاحت پاورقی میں کر دی۔ جس کا فائدہ یہ ہوا کہ ایک طرف تو متن کی روانی برقرار رہتی ہے اور مشکل اور متنازعہ امور کے حوالے سے قاری کو پاورقی میں ہی کارآمد مواد مل جاتا ہے جبکہ ڈاکٹر محمد یٰسین کا اردو ترجمہ "کتاب الشعر" بھی حواشی سے عاری ہے۔

"Poetic" کے اردو تراجم میں تکنیک کے اختلافات

تکنیک کے تقابل کے دوران "Poetics" کے اردو تراجم میں بڑے پیمانے پر اشتراکات کے شواہد ملے ہیں۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس حوالے سے تمام تراجم میں مکمل اشتراک اور ہم آہنگی موجود ہے۔ "Poetics" کے تراجم کی پیشکش میں اختلافات بھی موجود ہیں اور بعض اختلافات تو ایسے ہیں کہ تقابلی مطالعے کی دوران باآسانی ان کا سراغ مل جاتا ہے۔ یہ امر بھی پیش نظر رہنا چاہیے کہ اردو زبان میں "Poetics" کے

تراجم کا سلسلہ ۱۹۴۱ ء میں شروع ہوا اور بیسویں صدی کے اختتام(۱۹۹۸ء)تک یہ سلسلہ جاری رہا، یوں "Poetics" کے اردو تراجم کی سرگرمی ایک دو دہائیوں کی بات نہیں بلکہ نصف صدی کا قصہ ہے۔ اس دوران نئی کتب بھی سامنے آئیں، تحقیق کے نئے اسالیب بھی ابھرے، انگریزی تحقیق نے بڑی حد تک ارتقا کی منازل طے کیں اور اردو تنقید بھی ابتدائی مراحل اور تنگ راستوں سے نکل کر ترقی کی راہ پر گامزن ہو چکی تھی، یوں مترجمین اور محققین کے ہاتھ ایسے اوزار، پیمانے اور مواد آچکا تھا جن کی مدد سے وہ "Poetic" کو بخوبی اردو زبان میں ڈھال سکتے تھے (لیکن انھوں نے جدید علوم و فنون اور وسائل سے کس حد تک اور کس درجہ استفادہ کیا۔ یہ ایک بحث طلب اور اختلافی مسئلہ ہے) اور اس کے ترجمے میں بہتری لا سکتے تھے۔ "Poetics" کے اردو تراجم کے مطالعہ و تحقیق کے دوران جو نکتہ سب سے پہلے توجہ کا مرکز بنتا ہے وہ ابواب بندی کی تکنیک ہے۔ اس ضمن میں "Poetics" کے اردو مترجمین نے اپنے علم و فہم کے مطابق مختلف حکمت عملی اپنائی ہے۔

"Poetics" کے پہلے مترجم "عزیز احمد" نے "Poetics" اردو ترجمے کے "فن شاعری" کو پانچ ابواب میں تقسیم کیا ہے۔ "فن شاعری" کی تمہید میں اس کا جواز پیش کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ:

> "کتاب کے ابواب کی تقسیم کی حد تک اور بعض اصطلاحات کے ترجمے میں میں نے ٹوائی ننگ (Twining) کی پیروی کی ہے۔ ٹوائی ننگ اور اس سے سوا اور بھی کئی یورپی مترجمین نے کتاب کو نفس مضمون کے اعتبار سے پانچ بڑے حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ یہ تقسیم اس قدر مفید ہے کہ میں نے اس کی پیروی کرنی مناسب سمجھی"۔(۱۷)

عزیز احمد نے "فنِ شاعری" کو پانچ حصوں میں تقسیم کرنے کے ساتھ ساتھ ہر باب/حصّے کے ذیلی عنوانات بھی قائم کیے۔ جس سے قاری کے لیے سہولت بھی پیدا ہوتی ہے اور ترجمے/کتاب کے نفس مضمون کی تفہیم اور ابلاغ میں بھی آسانی پیدا ہوتی ہے۔

مثال کے طور پر "پہلا حصہ" ملاحظہ کیجیے:

باب کا عنوان: "شاعری پر ایک عام اور بالموازنہ نظر- شاعری کی خاص قسمیں۔

ذیلی عنوانات: تمہید

نقل کی موضوع

نقل کے طریقے

شعر شاعری کی ابتدا کے دو اسباب: i ۔ نقل ii۔ نغمہ و موزونیت

قدیم ترین شاعری کی دو قسمیں۔

دوسرا باب ٹریجیڈی: ٹریجیڈی اور کامیڈی

ٹریجیڈی کی تاریخ

کامیڈی کی تعریف و تاریخ

رزمیہ شاعری "(۱۸)

اسی تکنیک کے مطابق "عزیز احمد" نے باقی چار (۴) ابواب کی تقسیم بھی کی ہے اور اس کا جواز "افادیت" بتایا۔

اس کے برعکس ڈاکٹر جمیل جالبی نے "Poetic" کے ترجمے "بوطیقا" کو چوبیس (۲۴) ابواب میں تقسیم کیا ہے اور ہر باب کا عنوان بھی قائم کیا ہے۔

مثلاً

پہلا باب:

شاعرانہ نقل کے ذرائع

دوسرا باب:

شاعرانہ نقل کے عوامل

تیسرا باب:

شاعرانہ نقل کا طریقہ "(۱۹)

اور اسی تکنیک، طریقے اور انداز سے تمام ابواب کو برتا ہے، لیکن قاری کو اس وقت حیرانی ہوتی ہے جب وہ انیسویں باب کے بعد بائیسواں باب دیکھتا ہے اور بیسواں اور اکیسواں باب ناموجود پاتا ہے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی نے بیسویں اور اکیسویں باب کا ترجمہ نہیں کیا اور اس حوالے سے فقط ایک جملہ بطور جواز درج کر دیا کہ:

"بیسویں اور اکیسویں باب کا ترجمہ اس لیے نہیں کیا گیا کہ ان دو مختصر ابواب میں ارسطو نے خالص فنی بحثیں کی ہیں جن کا تعلق یونانی فن لغت اور گرامر سے ہے"۔ (۲۰)

لیکن سچ تو یہ ہے کہ ارسطو کی "Poetics" ازل اوّل تا آخر فنی مباحث پر مبنی ہے اور پھر "یونانی المیہ" کے چھے عناصر ترکیبی میں "زبان و بیان" (Diction) بھی شامل ہے جس کے مطالعہ و تحقیق کے بغیر موضوع کی کامل تفہیم ممکن نہیں۔ یہ کمی ابہام کا باعث بھی ہے اور ادھورے پن کا احساس بھی دلاتی ہے۔ یوں ڈاکٹر جمیل جالبی کا ترجمہ کل چوبیس ابواب پر مشتمل ہے۔

لیکن مندرجہ بالا بحث سے جو نکتہ ابھرتا ہے وہ "Poetics" کے مندرجہ بالا تراجم کی تکنیک میں اختلاف کی نشاندہی کرتا ہے۔ "Poetics" کا تیسرا ترجمہ شمس الرحمٰن فاروقی نے "شعریات" کے عنوان سے کیا۔ شمس الرحمٰن فاروقی کا "Poetics" کا اردو ترجمہ چھبیس (۲۶) ابواب پر مشتمل ہے۔ لیکن ڈاکٹر جمیل جالبی کے برعکس انھوں نے کوئی باب حذف نہیں کیا اور تمام ابواب کا اردو ترجمہ پیش کیا ہے۔ ابواب بندی کی تکنیک کے حوالے سے شمس الرحمٰن فاروقی "شعریات" کے دیباچے (دیباچۂ مترجم) میں رقم طراز ہیں:

> "ابواب کی تقسیم بجیر اور دوسروں کے یہاں تقریباً ایک ہی نہج سے ہے۔ میں نے تقسیم میں بجیر کا اتباع کیا ہے (تمہید البتہ بجر کے یہاں الگ نہیں ہے) بجر کے یہاں چونکہ عنوانات نہیں ہیں، اس لیے انھیں میں نے ڈورش یا سنپٹس بری سے مستعار لیا ہے"۔ (۲۱)

اس اعتبار سے یہ پہلو آئینہ ہو گیا کہ ایک تو شمس الرحمٰن فاروقی نے ابواب کی تقسیم میں "بجر" کا اتباع کیا ہے اور دوسری قابل ذکر بات کے "بجر" کے ہاں ابواب کے عنوانات نہیں۔ اس نے ابواب کے لیے عددی طریقہ کار اپنایا ہے۔

یوں عزیز احمد نے اپنے ترجمے "فن شاعری" کو پانچ، ڈاکٹر جمیل جالبی نے چوبیس ابواب کا ترجمہ کیا ہے اور شمس الرحمٰن فاروقی نے چھبیس (۲۶) ابواب کا ترجمہ کیا ہے۔ ڈاکٹر محمد یٰسین نے "کتاب الشعر" کو پانچ ابواب میں تقسیم کیا ہے اور ہر باب کو مزید ذیلی عنوانات میں بھی بانٹا ہے۔

تکنیک کے باب میں دوسرا اختلاف حواشی کے حوالے سے سامنے آتا ہے۔ عزیز احمد نے اپنے "Poetics" کے ترجمے "فنِ شاعری" میں ترجمے کے آخر میں "اشارات و تلمیحات" کے عنوان سے ضمیمہ تحریر کیا ہے جس میں انھوں نے "Poetics" میں آنے والے اہم شعرا، تاریخ دانوں، مصوروں، ڈرامہ نگاروں، ڈراموں کے عنوانات اور کرداروں کی تفصیل درج کی ہے، تشریح کی ہے اور ان کے حوالے سے

کارآمد معلومات فراہم کی ہیں جو "Poetics" کی تفہیم میں بہت مدد گار ثابت ہوتی ہیں۔ اس حوالے سے عزیز احمد اپنے ترجمے "فنِ شاعری" کی تمہید میں رقمطراز ہیں:

> "ناظرین کی سہولت کے لیے میں نے حاشیے پر سلسلے وار بحث اور نکتے کا عنوان اور بعض صورتوں میں بہت مختصر خلاصہ بھی لکھ دیا ہے۔ ارسطو کے جتنے بھی ترجمے میرے پیشِ نظر ہیں جن میں سے کسی سے مجھے اس سلسلے میں مدد نہیں ملی۔ لیکن میرے سامنے جووٹ (Jowett) کی مثال تھی۔ جس نے افلاطون کے مکالمات کے انگریزی ترجموں میں اس طریقے کو بہت خوبی سے استعمال کیا ہے"۔ (۲۲)

عزیز احمد کے ترجمے کے بعد ڈاکٹر جمیل جالبی کے ترجمے کا مطالعہ و تقابل کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے سرے سے حواشی درج ہی نہیں کیے اور محض "Poetics" کے چھبیس (۲۶) میں سے چوبیس (۲۴) ابواب کا ترجمہ پیش کر دیا۔

اس ضمن میں شمس الرحمٰن فاروقی کا ترجمہ عزیز احمد اور ڈاکٹر جمیل جالبی کے ترجمے سے اس لحاظ سے منفرد بھی ہے اور مختلف بھی کہ انھوں نے حواشی کے اندراج کے سلسلے میں خاصی محنت، مطالعہ و تحقیق اور عرق ریزی کا ثبوت فراہم کیا ہے۔

انھوں نے "Poetic" کے ترجمے کے لیے اردو اور انگریزی کے دستیاب بیشتر مآخذ سے استفادہ کر کے اپنا ترجمہ شعریات پیش کیا اور حواشی کے اندراج کا بطور خاص التزام کیا۔ انھوں نے حواشی کے اندراج کے لیے باب یا کتاب کے اختتام کے بجائے پاورقی کا انتخاب مناسب سمجھا۔ اس حوالے سے انھوں نے نے متنازعہ امور کی وضاحت، اصطلاحات کی تشریح و تنقید، کلیدی الفاظ اور جملوں کی وضاحت لفظ سازی کے جواز، بعض الفاظ کے معنی و مفہوم کی وضاحت اپنی خلاّقی کے جواز، حذف، اضافوں "Poetics" کے تراجم کے اختلافی نکات اور یونانی دیومالائی کرداروں کے حوالے سے معلومات کی فراہمی کے لیے حواشی لکھے ہیں۔

شمس الرحمٰن فاروقی کے ترجمے سے یہ بات بھی کھل کر سامنے آتی ہے کہ انھوں نے ترجمے کے دوران بہت سے مآخذ سے استفادہ کیا اور "Poetics" کا ایک معیاری ترجمہ پیش کرنے کی کوشش کی۔ ان کے حواشی اس محنت اور معیار کا ثبوت ہیں۔ ڈاکٹر محمد یٰسین نے "Poetics" کے اردو ترجمے "کتاب الشعر" میں بھی حواشی کے اندراج کا اہتمام نہیں کیا۔

یوں ہم دیکھتے ہیں کہ حواشی کے اندراج کے ضمن میں بھی "Poetics" کے مترجمین کی تکنیک میں اختلاف صاف دکھائی دیتا ہے۔

"Poetics" میں ارسطو نے کامیڈی اور ٹریجیڈی (طربیہ والمیہ) کی بحث کے دوران ان کی جڑوں کا سراغ لگانے کی کوشش بھی کی اور یہ بتایا کہ ان اصناف سخن کا آغاز کن لوگوں کے ہاتھوں کس جگہ اور علاقے سے ہوا۔ یوں "Poetics" میں علاقوں، مقامات اور شہروں کے اسما کا تذکرہ بھی موجود ہے۔ اسمائے مقامات کے ترجمے میں "Poetics" کے مترجمین نے مختلف تکنیک بروئے کار لائی ہے۔ بعض نے انھیں اصل املا و تلفظ کے ساتھ اردو ترجمے میں ڈھالا ہے تو کسی نے اسے اردو زبان کے مزاج کے مطابق ڈھالا ہے۔ مثال کے طور پر عزیز احمد نے "Thesia" کو اردو میں بھی "تھیسیا" ہی تحریر کیا ہے اور اس حوالے سے کسی قسم کی خلاقی کا مظاہرہ کرنے کی کوشش نہیں کی۔ ڈاکٹر جمیل جالبی نے اس کا نام کو "تھاسوس" درج کیا ہے جبکہ شمس الرحمٰن فاروقی نے "تھاسیا" کا لفظ برتا ہے۔ اسی طرح "Sicily" کو عزیز احمد نے "سسلی" اور شمس الرحمٰن فاروقی نے "صقلیہ" تحریر کیا ہے۔

مترجم دوران ترجمہ اپنی فہم، ذوق، علم، ذاتی پسند و ناپسند اور تہذیبی تقاضوں اور ضروریات کے مطابق بعض الفاظ اور جملوں یا عبارتوں کو حذف بھی کر دیتا ہے۔ حذف (Ommission) ترجمے کی ایک ایسی تکنیک ہے جس کا استعمال اکثر مترجمین کے ہاں دکھائی دیتا ہے۔ مترجم کو ایک حد تک آزادی بھی حاصل ہوتی ہے یا یوں کہیے کہ شاعرانہ آزادی (Poetic Licence) کی طرح مترجم کو بھی ایک حد تک (Creative Licence) حاصل ہوتا ہے جس کی بدولت وہ ماخذ متن کی ہر مقام پر سختی سے پیروی نہیں کرتا۔

یہ صورت ہمیں "Poetic" کے مترجمین کے ہاں بھی دکھائی دیتی ہے۔ حذف کی تکنیک کا استعمال تو سبھی نے کم و بیش کیا ہے لیکن اس تکنیک کے برتنے کی مقدار میں فرق ہے اور یہ فرق بہت نمایاں اور بڑے پیمانے پر موجود ہے۔

ڈاکٹر جمیل جالبی نے "Poetics" کے ترجمے کے دوران دو مکمل ابواب کا ترجمہ حذف (Omit) کر دیا۔ اس کے برعکس عزیز احمد کے ہاں اس تکنیک کا استعمال بہت بڑے پیمانے پر دکھائی نہیں دیتا۔ انھوں نے دوران ترجمہ محض کچھ الفاظ یا جملے حذف کیے ہیں، ان دونوں مترجمین کے برعکس شمس الرحمٰن فاروقی نے سرے سے کوئی لفظ یا جملہ حذف نہیں کیا بلکہ انھوں نے اپنے ترجمے شعریات کے حواشی میں اکثر مقامات پر انگریزی اور اردو مترجمین کا تذکرہ کر دیا جنھوں نے کوئی جملہ یا جملے کا کوئی حصّہ حذف یا اضافہ کیا۔

یوں ہم دیکھتے ہیں کہ "حذف" کی تکنیک کے استعمال میں "Poetics" کے مترجمین کے ہاں یکسانی دکھائی نہیں دیتی۔

اسی طرح "Poetics" جس کے مترجمین کے ہاں اصطلاحات کے ترجمے اور اندراج کے حوالے سے بھی مختلف تکنیک کا استعمال دکھائی دیتا ہے۔ عزیز احمد جہاں اصطلاح مستعار لیتے ہیں وہاں قوسین میں اس کا اردو متبادل / مترادف بھی درج کر دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر:

ٹریجیڈی (المیہ)

کامیڈی (طربیہ)

پرولوگ (افتتاحیہ حصّہ)

اے پی سوڈ (دو گیتوں کے درمیان کا حصہ)

کورس (سنگت)

اکسوڈ (وہ حصّہ جس کے بعد گیت نہ ہوں)

اس کے برعکس ڈاکٹر جمیل جالبی مستعار اصطلاح کو من و عن درج کر دیتے ہیں اور اس کا ترجمہ یا متبادل فراہم نہیں کرتے اور نہ ہی اس کی حواشی میں وضاحت کرتے ہیں۔ جیسا کہ انھوں نے ٹریجک شاعری، ایپک، سائکلوپس، کامک، آئی ایمبک اور اسی کی بہت سی دیگر اصطلاحات کے معاملے میں رویہ اپنایا۔

درجہ بالا دونوں مترجمین کے برعکس شمس الرحمن فاروقی کے ہاں اصطلاح کا ترجمہ کرنے، مترادف فراہم کرنے یا اس کا مفہوم ایک جملے کی صورت میں واضح کرنے کا رجحان پایا جاتا ہے۔ انھوں نے "Poetics" کی تقریباً تمام اصطلاحات کا ترجمہ کرنے اور ان کا متبادل فراہم کرنے کی کوشش کی۔ اس کے ساتھ ساتھ ان کے ہاں "Poetics" کے دیگر تمام اردو مترجمین کے برعکس اصطلاح سازی کا رجحان بھی دکھائی دیتا ہے۔ انھوں نے "Imitation " کے لیے "نقل" کی مروجہ اصطلاح کے برعکس "نمائندگی" ، "کیتھارسس" کے لیے "تنقیہ"، "Dithyrambies" کے لیے "پُرجوش شرابی کورس" کی اصطلاح وضع کی۔ ان کے ہاں ایسی اور بھی بہت سی مثالیں ہیں جنھیں بخوف طوالت درج نہیں کیا جا رہا۔

"Poetics" کے منتخبہ اردو تراجم کی اصطلاحات میں اختلافات

عزیز احمد اور ڈاکٹر جمیل جالبی کے مابین اصطلاحی تقابل

اصطلاحات کے تقابل کے ضمن میں یہ دلچسپ پہلو سامنے آتا ہے کہ "Poetics" کے مترجمین کے اردو تراجم میں اشتراکات کی نسبت اختلافات زیادہ ہیں۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ اور اس مسئلے کو کیسے حل کیا جاسکتا ہے؟ کون سی اصطلاح موزوں ہے اور کون سی غیر موزوں؟ کون سی اصطلاح مستند ہے اور کون سی غیر مستند؟ کون سی معیاری ہے اور کون سی غیر معیاری؟ کس اصطلاح کو برقرار رکھا جائے اور اس کو مسترد کر دیا جائے؟ ان بنیادی مگر اہم امور پر آخر میں بات ہو گی۔ پہلے اصطلاحی اختلاف کا بالتفصیل تقابل کیا جاتا ہے۔

عزیز احمد نے یونانی صنفِ سخن Dithyramb کا ترجمہ بھجن کیا ہے جبکہ ڈاکٹر جمیل جالبی نے اس کا ترجمہ عنائی شاعری کیا ہے۔ یہاں ایک قابل توجہ نکتے کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے کہ عزیز احمد نے "Poetics" کے ترجمے میں حسبِ ضرورت ہندی اصطلاحات بھی برتی ہیں۔ اردو اور ہندی میں زمانی و مکانی قربت پائی جاتی ہے۔ دونوں زبانوں میں رسم الخط کے اختلافات سے ہٹ کر بہت سی اشتراکات موجود ہیں، لہٰذا اگر کوئی مترجم ہندی زبان کی لفظیات و اصطلاحات سے فائدہ اٹھاتا ہے تو یہ خوبی سمجھی جائے گی نہ کہ خامی۔ البتہ مناسبت اور موزونیت لازمی شرط ہے۔ مگر ڈاکٹر عطش درانی کے مقتدرہ قومی زبان سے شائع ہونے والے "Poetics" کے ڈاکٹر جمیل جالبی کے ترجمے "Poetics" میں "بوطیقا کے تراجم" پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: "(عزیز احمد کا) ترجمہ عمدہ ہے لیکن بعض اصطلاحات کو انھوں نے ہندی متبادل دیے ہیں"۔[۲۳] ڈاکٹر عطش درانی اردو زبان میں اصطلاحات کا ایک معتبر حوالہ ہیں۔ انھوں نے اس پہلو کو سراہنے کی بجائے نقص کے طور پر نمایاں کرنے کی کوشش کی ہے۔ جو اصطلاحات کے ترجمے اور اصطلاحات سازی کے مسائل کے حل کے حوالے سے مناسب رویہ نہیں ہے۔ عزیز احمد نے Imitation/Mimesis کے لیے اپنے ترجمے میں ازاوّل تا آخر نقل کی اصطلاح برتی ہے لیکن ڈاکٹر جمیل جالبی نے اس اصطلاح کا ترجمہ کہیں کہیں نمائندگی بھی کیا ہے اور برتا ہے۔ " Lyre "کا ترجمہ عزیز احمد نے چنگ کیا ہے جب کہ ڈاکٹر جمیل جالبی نے اسے اردو میں بطور مستعار لفظ "لائر" ہی استعمال کیا ہے۔ " Rhythm "کے لیے عزیز احمد موزونیت اور ڈاکٹر جمیل جالبی وزن کی اصطلاحات برتی ہیں۔ " Mimes "کا ترجمہ عزیز احمد نے تماشا جبکہ ڈاکٹر جمیل جالبی نے "نثری نقالی" کیا ہے۔ عزیز احمد نے اپنے ترجمے "فن شاعری" میں "Physicist " کا اردو ترجمہ ماہر طبیعیات جبکہ ڈاکٹر جمیل جالبی نے فطری فلسفی کیا ہے۔ " Medium of imitation "کا ترجمہ عزیز احمد نے "نقل کرنے کے ذرائع" جبکہ ڈاکٹر جمیل جالبی نے "نمائندگی کے ذرائع" کیا ہے۔ ایک بہت اہم اصطلاح "Cyclopes" کا اردو ترجمہ عزیز احمد نے "کالے بھوت" جبکہ ڈاکٹر جمیل جالبی نے اس کا ترجمہ

کرنے کے بطور مستعار اصطلاح "سائکلوپس" ہی برقرار رکھا ہے۔" Narration " کا ترجمہ عزیز احمد کی "فن شاعری" میں بیانیہ جبکہ ڈاکٹر جمیل جالبی کے ترجمے "بوطیقا" میں بیان درج ہے۔"Hymns "کا ترجمہ عزیز احمد نے بھجن جبکہ ڈاکٹر جمیل جالبی نے حمد کیا ہے۔" Satires "کا اردو متبادل عزیز احمد کے ہاں "ہجویں" جبکہ ڈاکٹر جمیل جالبی کے ہاں طنزیے ہے۔" Phallic Songs " کا ترجمہ عزیز احمد نے "شہوانی گیت" جبکہ ڈاکٹر جمیل جالبی نے "فسیلک گیت" کیا ہے۔" Narrative form " کو عزیز احمد نے بیانیہ اور ڈاکٹر جمیل جالبی نے "افسانوی شکل" میں اردو میں منتقل کیا ہے۔" Heroic Poems " کا عزیز احمد نے "رجزیہ نظمیں" اور ڈاکٹر جمیل جالبی نے "ہیرواک نظمیں" ترجمہ کیا ہے۔" Satiric Drama "کے لیے عزیز احمد نے "پرانی اساطیری مضحکہ خیز زبان" کے الفاظ استعمال کیے ہیں جو اس اصطلاح کی متبادل اصطلاح وضع کرنے کے برعکس اس کا توضیحی ترجمہ ہے جبکہ ڈاکٹر جمیل جالبی نے اس اصطلاح کو سرے سے ترجمہ ہی نہیں کیا اور اسے "سٹیرک ڈراما" کی صورت میں درج کر دیا ہے۔"Trochiac Tetrametre "کا ترجمہ بھی عزیز احمد اور ڈاکٹر جمیل جالبی نے مختلف انداز میں ہے۔ عزیز احمد نے درجہ بالا اصطلاحات کا ترجمہ "ٹروکی چار رکنی بحر" جبکہ ڈاکٹر جمیل جال نے "ٹروکی ٹیٹرامیٹر" ہی برقرار رکھا ہے۔Hexametre کے ترجمے میں بھی ڈاکٹر جمیل جالبی اور عزیز احمد میں اختلاف ہے۔ عزیز احمد نے اس کا ترجمہ "مسدس الارکان بحر" اور ڈاکٹر جمیل جالبی نے "ہیکسامیٹر" ہی برقرار رکھا ہے۔"Iambic comedy" اس اصطلاح کا ترجمہ عزیز احمد نے "آئمبی وضع کی کامیڈی" اور ڈاکٹر جمیل جالبی نے "ہجویہ و طنزیہ ڈھنگ" کیا ہے۔ " Embellished language" کا ترجمہ عزیز احمد نے مزینِ زبان اور ڈاکٹر جمیل جالبی نے فنی صنائع سے معمور زبان کیا ہے۔" Pity "کا ترجمہ بھی "Poetics" کے دونوں مترجمین کے ہاں مختلف ہے۔ عزیز احمد نے " Pity "کا ترجمہ "درد مندی" اور ڈاکٹر جمیل جالبی نے "ترس" کیا ہے۔"Katharsis/ Catharsis" ارسطو کی وضع کردہ اصطلاحات میں سے ایک ایسی اصطلاح ہے جو گزشتہ ڈھائی ہزار سال سے زیر بحث ہے اور ابھی بھی اس پر بہت کچھ کہا اور لکھا جا رہا ہے۔"Poetics" کی اصطلاحات میں "Katharsis "کو مرکزی اہمیت حاصل ہے ۔ عزیز احمد اور ڈاکٹر جمیل جالبی دونوں کے ہاں اس اصطلاح کا ترجمہ بھی مختلف ہے۔ عزیز احمد نے " Katharsis "کے لیے "صحت اور اصلاح" اور ڈاکٹر جمیل جالبی نے "تزکیہ" کی اصطلاح استعمال کی ہے۔ ارسطو رنے "Poetics" میں "یونانی المیہ" کے چھے اجزائے ترکیبی بتائے ہیں جو بالترتیب "Plot، Character، Diction، Language، Thought، Spectle" اور " Song " ہیں۔" Poetics

"کے زیر مطالعہ دونوں مترجمین کے ہاں ان بنیادی نوعیت کی اصطلاحات کے ترجمے میں بھی اختلافات وافترا قات موجود ہیں۔ عزیز احمد نے درجہ بالا چھے اصطلاحات کا ترجمہ بالترتیب روائیداد، اطوار، زبان، تاثرات، آرائش اور موسیقی کیا ہے۔ اس کے برعکس ڈاکٹر جمیل جالبی نے ان اصطلاحات کا ترجمہ پلاٹ، کردار، زبان و بیان، خیال، تماشا اور گیت کیا ہے۔"Oratory/Speeaches in the play "کا ترجمہ عزیز احمد نے "مکالمہ" اور ڈاکٹر جمیل جالبی نے اس کا لفظی ترجمہ "ڈرامے کی تقریریں" کیا ہے۔"Propecty Man" کا ترجمہ عزیز احمد کے ہاں کاریگر جبکہ ڈاکٹر جمیل جالبی کے ہاں "اسٹیج کا منتظم" ہے۔ پلاٹ کی وسعت کی بحث کے دوران ارسطو نے تین کلیدی اصطلاحات" Beginning, Middle, End "کی مدد سے اپنی بات کی صراحت کی ہے۔ عزیز احمد کے "Poetics" کے ترجمے "فنِ شاعری" اور ڈاکٹر جمیل جالبی کے ترجمے "بوطیقا" میں ان اصطلاحات کے ترجمے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ عزیز احمد نے درجہ بالا تینوں اصطلاحات کا ترجمہ بالترتیب آغاز (ابتدائی حصّہ) درمیان (درمیانی حصّہ) اور انجام (آخری حصّہ) کیا ہے۔ اس کے برعکس ڈاکٹر جمیل جالبی نے ان اصطلاحات کا ترجمہ ابتدا، وسط اور خاتمہ کیا ہے۔ عزیز احمد نے"Unity of plot " کا ترجمہ وحدت عمل جبکہ ڈاکٹر جمیل جالبی نے پلاٹ کا اتحاد کیا ہے۔" Universal truths "کا ترجمہ بھی عزیز احمد نے ڈاکٹر جمیل جالبی سے مختلف انداز میں کیا ہے۔ عزیز احمد نے اس اصطلاح کے لیے "عام حقیقت" اور ڈاکٹر جمیل جالبی نے "آفاقی صداقتیں" کی ترکیب استعمال کی ہیں۔" Comic Poet " کا ترجمہ عزیز احمد نے کامیڈی کا شاعر جبکہ ڈاکٹر جمیل جالبی نے "کامک شاعر" کیا ہے۔" Reversal of Intention" کی اصطلاح کے اردو ترجمے میں بھی دونوں مترجمین میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ عزیز احمد نے اس اصطلاح کا ترجمہ انقلاب اور ڈاکٹر جمیل جالبی نے تبدیلی کیا ہے۔"Reversal " کا ترجمہ عزیز احمد نے انقلاب اور ڈاکٹر جمیل جالبی نے تنسیخ کیا ہے۔"Discovery " کا ترجمہ عزیز احمد نے دریافت کیا اور اس کے برعکس ڈاکٹر جمیل جالبی کے ہاں انکشاف ہے۔" Necessary "کا ترجمہ عزیز احمد کے ہاں لازمی جبکہ ڈاکٹر جمیل جالبی کے ہاں یقینی ہے۔"Calamity" کا ترجمہ عزیز احمد نے حادثہ کیا ہے۔ اس کے برعکس ڈاکٹر جمیل جالبی نے اس کا ترجمہ مصیبت یا دکھ کیا ہے۔

"Tragic Action "کا ترجمہ ڈاکٹر جمیل جالبی نے ٹریجک عمل اور عزیز احمد نے حزنیہ نقل کیا ہے۔" Pitiful "اور" Fearfal " کی اصطلاحات"Poetics" میں ایک ساتھ استعمال ہوئی ہیں۔ عزیز احمد نے ان دونوں کا ترجمہ "رحم انگیز" اور "دہشت ناک" کیا ہے جبکہ ڈاکٹر جمیل جالبی نے "ترسناک" اور "

خوف انگیز" کیا ہے عزیز احمد نے "فن شاعری" میں "Ex-machina" کا اردو ترجمہ مداخلت غیبی جبکہ ڈاکٹر جمیل جالبی نے اپنے ترجمے "بوطیقا" میں "مشین کا دیوتا" کیا ہے۔ اسی طرح " Oracle " کے ترجمے میں بھی دونوں مترجمین میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ عزیز احمد نے " Oracle " کا ترجمہ الہام ربانی جبکہ ڈاکٹر جمیل جالبی نے ہاتف غیبی کیا ہے۔ " Suitors " کا ترجمہ عزیز احمد نے مدعی اور ڈاکٹر جمیل جالبی نے "بیوی کے چاہنے والے" کیا ہے۔ " Rhetorics/ Rhetorca " کا ترجمہ عزیز احمد نے "علم بلاغت" اور ڈاکٹر جمیل جالبی نے "فن خطابت" کیا ہے۔ "Clarity " کا ترجمہ عزیز احمد نے صفائی اور اس کے برعکس ڈاکٹر جمیل جالبی نے قابل فہم کیا ہے۔ "Commonplace " کا ترجمہ ڈاکٹر جمیل جالبی نے پامال و عامیانہ اور عزیز احمد نے "سوقیانہ پن" کیا ہے۔

ماحصل

i۔ عزیز احمد اور ڈاکٹر جمیل جالبی کی "Poetics" کی اصطلاحات کے اختلافات کے تقابل سے معلوم ہوا کہ دونوں مترجمین کے تراجم میں بڑے پیمانے پر اختلافات موجود ہیں۔ میرے مطالعہ و تحقیق کے مطابق دونوں تراجم کی اصطلاحات کے ترجمے میں پچپن فی صد (۵۵٪) اختلافات ہیں۔

ii۔ عزیز احمد کے برعکس ڈاکٹر جمیل جالبی نے بڑے پیمانے پر "Poetics" کی اصطلاحات مستعار لی ہیں اور جن اصطلاحات کا اردو ترجمہ یا تو موجود تھا یا آسانی سے کیا جا سکتا تھا ان کو بھی من و عن اردو زبان میں بغیر ترجمے کے مستعار لے لیا گیا ہے۔

iii۔ عزیز احمد کی اصطلاحات کا ترجمہ اس اعتبار سے بھی ڈاکٹر جمیل جالبی سے مختلف ہے کہ انھوں نے بڑے پیمانے پر "Poetics" کی اصطلاحات کا ترجمہ کرنے کی کوشش کی ہے اور جہاں ماخذ متن (S.T) کی اصطلاح مستعار بھی لی ہے وہاں قوسین میں اس کا متبادل ضرور فراہم کیا ہے۔ اس کے علاوہ "Poetics" کے ترجمے "فنِ شاعری" کے آخر میں عزیز احمد نے ضمیمے میں بہت سے امور کی وضاحت بھی کر دی۔ ڈاکٹر جمیل جالبی کے ترجمے میں حواشی کی کمی شدت سے محسوس ہوتی ہے۔

iv۔ عزیز احمد کا ترجمہ ڈاکٹر جمیل جالبی کے ترجمے سے تیس (30) سال قبل شائع ہوا۔ ڈاکٹر جمیل جالبی کا ترجمہ "بوطیقا" اردو میں "Poetics" کا دوسرا مکمل ترجمہ ہے ڈاکٹر جمیل جالبی کے سامنے عزیز احمد کے ترجمے کی مثال اور نمونہ بھی موجود تھا لیکن ڈاکٹر جمیل جالبی کا ترجمہ خصوصاً اصطلاحات کی حد تک عزیز احمد کے ترجمے کو سے کمتر ہے۔

v۔ عزیز احمد نے اصطلاحات کا ترجمہ کرنے اور ان کا اردو متبادل فراہم کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے۔ جہاں انھوں نے ماخذ متن کی اصطلاح مستعار بھی لی وہاں قوسین میں اس کا متبادل فراہم کر کے قاری کے لیے آسانی پیدا کی۔ ڈاکٹر جمیل جالبی کا ترجمہ اس حوالے سے بھی قاری کے لیے ابہام پیدا کرتا ہے کہ اس میں مستعار اصطلاحات کی کثرت ہے اور ان کی کوئی توضیح، تشریح یا حاشیے میں وضاحت نہیں کی گئی۔

vi۔ علم ترجمہ(Translation studies) کے تصورات کی روشنی میں دیکھا جائے تو ڈاکٹر جمیل جالبی کی اصطلاحات ماخذ متن کے رجحان کی حامل ہیں جبکہ عزیز احمد کی اصطلاحات کے تراجم ہدفی زبان کی طرف میلان رکھتے ہیں۔

vii۔ دونوں تراجم "فنِ شاعری" اور "بوطیقیا" میں اصلاحات کے غلط ترجمے کی مثالیں بھی ملتی ہیں جو ہمارے مترجمین کے ہاں تحقیق کے فقدان اور شاید عجلت پسندی یا سہل پسندی کے سبب بھی ہوں ۔ مثلاً عزیز احمد نے "Cyclope" کا ترجمہ "کالے بھوت" کیا ہے جو غلط ہے۔ یونانی دیومالا میں "Cyclope" "چشم دیو کلوپس" کا نام ہے۔ شمس الرحمٰن فاروقی نے اپنے ترجمے میں اس خامی کی نشاندہی بھی کی اور اس کا ازالہ بھی کیا۔ عزیز احمد اور ڈاکٹر جمیل جالبی دونوں مترجمین نے "Hades" کا ترجمہ "جہنم" کیا ہے جو فی الحقیقت غلط ہے۔ اس کا درست ترجمہ "تحت الثریٰ" ہے۔ سلیم الرحمٰن نے ہومر کی "اوڈیسی" کے ترجمے "جہاں گرد کی واپسی" میں اس کا ترجمہ "رفتگان کی سرزمیں" کیا ہے۔

عزیز احمد اور شمس الرحمٰن فاروقی کے تراجم میں اصطلاحی اختلافات:

عزیز احمد کا ترجمہ "فن شاعری" شمس الرحمٰن فاروقی کے ترجمے "شعریات" سے پچیس سال پہلے شائع ہوا تھا اس لیے شمس الرحمٰن فاروقی نے "Poetics" کے اردو ترجمے کے دوران جن تراجم اور کتب سے مقدور بھر کسبِ فیض کیا ان میں "فن شاعری" بھی شامل تھی۔ شمس الرحمٰن فاروقی نے عزیز احمد سے استفادے کا اعتراف اپنے ترجمے کے دیباچے میں بھی کیا اور حواشی میں بھی۔ اب عزیز احمد، شمس الرحمٰن فاروقی کے مابین اصطلاحی اختلافات کا تفصیلی تقابل کیا جاتا ہے۔

"Dithyrambic Poetry" کا اردو متبادل شمس الرحمٰن فاروقی نے "پرجوش شرابی کورس" دیا ہے جبکہ عزیز احمد نے اس اصطلاح کا ترجمہ "بھجن" کیا ہے۔ " Imitation/Mimesis " کے لیے شمس الرحمٰن فاروقی نے نمائندگی / ترجمانی کی اصطلاحات برتی ہیں جبکہ عزیز احمد نے نقل کی۔ "Rhythm" کے لیے شمس الرحمٰن فاروقی آہنگ کا متبادل لفظ لاتے ہیں جبکہ عزیز احمد موزونیت کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ شمس الرحمٰن فاروقی نے "Mimes " کا ترجمہ سوانگ اور عزیز احمد نے تماشا کیا ہے۔ شمس الرحمٰن فاروقی نے "Medium of Imitation " کا ترجمہ "نمائندگی کے ذرائع" کیا ہے۔ "Cyclopes " کا اردو ترجمہ شمس الرحمٰن فاروقی نے سائکلوپ ہی برقرار رکھا ہے۔ یعنی اردو زبان میں اسے بطور دخیل لفظ کے طور پر برتا ہے۔ لیکن حاشیے میں اس کی وضاحت کی اور اسے "یک چشم راکھشس" لکھا جبکہ عزیز احمد نے اس کا ترجمہ " کالے بھوت" کیا ہے۔ " Hymns" کے لیے شمس الرحمٰن فاروقی "دیوتاؤں کی حمد" اور عزیز احمد "بھجن" کا مترادف استعمال کرتے ہیں۔ شمس الرحمٰن فاروقی نے "Praises of Famous Men" کا ترجمہ "مشہور لوگوں کی مدح" جبکہ عزیز احمد نے "قصیدے" کیا ہے۔ "Lampoons " کا ترجمہ شمس الرحمٰن فاروقی نے "طنزیات" اور عزیز احمد نے "ہجویں" کیا ہے۔ "Phallic Songs" کے لیے عزیز احمد میں نے "شہوانی گیت" کی اصطلاح وضع کی جبکہ شمس الرحمٰن فاروقی نے "عضو تناسل" کی توصیف و تمجید میں گائے جانے والے گیت کیا ہے۔ "Mask " کے لیے شمس الرحمن فاروقی نے "نقلی چہرہ" اور عزیز احمد نے "مضحکہ خیز چہرہ" کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ شمس الرحمن فاروقی کے ترجمے شعریات میں "Heroic Poems" کا ترجمہ "ہیرونی نظمیں" جبکہ عزیز احمد نے "فنِ شاعری" میں "رجزیہ نظمیں" کیا ہے۔ " /Kathersis Catharsis " کے لیے کافی غور و فکر اور تحقیق کے بعد شمس الرحمٰن فاروقی نے "تنقیہ" کی اصطلاح استعمال کی ہے۔ یونانی المیہ کے عناصر ترکیبی کے لیے " Spectacle،Thought Diction ،Character Plot " اور "Song " کی اصطلاحات برتی گئی ہیں۔ شمس الرحمٰن فاروقی نے ان چھے عناصر کا ترجمہ بالترتیب، پلاٹ، کردار، کلمہ بندی، فکر، سینری اور گیت کیا ہے۔ دوسری طرف عزیز احمد نے ان اصطلاحات کے لیے مختلف اردو متبادل الفاظ فراہم کیے ہیں جو روئیداد، اطوار، زبان، تاثرات، آرائش اور موسیقی ہیں۔ "Dramatic Speeches " کے لیے شمس الرحمن فاروقی کی شعریات میں "ڈرامائی تقریریں" اور عزیز احمد کی " فنِ شاعری" میں "مکالمہ" کا لفظ لایا گیا ہے۔ پلاٹ کی وسعت کو زیر بحث لاتے ہوئے ارسطو نے تین کلیدی اصطلاحات "Beginnig, Middle, End " کی مدد سے اپنے نقطہ نظر کی وضاحت کی ہے۔ ان

اصطلاحات کے لیے اردو ترجمے میں صرف دوسری اصطلاح" Middle "کا ترجمہ دونوں مترجمین کے ہاں مختلف ہے۔ شمس الرحمٰن فاروقی نے اس کا ترجمہ "وسط" جبکہ عزیز احمد نے درمیان (درمیانی حصّہ) کیا ہے۔ "Water Clock" کے لیے شمس الرحمٰن فاروقی نے "آبی گھڑی" اور عزیز احمد نے محض "گھڑی" کا لفظ برتا ہے جو اصطلاح کے ترجمے اور بوطیقا کے حوالے سے درست نہیں ہے۔ درست ترجمہ "آبی گھڑی" ہے۔ شمس الرحمٰن فاروقی نے "Unity of action" کا ترجمہ "پلاٹ کی وحدت" جبکہ عزیز احمد نے "وحدت عمل" کیا ہے۔ شاعری اور تاریخ کے درمیان موازنہ اور تقابل کرتے ہوئے ارسطو نے دو اصطلاحات وضع کیں "Universal" اور "Particular" شمس الرحمٰن فاروقی نے ان کا ترجمہ بالترتیب "آفاقی" اور "مخصوص حقائق" کیا ہے جبکہ عزیز احمد نے "عام حقیقت" اور "خاص حقیقت" کیا ہے۔ "The poet of comedy" کا ترجمہ شمس الرحمٰن فاروقی نے "ہجو گو شاعر" اور عزیز احمد نے "کامیڈی کا شاعر" کیا ہے۔ "Episodic plot" کے لیے شمس الرحمٰن فاروقی نے "منظری پلاٹ" اور عزیز احمد نے 'قصہ در قصہ پلاٹ "کی اصطلاح وضع کی۔" Reversal of Intention "کے لیے شمس الرحمٰن فاروقی نے "تبدیلی حال" جبکہ عزیز احمد نے "انجام" کا لفظ استعمال کیا ہے۔ شمس الرحمٰن فاروقی اور عزیز احمد کے مابین "Recognition" کے ترجمے میں بھی اختلاف ہے۔ شمس الرحمٰن فاروقی نے اس اصطلاح کا ترجمہ تقلیب اور عزیز احمد نے انقلاب کیا ہے۔" Tragic Incident "کے لیے بھی "Poetics" کے دونوں مترجمین نے مختلف اصطلاحات برتی ہیں۔ شمس الرحمٰن فاروقی نے اس اصطلاح کا ترجمہ "دردناک منظر" جبکہ عزیز احمد نے "حادثہ" کیا ہے۔ ارسطو نے المیہ ڈرامے کو بہ لحاظ کمیت ا۔Prologue، ۲۔Episode، ۳۔Exode، ۴۔ Choric Song اور" Choric Song "کی مزید "Parode"، " Stasimon " اور " Commai " میں درجہ بندی کی ہے۔ ان اصطلاحات کا اردو ترجمہ شمس الرحمٰن فاروقی نے بالترتیب ا۔ آغاز ۲۔ منظر جو دو گانوں کے درمیان ہو ۳۔ بے گیت منظر ۴۔ کورس گانا، مخصوص گیت اور کومائے کیا ہے۔ دوسری طرف عزیز احمد نے ان اصطلاحات کو اپنے ترجمے میں یوں ڈھالا ہے، ا۔ اے پی سوڈ (دو گیتوں کے درمیان کا حصّہ)، ۲۔ اکسوڈ (وہ حصّہ جس کے بعد گیت نہ ہو)، ۳۔ کورس (سنگت) کے گیت ۴۔ پیروڈ (سنگت کے پہلے گیت) اسٹاسی مون (خاص طرح کے گیت) کو موموس (سنگت اور اداکاروں کی مشترکہ فریاد)" Fearful" کا ترجمہ شمس الرحمٰن فاروقی نے "خوف ناک" اور عزیز احمد نے "دہشت ناک" کیا ہے۔" Ex-machine "کا اردو ترجمہ شمس الرحمٰن فاروقی نے "مشینی لطیفہ غیبی" اور عزیز احمد نے "مداخلت غیبی" کیا ہے۔" Oracle"

کا ترجمہ بھی دونوں مترجمین کے ہاں الگ الگ صورت میں ہوا ہے۔ شمس الرحمٰن فاروقی نے "Oracle" کے لیے "ملوک الکلام" جبکہ عزیز احمد نے "الہام ربانی" کی ترکیب وضع کی ہے۔ شمس الرحمٰن فاروقی نے "Pathatic Tragedy" کا ترجمہ "دردناک المیہ" اور عزیز احمد نے "المناک ٹریجیڈی" کیا ہے۔ "Hades" کا ترجمہ شمس الرحمٰن فاروقی نے گہرے مطالعہ اور غور و فکر کے بعد "تحت الثریٰ" کیا ہے۔ اس کے برعکس عزیز احمد نے "Hades" کے لیے "جہنم" کی اصطلاح برتی جو غلط ہے۔ Rhetorics کے لیے شمس الرحمٰن فاروقی نے "رطوریقا" جبکہ عزیز احمد نے "علم البلاغت" کی اصطلاح برتی ہے۔ شمس الرحمٰن فاروقی نے "Poetics" کے اردو ترجمے شعریات میں ارسطو کے الفاظ کی درجہ بندی کا ترجمہ یوں کیا ہے، "Current word"، مروج لفظ "Strange word"، دخیل لفظ، "Metaphorical word" استعاراتی لفظ، "Ornamental word" تزئینی لفظ، "Newly Coined word"، گھڑا ہوا لفظ، "Lengthened word"، مطول لفظ، "Contracted word"، مخفف لفظ "Altered word"، مبدل لفظ، دوسری طرف عزیز احمد نے انھیں الفاظ کا ترجمہ علیٰ الترتیب یوں کیا ہے، عام لفظ، اجنبی لفظ، تشبیہی لفظ، آرائشی لفظ، جدید لفظ، توسیع یافتہ لفظ، مختلف لفظ، تبدیل شدہ لفظ، ارسطو نے اسلوب کی عمدگی کے لیے دو اصطلاحات کی مدد سے اپنی فکر کا اظہار کیا، ایک یہ کہ اسلوب میں صفائی "Clarity" ہو اور دوسرے یہ کہ وہ "Mean" (سوقیانہ) نہ ہو۔ شمس الرحمٰن فاروقی نے "Clear" کا ترجمہ واضح اور عزیز احمد نے "صفائی" کیا ہے جبکہ "Mean" کا ترجمہ شمس الرحمٰن فاروقی نے "پیش پا افتادہ" اور عزیز احمد نے "سوقیانہ پن" کیا ہے۔

ماحصل

i۔ شمس الرحمٰن فاروقی اور عزیز احمد کی اصطلاحات کے اختلافات کے درجہ بالا تفصیلی تقابلی مطالعے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ "Poetics" کے دونوں مترجمین کے ہاں اصطلاحات کے ترجمے میں بڑے پیمانے پر اختلافات پائے جاتے ہیں۔ میرے مطالعہ و تحقیق سے سامنے آنے والے محتاط اندازے کے مطابق پینسٹھ (۶۵) فیصد اصطلاحات کے تراجم کے لیے دونوں مترجمین نے الگ الگ الفاظ و تراکیب برتی ہیں۔

ii۔ عزیز احمد کے اصطلاحات کے ترجمے میں شمس الرحمٰن فاروقی کی نسبت ماخذ متن (S.T) کی اصطلاح مستعار لینے کا رجحان زیادہ ہے۔ شمس الرحمٰن فاروقی کے ترجمے " شعریات " میں مستعار اصطلاحات بہت کم ہیں، جہاں انھوں نے اصطلاح مستعار لی بھی ہے، وہاں حاشیے میں اس کے معنی و مفہوم کی وضاحت کر کے قارئین کی رہنمائی کر دی ہے۔ اس سبب سے ابہام رفع ہو جاتا ہے۔ شمس الرحمٰن فاروقی کا ترجمہ زمانی اعتبار سے عزیز احمد کے ترجمے کے تین دہائیوں کے بعد شائع ہوا۔ شمس الرحمٰن فاروقی نے "Poetics" کے ترجمے کے دوران جن مآخذ سے زیادہ استفادہ کیا ان میں عزیز احمد کا ترجمہ بھی شامل ہے۔ اس کے علاوہ شمس الرحمٰن فاروقی نے انگریزی، اردو اور فارسی متون کو کماحقہٗ بروئے کار لا کر اپنے ترجمے کے معیار اور وقار میں اضافہ کیا۔ اس بنا پر اصطلاحات کے باب میں شمس الرحمٰن فاروقی کا ترجمہ عزیز احمد کے ترجمے "فن شاعری" سے بہتر بھی ہے، مستند اور معیاری بھی۔

iii۔ زمانی بعد کی بنا پر اصطلاحات کے دوران شمس الرحمٰن فاروقی نے عزیز احمد کی بعض اصطلاحی اغلاط کی نشاندہی کر کے ان کا ازالہ بھی کیا ہے۔

iv۔ عزیز احمد کے برعکس شمس الرحمٰن فاروقی کا ترجمہ زیادہ تحقیق و تدقیق اور غور و فکر کے بعد تحریر کیا گیا۔ اصطلاحات کے ضمن میں شمس الرحمٰن فاروقی کی محنت و کاوش اور جگر کاوی کا ثبوت ان کی اصطلاحات کے ترجمے اور حواشی میں ملتا ہے۔

v۔ عزیز احمد نے Water Clock، Metaphorical Word، Mask، Hades، Cyclopes، Dithyrambics Poetry کی اصطلاحات کا غلط ترجمہ کیا ہے۔ ان اصطلاحات کا درست ترجمہ شمس الرحمٰن فاروقی کے ترجمے کے مطابق۔"یک چشم را کھشس "ہے۔ را کھشس ہندی کا کثیر الاستعمال لفظ ضرور ہے لیکن اردو زبان اور خصوصا پاکستان میں یہ لفظ مستعمل نہیں لہذا اس کا اردو ترجمہ " دیو یک چشم "زیادہ موزوں ہے "Hades" کا درست ترجمہ "تحت الثریٰ" ہے Mask کا "نقلی چہرہ" بھی غلط نہیں لیکن فی زمانہ اور خصوصا Covid-19 کے بعد یہ لفظ اردو زبان میں داخل ہو کر اس کا جزو بن چکا ہے، لہٰذا Mask کا موزوں ترین متبادل "ماسک" ہی ہے۔ کوئی اور ترجمہ کتاب میں درج تو کیا جاسکتا ہے لیکن اب مروجہ زبان میں اس کی گنجائش نہیں رہی" Metephorical Word "کے لیے عزیز احمد نے تشبیہی لفظ استعمال کیا ہے حالانکہ درست لفظ استعاراتی لفظ ہے اور یہی لفظ شمس الرحمٰن فاروقی نے بھی استعمال کیا ہے۔ "Water Clock

"کے لیے عزیز احمد نے محض گھڑی کا لفظ استعمال کیا ہے۔ گھڑی کا مروجہ مفہوم" Water Clock" سے مختلف ہے۔ شمس الرحمٰن فاروقی نے بجا طور پر اس کا ترجمہ "آبی گھڑی" کیا ہے۔" Dithyrombic Poetry " کا ترجمہ عزیز احمد نے "بھجن" کیا ہے جو درست نہیں، شمس الرحمٰن فاروقی نے اس اصطلاح کا مفہومی ترجمہ "پر جوش شرابی کورس" کیا ہے مگر ابھی اس اصطلاح کا موزوں ترین اردو متبادل تلاش کرنے کی گنجائش موجود ہے۔

vi۔ درج بالا دونوں مترجمین میں شمس الرحمٰن فاروقی کو یہ برتری حاصل ہے کہ انھوں نے "Poetics" کی بعض کلیدی اہمیت کی حامل اصطلاحات کے لیے اردو اصطلاحات وضع کی ہیں اور اپنے ترجمے "شعریات" کے تعارف اور حواشی میں ان پر بحث بھی کی ہے۔ مثلاً "Imitation/Mimesis" کے لیے انھوں نے نقل کے بجائے "نمائندگی / ترجمانی" Katharsis کے لیے تنقیہ Hades کے لیے تحت الثریٰ کی اصطلاح وضع کی۔ اردو زبان میں ارسطو کے افکار کی تفہیم کے لیے درجہ بالا اصطلاحات کا موزوں ترجمہ ناگزیر ہے۔

ڈاکٹر جمیل جالبی اور شمس الرحمٰن فاروقی کی "Poetics" کی اصطلاحات کے ترجمے کا تقابل

ڈاکٹر جمیل جالبی اور شمس الرحمٰن فاروقی کے "Poetics" کے تراجم ایک ہی دہائی میں مکمل ہوئے (شمس الرحمٰن فاروقی کا ترجمہ ۱۹۷۶ء اور ڈاکٹر جمیل جالبی کا ترجمہ ۱۹۷۲ء میں مکمل ہوا) ان دونوں تراجم کی اشاعت میں زمانی قرب کے باوجود اصطلاحات کے تراجم میں بڑے پیمانے پر اختلافات پائے جاتے ہیں، جس کی تفصیل کچھ یوں ہے، ڈاکٹر جمیل جالبی نے " Epic Poetry "کا ترجمہ "ایپک شاعری" کیا ہے گویا انھوں نے "Epic "کا ترجمہ کرنے کے بجائے اسے مستعار لیا ہے، اس کے برعکس شمس الرحمٰن فاروقی نے اس اصطلاح کا ترجمہ "رزمیہ شاعری" کیا ہے، اسی طرح ڈاکٹر جمیل جالبی نے Tragedy کا ترجمہ بھی نہیں کیا بلکہ اسے من و عن اردو زبان کا حصّہ بنانے کی کوشش کی ہے جبکہ شمس الرحمٰن فاروقی نے اصلاح کا ترجمہ "المیہ شاعری" کیا ہے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی نے "Comedy" کو بھی بطور مستعار اصطلاح لیا ہے جبکہ شمس الرحمٰن فاروقی نے اس کے لیے "طربیہ" کا لفظ استعمال کیا ہے۔" Dithyrambic Poetry" کے

لیے ڈاکٹر جمیل جالبی نے "غنائی شاعر" کی ترکیب استعمال کی ہے۔ اس کے برعکس شمس الرحمٰن فاروقی نے اس اصطلاح کا ترجمہ "پرجوش شرابی کورس" کیا ہے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی "Imitation/Mimes" کے لیے نقل کی اصطلاح جبکہ شمس الرحمٰن فاروقی نمائندگی / ترجمانی کی اصطلاح برتتے ہیں۔ ڈاکٹر جمیل جالبی کے ترجمے "بوطیقا" میں "Rhythm" کے لیے وزن اور شمس الرحمٰن فاروقی کے ترجمے میں "آہنگ" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ "Mimes" کو ڈاکٹر جمیل جالبی "نثری نقالی" اور شمس الرحمن فاروقی "سوانگ" کہتے ہیں۔ "Elegiac Poet" کے لیے ڈاکٹر جمیل جالبی نے "نوحہ خواں شاعر" اور شمس الرحمٰن فاروقی نے "رثائی شاعر" کی ترکیب وضع کی۔ "Physicist" کا اردو ترجمہ ڈاکٹر جمیل جالبی نے "فطری فلسفی" اور شمس الرحمٰن فاروقی نے ماہر طبیعیات کیا ہے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی نے "Phallic Songs" کا ترجمہ کرنے کے بجائے اسے "فیلک گیت" ہی درج کر دیا ہے۔ اس کے برخلاف شمس الرحمٰن فاروقی نے اردو میں اس کا موزوں مترادف دستیاب نہ ہونے کے باعث اس کا توضیحی ترجمہ "عضو تناسل کی توضیف و تمجید میں گائے جانے والے گیت" کیا ہے، اس سے اس اصطلاح کا مماثل و مترادف تو نہیں ملتا مگر ابلاغ اور تفہیم میں آسانی ضرور پیدا ہو گئی ہے اور ابہام بھی رفع ہو گیا ہے جو "فیلک گیت" کے ترجمے سے پیدا ہوا تھا۔ "Mask" کے لیے ڈاکٹر جمیل جالبی "مسخرے کا مصنوعی چہرہ" کے الفاظ برتتے ہیں جبکہ شمس الرحمٰن فاروقی نے اس کا ترجمہ "نقلی چہرہ" کیا ہے۔ "Narration" کے لیے ڈاکٹر جمیل جالبی نے "افسانوی شکل" اور شمس الرحمٰن فاروقی نے "بیانیہ" ایسے متبادل فراہم کیے ہیں۔ ڈاکٹر جمیل جالبی نے "Trochiac Tetrameter" کا اردو ترجمہ "ٹروکی ٹیٹرامیٹر" ہی برقرار رکھا جبکہ شمس الرحمٰن فاروقی نے اس کے لیے "چار رکنی ٹروکی" کی ترکیب وضع کی۔ ڈاکٹر جمیل جالبی نے "Hexameter" کا ترجمہ بھی نہیں کیا۔ صرف اس کو اردو املا کا روپ عطا کرتے ہوئے اس اصطلاح کو "ہیکسامیٹر" درج کر دیا۔ اس کے برعکس شمس الرحمٰن فاروقی نے اس کا ترجمہ "مسدس الارکان بحر" کیا۔ "Iambic comedy" کا اردو ترجمہ ڈاکٹر جمیل جالبی کے ترجمے میں "ہجویہ وطنزیہ دھنگ" جبکہ شمس الرحمٰن فاروقی کے ترجمے میں ہجویہ ہئیت درج ہے۔

ڈاکٹر جمیل جالبی نے "Pity" کے لیے "ترس" اور شمس الرحمٰن فاروقی نے "دردمندی" کی اصطلاح استعمال کی ہے۔ "Katharsis/ Catharsis" کے لیے بھی دونوں مترجمین نے مختلف اصطلاحات برتی ہیں۔ ڈاکٹر جمیل جالبی نے اس کلیدی اور اہم اصطلاح کا ترجمہ "تزکیہ" کیا ہے۔ اس کے برعکس شمس الرحمٰن فاروقی نے اس مروجہ اردو متبادلات سے گریز کرتے ہوئے کافی غور و فکر اور تحقیق کے بعد "Katharsis"

کے لیے "تنقیہ" کی اصطلاح وضع کی اور اپنے ترجمے "شعریات" کے تعارف میں اس کی وضاحت بھی کردی۔" Meter/ Metre " ادب کی ایک عام اور کثیر الاستعمال اصطلاح ہے لیکن اس کے اردو مترادف/ترجمے میں بھی "Poetics" کے دونوں مترجمین میں اختلاف ہے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی نے اس کے لیے "وزن" اور شمس الرحمٰن فاروقی نے اس کے لیے "آہنگ" جیسے مترادف لفظ کا سہارا لیا ہے۔ یونانی المیہ کے عناصر ترکیبی کے ترجمے میں بھی اردو کے ان دو ممتاز اور فاضل مترجمین میں یکسانیت نہیں پائی جاتی۔ "Diction" کو ڈاکٹر جمیل جالبی "زبان وبیان" اور شمس الرحمٰن فاروقی "کلمہ بندی" سمجھتے ہیں۔ اسی طرح "Thought" کے لیے بھی دونوں نے الگ الگ الفاظ برتے ہیں۔ ڈاکٹر جمیل جالبی اس اصطلاح کا ترجمہ "خیال" اور شمس الرحمٰن فاروقی نے "فکر" کیا ہے۔ "Scenary" کے لیے بھی مختلف الفاظ برتے گئے ہیں۔ ڈاکٹر جمیل جالبی نے "تماشا" اور شمس الرحمن فاروقی نے "سینری" کا لفظ استعمال کیا ہے۔" Stage Machinist" کے لیے ڈاکٹر جمیل جالبی نے "اسٹیج کا منتظم" جبکہ شمس الرحمٰن فاروقی نے "اسٹیج کاری" کی اصطلاح وضع کی ہے۔ پلاٹ کی وسعت کا احاطہ کرنے والی تین اصطلاحات" Beginning, Middle, End" میں سے زیر مطالعہ مترجمین کے تراجم میں دو اصطلاحات مختلف ہیں۔ ڈاکٹر جمیل جالبی نے "Beginning" اور "End" کے لیے "ابتدا" اور "خاتمہ" جبکہ شمس الرحمٰن فاروقی نے "آغاز" اور "انجام" کے مترادفات استعمال کیے ہیں۔ "Water Clock" کو ڈاکٹر جمیل جالبی نے فقط "گھڑی" اور شمس الرحمٰن فاروقی نے "آبی گھڑی" تحریر کیا ہے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی نے "Unity of Plot" کا ترجمہ "پلاٹ کا اتحاد" اور شمس الرحمٰن فاروقی نے "پلاٹ کی وحدت" کیا ہے۔ تاریخ اور شاعری کے تقابل کے دوران ارسطو نے دو اصطلاحات برتی تھیں "Universal" اور "Particular" ڈاکٹر جمیل جالبی نے اوّل الذکر کا ترجمہ "آفاقی صداقتیں" اور مؤخر الذکر کا ترجمہ "مخصوص واقعات" کیا ہے۔ اس کے برعکس شمس الرحمٰن فاروقی نے ان کے لیے "آفاقی" اور "مخصوص حقائق" کے مترادف الفاظ لائے ہیں۔ "Comic Poet" کو ڈاکٹر جمیل جالبی "کامک شاعر" جبکہ شمس الرحمٰن فاروقی "ہجو گو شاعر" کہتے ہیں۔ "Episodic Plot" کے لیے ڈاکٹر جمیل جالبی "قصہ در قصہ پلاٹ" جبکہ شمس الرحمٰن فاروقی نے "منظری پلاٹ" کی ترکیب وضع کی ہے "Reversal of Intention" کے لیے ڈاکٹر جمیل جالبی صرف تبدیلی جبکہ شمس الرحمٰن فاروقی "تبدیلی حال" کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں "Reversal" کے لیے ڈاکٹر جمیل جالبی نے "تنسیخ" اور شمس الرحمٰن فاروقی نے "تقلیب" کی اصطلاح وضع کی ہے۔ "Discovery" کا ترجمہ ڈاکٹر جمیل جالبی نے

"انکشاف" اور شمس الرحمٰن فاروقی نے "دریافت" کیا ہے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی نے "Tragic Incident" کا ترجمہ "مصیبت یا دکھ" جبکہ شمس الرحمٰن فاروقی نے "دردناک منظر" کیا ہے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی نے یونانی المیے کے کمیتی اجزا: ۱۔Prologue ۲۔Episode ۳۔Exode ۴۔Choric Song، Parode، Stasimon اور Comoi کا اردو متبادل فراہم کرنے کی کوشش نہیں کی۔ انھوں نے ان اصطلاحات کو بالترتیب پرولوگ اپی سوڈ، ایکسوڈ، کورس گیت، پیروڈ، اسٹاسی مون اور قومائے کی صورت میں رقم کر دیا ہے۔ اس کے برعکس شمس الرحمٰن فاروقی نے اپنی محنت و مطالعہ اور تحقیق و تفتیش کی بنا پر ان کا اردو متبادل فراہم کرنے کی کوشش کی اور جہاں موزوں اردو متبادل دستیاب نہ ہو سکا وہاں ایک جملے کی صورت میں اصطلاح کی توضیح کر دی، انھوں نے درجہ بالا اصطلاحات کا ترجمہ کچھ یوں کیا ۱۔ آغازیہ، ۲۔ منظر جو دو گانوں کے درمیان ہو۔ ۳۔ بے گیت منظر ۴۔ کورس گانا اور کومائے۔ "Tragic Effect" کا ترجمہ ڈاکٹر جمیل جالبی نے "ٹریجک اثر" اور شمس الرحمٰن فاروقی نے "المیاتی تاثر" کیا ہے۔ "Pitiful" کا ترجمہ ڈاکٹر جمیل جالبی نے "ترسناک" اور شمس الرحمن فاروقی "رحم انگیز" کیا ہے۔ "Fearful" کا ترجمہ بھی دونوں مترجمین کے ہاں لاحقے کے فرق کے ساتھ "خوف انگیز" اور "خوفناک" ہے۔ "Ex-machine" کا ترجمہ ڈاکٹر جمیل جالبی نے "مشین کا دیوتا" جبکہ شمس الرحمن فاروقی کے ہاں "مشینی لطیفہ غیبی" ہے۔ "Oracle" کے لیے ڈاکٹر جمیل جالبی نے "ہاتف غیبی" اور شمس الرحمٰن فاروقی نے "ملوک الکلام" کی اصطلاح وضع کی "Pathatic Tragedy" کے لیے ڈاکٹر جمیل جالبی نے "دکھ، درد اور مصائب کی ٹریجیڈی" کے الفاظ استعمال کیے جبکہ شمس الرحمٰن فاروقی نے اس یونانی صنف سخن کا ترجمہ "دردناک المیہ" کیا ہے۔ "Hades" کے لیے ڈاکٹر جمیل جالبی نے جہنم کا اردو مترادف لایا ہے اس کے برعکس شمس الرحمٰن فاروقی اس کے نزدیک "Hades" کا ترجمہ "جہنم" درست نہیں اس کا اردو متبادل "تحت الثریٰ" ہے۔ "Rhetorics" کا ترجمہ ڈاکٹر جمیل جالبی کے ہاں "فنِ خطابت" اور شمس الرحمٰن فاروقی کے ہاں "رطوریقا" ہے۔ "Clarity of Style" کے لیے ڈاکٹر جمیل جالبی نے "قابل فہم" اور شمس الرحمٰن فاروقی نے "واضح" کی اصطلاح برتی ہے۔ "Mean Style" کے لیے ڈاکٹر جمیل جالبی "پامال و عامیانہ" اور شمس الرحمٰن فاروقی "پیش یا افتادہ" کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں۔ "Probable" اور "Necessary" ارسطو کی "Poetics" میں استعمال ہونے اصطلاحات کا ایک اہم جوڑا ہے جس کے لیے ڈاکٹر جمیل جالبی نے یقینی واقعات اور قرین قیاس واقعات کی اصطلاحات استعمال کیں۔ شمس الرحمٰن فاروقی نے ارسطو کے درجہ بالا اُصولوں "Probable (Law of

(Probability" کا ترجمہ "قانون لزوم" اور "(Necessary (Law of Necessity" کا ترجمہ "قانون احتمال" کیا ہے۔

ماحصل:

i۔ درجہ بالا مطالعے و تقابل سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ ڈاکٹر جمیل جالبی اور شمس الرحمٰن فاروقی کے تراجم ایک ہی دہائی (ستر کی دہائی) میں شائع ہونے کے باوجود اصطلاحات کے ترجمے اور وضع اصطلاحات کے حوالے سے آپس میں بہت مختلف ہیں۔ اصطلاحات کے ترجمے اور اصطلاح سازی کے حوالے سے دونوں تراجم میں ساٹھ فیصد (۶۰٪) اختلافات پائے جاتے ہیں۔ جو دراصل اردو زبان میں اصطلاحی انتشار کا ایک ثبوت ہے۔ مقام حیرت ہے کہ ایک ہی عہد، ایک ہی ماخذ متن (S.T) اور ایک ہی ہدفی زبان (T.T) میں اس قدر اصطلاحی اختلافات قاری اور تحقیق کار کو حیرت و استعجاب میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ ڈاکٹر جمیل جالبی اور شمس الرحمٰن فاروقی کے مابین اصطلاحات کے تقابل سے یہ نکتہ بھی سامنے آتا ہے کہ ڈاکٹر جمیل جالبی نے "Poetics" کے ترجمے "بوطیقا" میں بڑے پیمانے پر ماخذ زبان (S.L) کی اصطلاحات مستعار لی ہیں۔ ڈاکٹر جمیل جالبی نے "Poetics " کے لیے اردو ترجمے کے دوران بیس فیصد (۲۰٪) اصطلاحات کا اردو متبادل فراہم کرنے، اصطلاح سازی کرنے یا ان کی توضیح کرنے کے بجائے انھیں بطور مستعار اصطلاحات (Borrowed Terms) ہدفی متن (T.T) میں اپنایا ہے۔ لفظ و اصطلاح مستعار لینا کوئی نئی بات نہیں اردو کے علاوہ دیگر زبانوں اور خصوصاً انگریزی میں بھی مستعار و دخیل الفاظ و اصطلاحات کثرت سے موجود ہیں، لیکن موزوں و مناسب اردو متبادل ہونے کے باوجود اصطلاح مستعار لینا ہدفی متن کے معیار کو کم کرنے اور ہدفی متن کے قارئین کے لیے ابہام پیدا کرنے کے مترادف ہے۔

اس کے برعکس شمس الرحمٰن فاروقی کے ہاں اصطلاح مستعار لینے کا رجحان نہیں۔ انھوں نے محض چند اصطلاحات مستعار لی ہیں۔ صرف کومائے (commoc) کو انھوں نے من و عن قبول کیا ہے۔

ii۔ ڈاکٹر جمیل جالبی اور شمس الرحمٰن فاروقی کے درمیان اصطلاحی تقابل سے یہ امر بھی مترشح ہوتا ہے کہ شمس الرحمٰن فاروقی نے اصطلاح سازی کے لیے بہت محنت اور تحقیق کی ہے۔ انھوں نے دوران ترجمہ اپنی جدت اور خلاقی کی بدولت بہت سی اصطلاحات وضع کیں جن میں "پرجوش شرابی کورس،

تنقیہ، یک چشم۔ راکھشس، تحت الثریٰ، کلمہ بندی، ڈرمائی تقریریں، منظری پلاٹ، بے منظر گیت، مشینی لطیفہ غیبی اور ملوک الکلام قابل ذکر ہیں۔ اس کے برعکس ڈاکٹر جمیل جالبی کے ہاں اصطلاح سازی نہ ہونے کے برابر ہے۔ انھوں نے فقط اصطلاحات کے لفظی ترجمے (مستعار اصطلاح کا تذکرہ گزشتہ سطور میں ہو چکا ہے) پر انحصار کیا ہے۔

iii۔ دونوں تراجم کے تقابل سے یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ دونوں کے ہاں اصطلاحات کا ترجمہ "مفرد" لفظ کی صورت میں بھی ہے اور ترکیبی صورت میں بھی، لیکن اس ترجمے میں اختلاف کی صورت یہ ہے کہ شمس الرحمٰن فاروقی اردو ترکیب سازی کے اصولوں کی روشنی میں ترکیب وضع کرتے ہیں جبکہ ڈاکٹر جمیل جالبی کے ہاں انگریزی لفظ کے ساتھ اردو / عربی لفظ لگا کر ترکیب بنانے کا رجحان نمایاں ہے (ان کے ترجمے بوطیقا میں) مثال کے طور پر، ایپک شاعری، آئمبک بحر، فیلک گیت، ہیرواک نظمیں وغیرہ۔ مترجم کا ترکیب سازی کا یہ اسلوب قاری کی الجھن میں اضافے، تفہیم میں رکاوٹ اور مطالعے کی روانی میں حائل ہوتا ہے۔ اردو زبان میں طلبہ اور نو آموز تحقیق کار جو اس نوع کے متون کا بکثرت استعمال کرتے ہیں اور دوران مطالعہ ان کے سامنے ایک ہی ترجمہ شدہ متن ہوتا ہے، ایسے میں جب وہ "فلیک گیت" کی اصطلاح پڑھیں گے تو اس کا مفہوم کہاں سے ڈھونڈ کر لائیں گے۔

iv۔ شمس الرحمٰن فاروقی نے "Poetics" کے ترجمے کے دوران نہایت کار آمد حواشی لکھے ہیں، جن کی مدد سے قاری کو متن کی تفہیم میں مدد ملتی ہے۔ اس کے علاوہ بہت سی پیچیدگیوں اور الجھنوں کا ازالہ بھی ہو جاتا ہے۔ انھوں نے حواشی میں "Poetics " کی مشکل اور متنازعہ اصطلاحات کی عمدگی سے صراحت کی ہے۔

v۔ ڈاکٹر جمیل جالبی کے ترجمے میں حواشی کی کمی کا اکثر مقامات پر احساس ہوتا ہے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی اور شمس الرحمن فاروقی کے "Poetics " کی اصطلاحات کے تراجم کے تقابل کے نتیجے میں شمس الرحمٰن فاروقی کا ترجمہ نہ صرف بہتری بلکہ معیاری اور مستند قرار دیا جاسکتا ہے۔ گو کہ اس میں بھی اصطلاحات کے باب میں کام اور بہتری کی گنجائش موجود ہے۔

ڈاکٹر محمد یٰسین اور عزیز احمد کی "Poetics" کی ترجمہ کردہ اصطلاحات میں اختلافات

ڈاکٹر محمد یٰسین کے ہاں "ٹراگعدے، شہمعدے" کا ترجمہ طربیہ اور المیہ شاعری ملتا ہے جبکہ عزیز احمد نے دونوں اصطلاحات کو مستعار لے کر ٹریجڈی اور کامیڈی کی صورت میں ہی درج کیا ہے۔ "Metre" کا ترجمہ ڈاکٹر محمد یٰسین نے قافیہ کیا ہے اس کے برعکس عزیز احمد کے ہاں اس کا ترجمہ بحر کیا گیا ہے۔ "Masks" کا اردو ترجمہ ڈاکٹر محمد یٰسین نے مضحکہ خیز چہرے کیا ہے جبکہ عزیز احمد نے اس کا ترجمہ نقلی چہرے کیا ہے۔ "Heroic Poems" کا تراجمہ ڈاکٹر محمد یٰسین نے رزمیہ نظمیں جبکہ عزیز احمد نے رجزیہ نظمیں کیا ہے۔ "Hexametre" کا اردو ترجمہ ڈاکٹر محمد یٰسین نے مسدس الارکان بحر اور عزیز احمد نے خاص بحر کیا ہے۔ " Embellished Language" کا اردو ترجمہ ڈاکٹر محمد یٰسین نے اعلیٰ زبان جبکہ عزیز احمد نے مزین زبان کیا ہے۔ "Pity" کا ترجمہ ڈاکٹر محمد یٰسین نے دردمندی اور عزیز احمد نے رحم کیا ہے۔ "Katharsis" کا ترجمہ ڈاکٹر محمد یٰسین نے تزکیہ اور عزیز احمد نے صحت اور اصلاح کیا ہے "Rhythm" کا ترجمہ ڈاکٹر محمد یٰسین نے آہنگ جبکہ عزیز احمد نے موزونیت کیا ہے۔ "Plot" اور "Character" کا ترجمہ ڈاکٹر محمد یٰسین نے پلاٹ اور کردار جبکہ عزیز احمد نے روئیداد اور اطوار کیا ہے۔ "Unity of Action" کا اردو ترجمہ ڈاکٹر محمد یٰسین نے پلاٹ کی ترتیب جبکہ عزیز احمد نے وحدتِ عمل کیا ہے۔ "Universal" کا ترجمہ ڈاکٹر محمد یٰسین نے جزئیات جبکہ عزیز احمد نے عام حقیقت کیا ہے۔ "Anagnorsis" کا اردو ترجمہ ڈاکٹر محمد یٰسین نے انکشاف اور عزیز احمد نے دریافت کیا ہے۔ "Necessary" کا ترجمہ ڈاکٹر محمد یٰسین نے یقینی اور عزیز احمد نے لازمی کی صورت میں درج کیا ہے۔ "Hamartia" کا اردو ترجمہ ڈاکٹر محمد یٰسین نے عظم الشان انسانی لغزش جبکہ عزیز احمد نے غلطی کیا ہے۔ "Rhetorics" کا اردو ترجمہ ڈاکٹر محمد یٰسین نے علم فصاحت جبکہ عزیز احمد نے علم البلاغت کیا ہے۔ "Suitors" کا اردو ترجمہ ڈاکٹر محمد یٰسین نے اودسیوس کی بیوی کے نام نہاد عاشق جبکہ عزیز احمد نے مدعی کیا ہے۔ "Current words" کا ترجمہ ڈاکٹر محمد یٰسین نے مستعمل لفظ جبکہ عزیز احمد نے عام لفظ کیا ہے۔ "Clarity" کا اردو ترجمہ ڈاکٹر محمد یٰسین نے سلاست اور عزیز احمد نے صفائی کیا ہے۔ "Commonplace" کا ترجمہ ڈاکٹر محمد یٰسین نے ابتذال جبکہ عزیز احمد نے سوقیانہ پن کیا ہے۔

ڈاکٹر محمد یٰسین اور ڈاکٹر جمیل جالبی کے "Poetics" کے تراجم میں اصطلاحی اختلافات

ڈاکٹر محمد یٰسین "Epic, Tragedey, comedy" کا ترجمہ بالترتیب رزمیہ، المیہ اور طربیہ شاعری کیا ہے۔ اس کے برعکس ڈاکٹر جمیل جالبی نے ان تینوں الفاظ کو ایپک شاعری، ٹریجیڈی اور کامیڈی کی صورت میں بطور مستعار اصطلاحات برتا ہے۔ ڈاکٹر محمد یٰسین نے "Dithyrambic" کا اردو ترجمہ بھجن جبکہ ڈاکٹر جمیل جالبی نے غنائی شاعری کیا ہے۔ "Rhythm" کا ترجمہ ڈاکٹر محمد یٰسین نے موزونیت جبکہ ڈاکٹر جمیل جالبی نے وزن کیا ہے۔ "Phallic Songs" کا ترجمہ ڈاکٹر محمد یٰسین نے فحش اور شہوانی گیت جبکہ ڈاکٹر جمیل جالبی نے فیک گیت کیا ہے۔ "Masks" کے لیے ڈاکٹر محمد یٰسین نے نقلی چہرہ اور ڈاکٹر جمیل جالبی نے مسخرے کا مصنوعی چہرہ کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ "Heroic Poems" کے لیے ڈاکٹر محمد یٰسین نے رزمیہ بحر جبکہ ڈاکٹر جمیل جالبی نے ہیروئی نظمیں کے الفاظ برتے ہیں۔ "Hexametre" کے لیے ڈاکٹر محمد یٰسین نے خاص بحر اور ڈاکٹر جمیل جالبی نے ہیکسامیٹر کی اصطلاح استعمال کی ہے۔

"Embellished Language" کے لیے ڈاکٹر محمد یٰسین نے اعلیٰ زبان جبکہ ڈاکٹر جمیل جالبی نے فنی صنائع سے معمور زبان کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ "Pity" کا ترجمہ ڈاکٹر محمد یٰسین نے رحم جبکہ ڈاکٹر جمیل جالبی نے ترس کیا ہے۔ "Thought" کا ترجمہ ڈاکٹر محمد یٰسین نے تاثرات اور ڈاکٹر جمیل جالبی نے خیال کیا ہے۔ "Spectaclle" کا ترجمہ ڈاکٹر محمد یٰسین نے آرائش جبکہ ڈاکٹر جمیل جالبی نے تماشا کیا ہے۔ "Dramatic Speeches" کا ترجمہ ڈاکٹر محمد یٰسین نے مکالمے جبکہ ڈاکٹر جمیل جالبی نے ڈرامے کی تقریریں کیا ہے۔ "Stage machanist" کے لیے ڈاکٹر محمد یٰسین نے کاریگروں کا فن جبکہ ڈاکٹر جمیل جالبی نے اسٹیج کا منتظم کے الفاظ برتے ہیں۔ Beginnig, Middle, End کے لیے ڈاکٹر محمد یٰسین نے بالترتیب آغاز، درمیان اور انجام کی اصطلاحات برتی ہیں جبکہ ڈاکٹر جمیل جالبی نے ان کا ترجمہ ابتدا، وسط اور خاتمہ کیا ہے۔

"Universal Truths" کا ترجمہ ڈاکٹر محمد یٰسین نے عام حقائق اور ڈاکٹر جمیل جالبی نے آفاقی صداقتیں کیا ہے۔ "Particular facts" کا ترجمہ ڈاکٹر محمد یٰسین نے جزئیات جبکہ ڈاکٹر جمیل جالبی نے مخصوص واقعات کیا ہے۔ "Peripeteia" کا ترجمہ ڈاکٹر محمد یٰسین انقلاب یا کایا پلٹ کیا ہے اور ڈاکٹر جمیل

جالبی نے تنسیخ کیا ہے۔ "Accident" کا ترجمہ ڈاکٹر محمد یٰسین نے حادثہ جبکہ ڈاکٹر جمیل جالبی نے مصیبت یا دکھ کیا ہے۔

"المیہ" کے کمیتی اجزا کا ترجمہ ڈاکٹر محمد یٰسین نے بالترتیب افتتاحیہ حصہ، دو گیتوں کے درمیان کا حصّہ جبکہ ڈاکٹر جمیل جالبی نے ان دونوں اصطلاحات کو مستعار لے کر پرولوگ اور ایپی سوڈ کی صورت میں درج کیا ہے۔

"Hamartia" کا ترجمہ ڈاکٹر محمد یٰسین نے عظیم الشان انسانی لغزش جبکہ ڈاکٹر جمیل جالبی نے غلطی کیا ہے۔

"Suitors" کا ترجمہ ڈاکٹر محمد یٰسین نے اودسیوس کی بیوی کے نام نہاد عاشو جبکہ ڈاکٹر جمیل جالبی نے بیوی کے چاہنے والے کیا ہے۔ "Rhetorics" کا ترجمہ ڈاکٹر محمد یٰسین نے علم فصاحت جبکہ ڈاکٹر جمیل جالبی نے فنِ خطابت کیا ہے۔ "Claity" کا ترجمہ ڈاکٹر محمد یٰسین نے سلاست جبکہ ڈاکٹر جمیل جالبی نے قابل فہم کیا ہے۔ "Commonplace" کا ترجمہ ڈاکٹر محمد یٰسین نے ابتذال جبکہ ڈاکٹر جمیل جالبی نے پامال و عامیانہ کیا ہے۔

ڈاکٹر محمد یٰسین اور شمس الرحمٰن فاروقی کی "Poetics" کی ترجمہ کردہ اصطلاحات میں اختلاف:

ڈاکٹر محمد یٰسین نے "Mimesis" کا ترجمہ نقل جبکہ شمس الرحمٰن فاروقی نے نمائندگی / ترجمانی کیا ہے۔

"Dithyrambics" کا ترجمہ ڈاکٹر محمد یٰسین نے بھجن جبکہ شمس الرحمٰن فاروقی نے پرجوش شرابی کورس کیا ہے۔ "Rhythm" کا ترجمہ ڈاکٹر محمد یٰسین نے موزونیت جبکہ شمس الرحمٰن فاروقی نے آہنگ کیا ہے۔ "Phallic Songs" کا ترجمہ ڈاکٹر محمد یٰسین نے فحش و شہوانی گیت جبکہ شمس الرحمٰن فاروقی نے عضو تناسل کی توصیف و تمجید میں گائے جانے والے گیت کیا ہے۔ "Heroic Poem" کے لیے ڈاکٹر محمد یٰسین نے رزمیہ نظم جبکہ شمس الرحمٰن فاروقی نے ہیروئی نظم کی اصلاح برتی ہے۔ "Hexametr " کے لیی ڈاکٹر محمد یٰسین نے خاص بحر جبکہ شمس الرحمٰن فاروقی نے مسدس الارکان بحر کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ "Embellished Language" کے لیے ڈاکٹر محمد یٰسین نے اعلیٰ زبان جبکہ شمس الرحمٰن فاروقی نے صنائع بدائع سے مزین زبان کی اصلاح برتی ہے۔ "Pity" کا ترجمہ ڈاکٹر محمد یٰسین نے رحم جبکہ شمس الرحمٰن فاروقی نے دردمندی کیا ہے۔ "Katharsis" کے لیے ڈاکٹر محمد یٰسین نے تزکیہ اور شمس الرحمٰن فاروقی نے تنقیہہ کی اصطلاح وضع کی ہے۔ "Diction" کا ترجمہ ڈاکٹر محمد یٰسین نے زبان و اسکوب اور شمس الرحمٰن فاروقی نے

کلمہ بندی کیا ہے۔ "Thought" ترجمہ ڈاکٹر محمد یٰسین نے تاثرات جبکہ شمس الرحمٰن فاروقی نے فکر کیا ہے۔ "Scenery" کے لیے ڈاکٹر محمد یٰسین نے آرائش اور شمش الرحمٰن فاروقی نے سینری کی اصطلاح برتی ہے۔ "Dramatic Speeches" کے لیے ڈاکٹر محمد یٰسین نے مکالمے اور شمس الرحمٰن فاروقی نے ڈرامے کی تقریریں کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ "Stage Machnist" کے لیے ڈاکٹر محمد یٰسین نے کاریگروں کا فن جبکہ شمس الرحمٰن فاروقی نے اسٹیج کاری کے الفاظ برتے ہیں۔ "Unity of Plot" کے لیے ڈاکٹر محمد یٰسین نے پلاٹ کی ترتیب اور شمش الرحمٰن فاروقی نے پلاٹ کی وحدت کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔

"Unikersals" کے لیے ڈاکٹر محمد یٰسین نے عام حقائق جبکہ شمس الرحمٰن فاروقی نے آفاقی کی اصطلاح برتی ہے۔ "Episodie plot" کا اردو ترجمہ ڈاکٹر محمد یٰسین نے قصہ در قصہ پلاٹ جبکہ شمس الرحمٰن فاروقی نے منظری پلاٹ کیا ہے۔

"Simple and Complex Plot" کے لیے ڈاکٹر محمد یٰسین نے سادہ و پیچیدہ پلاٹ جبکہ شمس الرحمٰن فاروقی نے غیر پیچیدہ و پیچیدہ پلاٹ کی اصطلاحات استعمال کی ہیں۔ "Perepeteia" کا ترجمہ ڈاکٹر محمد یٰسین نے انقلاب جبکہ شمس الرحمٰن فاروقی نے تقلیب کیا ہے۔ "Discovery" کا ترجمہ ڈاکٹر محمد یٰسین نے انکشاف اور شمس الرحمٰن فاروقی نے دریافت کیا ہے۔

"Prologue" کا ترجمہ ڈاکٹر محمد یٰسین نے افتتاحیہ حصّہ جبکہ شمس الرحمٰن فاروقی نے آغازیہ کیا ہے۔ "Episode" کا ترجمہ ڈاکٹر محمد یٰسین نے دو گیتوں کے درمیان کا حصّہ کیا ہے جبکہ شمس الرحمٰن فاروقی نے اس کا ترجمہ منظر جو دو گیتوں کے درمیان ہو کیا ہے۔ "Exode" کا اردو ترجمہ ڈاکٹر محمد یٰسین نے اکسوڈ اور کورس کس سنگت کیا ہے۔ اس کے برعکس شمس الرحمٰن فاروقی نے ان دونوں اصطلاحات کے لیے بے گیت منظر اور کورس گانا کے الفاظ برتے ہیں۔ "Hamartia" کے لیے ڈاکٹر محمد یٰسین نے عظیم الشان انسانی لغزش جبکہ شمش الرحمٰن فاروقی نے غلطی یا انسانی کمزوری کے الفاظ برتے ہیں۔ "Suitors" کا ترجمہ ڈاکٹر محمد یٰسین نے اودسیوس کی بیوی کے نام نہاد عاشق جبکہ شمس الرحمٰن فاروقی نے بیوی کو بیاہ لینے کے مدعی کیا ہے۔

"Hades" کے لیے ڈاکٹر محمد یٰسین نے جہنم کے مناظر اور شمش الرحمٰن فاروقی نے تحت الثریٰ کے مناظر کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ "Rhetorics" کے لیے ڈاکٹر محمد یٰسین نے علم فصاحت اور شمس الرحمٰن فاروقی نے رطوریقا کی اصلاح برتی ہے۔ "Current word" کا ترجمہ ڈاکٹر محمد یٰسین نے مستعمل الفاظ لفظ جبکہ شمس الرحمٰن فاروقی نے مروج لفظ کیا ہے۔ "Clarity" کا ترجمہ ڈاکٹر محمد یٰسین نے سلاست اور شمس الرحمٰن

فاروقی نے واضح ہونا کیا ہے۔ "Commonplace" کا ترجمہ ڈاکٹر محمد یٰسین نے ابتذال جبکہ شمس الرحمٰن فاروقی نے پیش پا افتادہ کیا ہے۔ "Metaphorical Word" کا ترجمہ ڈاکٹر محمد یٰسین نے تسبیہی لفظ جبکہ شمس الرحمٰن فاروقی نے استعاراتی لفظ کیا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، (مترجم)، بوطیقا، از ارسطو، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۹۸ء، ص ۲

۲۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، (مترجم) علویت کے بارے میں، از لانجائنس، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، ۲۰۱۹، ص ۱۲۰

۳۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، (مترجم) ایضاً، ص ۱۶۹

۴۔ غلام جیلانی اصغر، ڈاکٹر، سوال یہ ہے، مشمولہ، اوراق، لاہور، شمارہ نمبر ۴، ۱۹۹۶ء، ص ۴۵-۴۶

۵۔ رشید احمد، ڈاکٹر، رویے اور شناختیں، مقبول اکیڈمی، راولپنڈی، ۱۹۸۸، ص ۳۱

۶۔ عابد علی عابد، سید، اصول انتقادِ ادبیات، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۷۱ء، ص ۱۳۴

۷۔ عزیز احمد (مترجم)، فنِ شاعری، از ارسطو، انجمن ترقی اردو، کراچی، ۱۹۸۶، ص ۵۱

۸۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، (مترجم)، بوطیقا، از ارسطو، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۹۸ء، ص ۳۹

۹۔ شمس الرحمٰن فاروقی، (مترجم)، شعریات، از ارسطو، فکشن ہاؤس، لاہور، ۲۰۱۹، ص ۶۷

۱۰۔ محمد یٰسین، ڈاکٹر، (مترجم) کتاب الشعر، از ارسطو، انجمن ترقی اردو، ہند، ۱۹۷۵، ص ۵۳

۱۱۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، ایضاً، ص ۲۷

۱۲۔ شمس الرحمٰن فاروقی، ایضاً، ص ۵۱

۱۳۔ سید محمد عارف، پروفیسر، ڈاکٹر رموزِ اوقاف (تحریر کا فن)، ہائر ایجوکیشن کمیشن، اسلام آباد، ۲۰۱۷ء ص ۳۷-۳۸

۱۴۔ فاخرہ نورین، ڈاکٹر، ترجمہ کاری، ادارہ تحقیقات اردو، اسلام آباد، ۲۰۱۴، ص ۹۵

۱۵۔ Tim Eniris, Translation and Discourse, M.A.Translation Studies, Queetion5, p3

۱۶۔ Mona Baker, In other words: A course book on Translation Routlodge London, p 228-243

۱۷۔ عزیز احمد، (تمہید) فنِ شاعری، از ارسطو، انجمن ترقی اردو، کراچی، ۱۹۸۶، ص ۳۶

۱۸۔ عزیز احمد، ایضاً، ص ۳

۱۹۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، ایضاً، ص

۲۰۔ ایضاً، ص

۲۱۔ شمس الرحمٰن فاروقی، (دیباچہ مترجم)، شعریات، از ارسطو، فکشن ہاؤس، لاہور، ۲۰۱۹، ص ۱۰

۲۲۔ عزیز احمد، ایضاً، ص ۲۶

۲۳۔ عطش درّانی، ڈاکٹر

۲۴۔ محمد سلیم الرحمٰن، (مترجم)، جہاں گرد کی واپسی، از ہومر، ص ۱۵۷

باب: پنجم

مجموعی جائزہ

گزشتہ ابواب میں "Poetics" کے منتخبہ اردو تراجم کا تقابلی مطالعہ کیا گیا ہے۔ اس تقابلی مطالعے کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ منتخبہ اردو تراجم کا ماخذ انگریزی متن سے تقابل کر کے یہ دیکھا کہ "Poetics" کے مترجمین ماخذ متن کو ہدفی متن میں منتقل کرنے میں کس حد تک کامیاب ہوئے ہیں، انھوں نے کس متن کو بطور ماخذ منتخب کیا اور اس انتخاب کا کیا جواز فراہم کیا۔ اس کے بعد منتخبہ اردو تراجم کے مابین ترجمے کی تکنیک ترجمے کے اسلوب اور اصطلاحات کے ترجمے کے حوالے سے تقابل کر کے ان تراجم میں اشتراکات و اختلافات کی نشاندہی کی گئی ہے۔ اس سے قبل مقالے کے پہلے باب میں فن ترجمہ کاری، ترجمے کی مختلف اقسام اور ترجمہ کاری کی راہ میں حائل مسائل اور دشواریوں پر بھی بنیادی نوعیت کی اور اصولی بحث کی گئی ہے۔ اسی طرح تقابلی مطالعے کے مفہوم، اقسام اور طریقہ کار (پر بھی بنیادی) کی مبادیات کا بھی بہ اختصار جائزہ لیا گیا ہے۔

"Poetics" کے مصنف اور مفہم اوّل ارسطو کا تعارف اور اس کے علمی کارناموں پر بھی طائرانہ نگاہ ڈالی گئی۔ اس کے بعد "Poetics" کے تعارف اور اس کی اہمیت پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے، جس سے ایک طرف تو "Poetics" کے موضوعات کو زیر بحث لایا گیا تا کہ "Poetics" کی فی زمانہ معنویت کو اُجاگر کیا جا سکے۔ اس مقام پر ایک بنیادی نکتے کی صراحت ضروری ہے کہ "Poetics" کے موضوعات کے ضمن میں تمام ہی اردو و انگریزی نسخوں میں اشتراک پایا جاتا ہے۔ تمام اردو و انگریزی مترجمین کے ہاں اسلوب، اصطلاحات اور تکنیک کی سطح پر اختلافات موجود ہیں مگر "Poetics" کے موضوعات سبھی مترجمین کے ہاں یکساں و مشترک ہیں اور ان میں کسی قسم کا اختلاف نہیں۔ لہٰذا یہ پہلو "Poetics" کے تعارف اور اس کی اہمیت کے بیان کے دوران ہی واضح کر دیا گیا ہے۔

"Poetics" کی اہمیت کی بنا پر اس کا اردو ترجمہ صفِ اوّل کے مصنفین اور مترجمین نے کیا ہے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی اور عزیز احمد، شمس الرحمٰن فاروقی کا شمار اردو زبان کے نامور مصنفین و مترجمین میں ہوتا ہے۔ لہٰذا پہلے بعد میں فاضل مترجمین کا تعارف بھی شامل کیا گیا ہے۔

علمی ترقیوں، لسانی اختلافات، مذہبی متون کی تفہیم کی خواہش، زبان و ادب کے دامن میں وسعت پیدا کرنے کی لگن اور تقابلی ادب نے ترجمے کی ضرورت، اہمیت اور افادیت کا احساس دلایا۔ ترجمے کی سرگرمی اتنی ہی قدیم ہے جتنی کہ انسانی زبانوں کی عمر ہے۔ ترجمے کے بغیر ہمہ گیر اور ہمہ جہت علمی و لسانی ترقی ناممکن ہے۔ ترجمہ کی اسی ضرورت اور اہمیت کے پیشِ نظر ترجمے کے نظری و عملی پہلوؤں پر غور و فکر کا سلسلہ صدیوں سے جاری ہے۔ ترجمے کے عمل اور سرگرمی پر سب سے پہلے سیسرو نے غور و فکر کر کے اپنی آرا پیش کیں۔ وہ لفظی و مفہومی ترجمے کے تصورات کو زیر بحث لاتا ہے۔ اس بحث میں وہ اپنا فیصلہ مفہومی ترجمے کے حق میں سناتا ہے۔ گویا سیسرو لفظی و مفہومی ترجمے کی حکمت عملیوں میں مفہومی ترجمے کی حمایت کرتا ہے اور یونانی خطبا کا ترجمہ بھی اسی مفہومی ترجمے کی حکمت عملی کے مطابق سرانجام دیتا ہے۔ سیسرو کے بعد ہوریس (Horace) نے بھی ترجمے کے تصور کو زیر بحث لایا۔ ہوریس نے اپنی کتاب "Ars Poetica" کے ایک اقتباس میں لفظ بہ لفظ ترجمے کی عملی کے برعکس جمالیاتی حسن کی حامل اور تخلیقی زبان کی حمایت کی۔ ہوریس (Horace) کے افکار کی رہنمائی میں ہی سینٹ جیروم (St. Jerome) نے عہد نامہ عتیق کا لاطینی زبان میں ترجمہ کیا۔ اردو ایک زندہ، جدید اور ارتقا پذیر زبان ہے۔ اس زبان نے گزشتہ چند صدیوں کے دوران تیزی سے ترقی کی منازل طے کر کے علمی زبان کا درجہ حاصل کر لیا ہے۔ اردو دنیا کی بڑی زبانوں میں سے ایک ہے اور اس کے بولنے اور سمجھنے والے دنیا کے ہر خطے اور براعظم میں موجود ہیں۔ یہ پاکستان کی قومی زبان ہونے کے ساتھ ساتھ پورے برصغیر کی رابطے کی زبان (Lingua Francka) بھی ہے۔ اردو کی لسانی ترقی میں تراجم کا کلیدی کردار ہے۔ ابتداً فارسی، عربی اور سنسکرت سے اردو میں تراجم ہوئے۔ نو آبادیاتی نظام کے غلبے کے بعد جب برصغیر میں انگریزوں اور انگریزی نے اپنا تسلط قائم کیا تو پھر انگریزی زبان سے تراجم کا آغاز ہوا اور فی زمانہ جس زبان سے سب سے زیادہ تراجم اردو میں ہوئے اور ہو رہے ہیں، وہ انگریزی زبان ہی ہے۔ مگر اس کے علاوہ دنیا کی دیگر چھوٹی بڑی زبانوں کے علمی جواہر اور ادب پارے بھی اردو زبان میں ترجمہ ہو رہے ہیں اور یہ سلسلہ فقط انگریزی زبان تک ہی محدود نہیں۔ اس تناظر میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ تخلیقی سرگرمیوں کے پہلو بہ پہلو ترجمہ بھی اردو زبان کی ہمہ جہت ترقی میں اپنا بھرپور، زبردست اور کلیدی کردار ادا کر رہا ہے۔ اردو زبان میں ترجمہ کاری کی سرگرمیاں انفرادی و اجتماعی (اداروں کی سطح پر) دونوں سطحوں پر دکھائی دیتی ہیں۔ جہاں بہت سے اداروں نے منظم و مربوط منصوبہ بندی کے تحت تراجم کا کام کر کے اردو زبان میں وسعت اور توانائی پیدا کی، وہاں انفرادی سطح پر بھی شاہکار تراجم ہوئے ۔ مگر اردو زبان میں

ترجمے کے نظری و عملی پہلوؤں اور مسائل پر لکھنے کا آغاز بیسویں صدی کے دوسرے نصف میں ہوا۔ اردو زبان میں فنِ ترجمہ پر تصنیف کی گئی کتب کی تعداد ایک درجن کے لگ بھگ ہے۔ اس کے علاوہ ادبی و تحقیقی رسائل میں شائع ہونے والے کچھ مضامین ہیں جو اس فن کے محض چند پہلوؤں کے سرسری اور سطحی جائزے پر مشتمل ہیں۔ زیادہ تر کتب، مضامین و مقالات کا مجموعہ ہیں، ان کتب میں اس علم و فن کے جملہ پہلوؤں کو منظم و مربوط انداز میں پیش نہیں کیا گیا۔

اس کے برعکس مغرب میں اس علم نے ہمہ گیر و ہمہ جہت ترقی کے بعد ایک باقاعدہ علمی مضمون کی حیثیت اختیار کر لی ہے، جسے علم ترجمہ (Translation Studies) کہا جاتا ہے۔ یہ علم دنیا کی سیکڑوں یونیورسٹیوں میں پڑھایا جاتا ہے جہاں اس کی مختلف جہات پر پی۔ ایچ۔ ڈی کی سطح پر کام بھی ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ دنیا کی بڑی زبانوں میں ترجمے کے نظری و عملی پہلوؤں کے حوالے سے رسائل و جرائد بھی شائع ہوتے ہیں، اس علم کی وسعت اور ثروت مندی میں اپنا فعال کردار ادا کر رہے ہیں۔

ترجمے کو عام طور پر تین اقسام میں تقسیم کیا جاتا ہے جن میں علمی ترجمہ، ادبی ترجمہ اور صحافتی ترجمہ شامل ہے۔ اسی طرح ترجمے کے تین طریقے یا تکنیکیں بتائی جاتی ہیں:

۱۔ لفظ بلفظ ترجمہ ۲۔ مفہوم کا ترجمہ (مفہومی ترجمہ) ۳۔ صحافتی ترجمہ

علمی متن کے لیے عموماً لفظ بہ لفظ یا لفظی ترجمے (Word for Word) کی تکنیک استعمال کی جاتی ہے۔ ادبی ترجمہ لفظی ترجمے کی تکنیک کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ اس لیے ادبی متون کے تراجم کے لیے مفہومی ترجمے (Sense for Sense Translation) کی تکنیک بروئے کار لائی جاتی ہے۔ صحافتی ترجمے کی ضروریات، تقاضے اور مسائل چونکہ علمی و ادبی ترجمے سے مختلف ہوتے ہیں اس لیے صحافتی متون کے ترجمے کے لیے "کھلے ترجمے" کی تکنیک برتی جاتی ہے۔

دوران ترجمہ مترجم کو متنوع مسائل اور دشواریوں کا سامنا بھی کرنا پڑتا ہے۔ ترجمے کی ہر نوع اور ہر متن اپنے پہلو میں کچھ مسائل اور مشکلات لیے ہوتا ہے۔ علمی، ادبی اور صحافتی ترجمے کی اقسام کے فرق کی بنا پر ان متون سے جڑے مسائل و مشکلات بھی الگ ہوتے ہیں۔ علمی ترجمہ علم کی حدود میں وسعت اور ہدفی زبان کو نئے افکار و تصورات کی دولت سے مالا مال کرنے کی غرض سے کیا جاتا ہے۔ اس لیے علمی ترجمے کا بنیادی ہدف ماخذ زبان کے افکار و تصورات اور معنی و مفہوم کی ہدفی زبان میں درست ترسیل ہے۔ ایک مترجم کے لیے ماخذ متن کی زبان اور مواد پر مکمل عبور، ہدفی زبان پر دسترس اور اظہار کی قدرت لازمی تصور کی جاتی

ہے۔ اس سے یہ تقاضا کیا جاتا ہے کہ وہ ماخذ متن کے افکار و تصورات کو درستی، روانی، ترتیب اور قابل مطالعہ زبان میں ہدفی متن کا روپ عطا کرے۔ وہ ہدفی متن کی تحریر کے دوران مبہم اور الجھی ہوئی باتوں کو بھی قابل فہم بنائے۔ علمی ترجمے کی زبان صنائع بدائع سے مزین نہیں ہوتی اور نہ ہی اس میں زبان دانی کے جوہر دکھانے کی گنجائش ہوتی ہے۔ لفظ کا موزوں، اکہرا اور بر محل استعمال علمی ترجمے کا بنیادی تقاضا ہے۔

علمی ترجمے کی راہ میں سب سے بڑی دشواری اصطلاحات کے ترجمے کے دوران پیش آتی ہے۔ اصطلاح کو کسی بھی علم میں ریڑھ کی ہڈی کا مقام حاصل ہوتا ہے۔ اردو زبان میں اصطلاحات کے ترجمے کے حوالے سے عموماً دو حکمتِ عملیاں بروئے کار لائی جاتی ہیں۔ پہلی حکمت عملی تو یہ ہے کہ کسی بھی اصطلاح کا موزوں ترین متبادل یا مترادف تلاش کیا جائے یعنی اس کا ترجمہ کر لیا جائے۔ اصطلاح کا ترجمہ یا اردو زبان میں اس کا مترادف موجود نہ ہونے کی صورت میں دوسری حکمتِ عملی اپنائی جاتی ہے اور وہ حکمت عملی ہے اصطلاح مستعار لینے کی۔ انگریزی سے اردو میں ہونے والے تراجم میں ہمیں یہ دونوں حکمت عملیاں دکھائی دیتی ہیں۔ "Poetics" کے تراجم میں بھی اصطلاحات کے حوالے سے ہمیں یہ دونوں صورتیں دکھائی دیتی ہیں۔

زیرِ تحقیق مقالہ تراجم کے تقابلی مطالعہ پر مشتمل ہے۔ اس لیے تقابلی ادب کے بنیادی مفہوم سے آگاہ ہی، اس کے مختلف دبستانوں اور طریقہ ہائے کار سے واقفیت بھی ضروری ہے۔ تقابلی ادب کی اصطلاح قومی ادب کے رد عمل کے طور پر ظہور میں آئی۔ قومی ادب ایک محدود تصور ہے اور اس سے مراد ایک قوم، ایک زبان، ایک ثقافت، ایک خطے اور ایک نسل کا ادب ہے۔ اس کے برعکس تقابلی ادب کسی ایک ملک، ایک قوم، ایک خطے، ایک زبان، اور ایک نظریے سے سروکار نہیں رکھتا۔ تقابلی ادب کے بنیاد گزار اس امر پر پختہ یقین رکھتے تھے کہ ادب و شاعری ساری انسانیت کی مشترکہ میراث ہے۔ اس لیے ادب کا مطالعہ محدود جغرافیائی، نظریاتی، لسانی اور ثقافتی حدود سے آگے بڑھ کر اور وسیع پیمانے پر کیا جائے۔

جرمن شاعر، ناول نگار اور دانشور گوئٹے پہلا شخص تھا جس نے عالمی ادب (World Literature) کی بات کی۔ یوں قومی ادب کے مقابلے میں عالمی ادب کے تصور کو اُجاگر کرنے کا سہرا گوئٹے کے سر ہے۔ گوئٹے کے عالمی ادب کے تصور سے ہی تقابلی ادب کے تصور نے جنم لیا۔ ابتدائی طور پر تقابلی ادب کی اصطلاح کا ظہور فرانس میں ۱۸۱۶ء میں اس وقت ہوا جب تقابلی ادب کا ایک نصاب شائع ہوا۔ تقابلی ادب کے لیے انگریزی میں "Comparative Literature" کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے۔ اس اصطلاح کا انگریزی

میں سب سے پہلے استعمال میتھیو آرنلڈ نے ایک مکتوب میں ۱۸۴۸ء میں کیا۔ اس کے بعد ۱۸۶۳ء میں رینے ویلک اور آسٹن وارن نے جب "Theory of Literature" کے عنوان سے ایک کتاب تحریر کی تو "عمومی ادب، تقابلی ادب اور عالمی ادب" کے عنوان سے پورا ایک باب رقم کیا۔

تقابلی ادب کے ظہور کے بعد انگریزی، فرانسیسی اور جرمن زبانوں میں اس علم کی حمایت اور مخالفت میں مضامین اور کتب کی اشاعت کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ رسائل و جرائد بھی شائع ہونے لگے۔ اس علم کے مختلف پہلوؤں پر غور و فکر اور تحقیق ہونے لگی جس سے اس علم نے ترقی کی منازل طے کرنا شروع کیں۔ مغرب کی مختلف یونیورسٹیوں میں تقابلی ادب کے شعبے قائم ہوئے۔ مختلف ممالک کے تقابلی ادب کے علما نے مختلف اندازِ فکر اور طرزِ مطالعہ اختیار کیا، جس کی بناء پر تقابلی ادب کے جرمن مکتبۂ فکر، فرانسیسی مکتبۂ فکر اور برطانوی مکتبۂ فکر کی بنیاد پڑی۔ اس کے علاوہ تقابلی ادب کا امریکی دبستان بھی اپنی الگ اور منفرد شناخت رکھتا ہے۔

تقابلی ادب کے فرانسیسی علما نے اثرات (Influence) کے پہلو پر خصوصی توجہ دی۔ جرمن مکتبۂ فکر "Themes" کے تقابل کو اہمیت دیتا تھا۔ برطانوی مکتبۂ فکر نے موقعیت (Placing) کو اہمیت دی۔ ان تمام مکاتبِ فکر کے برعکس امریکی تقابلی ادب کا مکتبۂ فکر ہے۔ امریکی تقابلی ادب کے دبستان نے یورپ کے تقابلی ادب سے الگ راہ نکالی اور قوم پرستی اور قومی زبان و ادب سے جذباتی لگاؤ کے برعکس کھلے دل و دماغ اور زیادہ وسیع پیمانے پر تقابلی ادب کی اہمیت کو تسلیم کیا۔

بہ نظر غائر دیکھنے سے یہ حقیقت منکشف ہوتی ہے کہ مغرب میں فروغ پانے والے تقابلی ادب کے درجہ بالا تمام دبستان اس بنا پر افراط و تفریط کا شکار ہیں کہ وہ تقابلی مطالعات کے دوران فقط کسی ایک پہلو پر ہی ساری توجہ مرکوز رکھتے ہیں (جس کے کچھ اسباب و محرکات ہو سکتے ہیں) جس سے تخلیقات و تصانیف کا فقط ایک پہلو تو روشنی میں آتا ہے اور باقی پہلو پس پردہ چلے جاتے ہیں۔ بہتر اور معیاری تقابلی مطالعات اس غرض سے کیے جاتے ہیں کہ زیر مطالعہ متون کے تمام اشتراکات و اختلافات واضح ہو جائیں اور جب بات کسی متن کے مختلف تراجم کے تقابلی مطالعے کی آئے نوع مطالعہ اس نو اور طریقۂ کار سے ہو کہ تمام اشتراکات و اختلافات کی نشاندہی کے بعد بہتر، مستند اور معیاری متن کا تعین بھی کیا جا سکے۔ اگر معاملہ اس سے مختلف ہو، یعنی تمام متون میں کسی درجہ اصلاح و بہتری کی گنجائش ہو تو تمام ہدفی متون کو معیاری ماخذ متن یا متون کی روشنی میں بروئے کار لا کر مستند اور معیاری ہدفی متن ترتیب دیا جائے۔

ایک بہت بنیادی اور توجہ طلب نکتہ یہ ہے کہ تقابلی ادب فقط متون کا پوسٹ مارٹم بن کر ہی نہ رہ جائے بلکہ وہ متون کے باریک بین مطالعات و تقابل کے بعد یا تو معیاری متن کے تعین یا ترتیب پر منتج ہو۔ دیگر زبانوں کے طرزِ مطالعہ و تقابل سے قطع نظر اردو زبان میں اس کی اشد ضرورت ہے اور خصوصاً" امہات الکتب" کے تراجم کی حد تک تو اس پہلو سے صرفِ نظر کرنا زبان کو معیاری علمی سرمائے سے محروم رکھنے کے مترادف ہے۔ اس غرض سے ہمیں مغربی تقابلی ادب کے دبستانوں سے روشنی تو مل سکتی ہے مگر کسی ایک دبستان کے اصول و ضوابط کو مشعلِ راہ بنانے سے سوائے گمراہی کے کچھ حاصل نہ ہو گا۔ راقم مقالہ کے نزدیک اس ضمن میں بہترین حکمتِ عملی "امتزاجی طریقہ کار" کا اپنانا ہے۔ تمام دبستانوں کے اچھے عناصر سے استفادہ بہتر نتائج کے حصول میں مددگار ثابت ہو سکتا ہے۔ اس کے علاوہ زیرِ مطالعہ متون کے اپنے تقاضے اور ضروریات بھی تقابل کی راہ کے تعین میں مددگار ہوتے ہیں۔ یہاں ضرورت اس امر کی ہے کہ تقابلی مطالعہ کرنے والا فرد بیدار مغز اور باشعور ہو اور دورانِ مطالعہ و تقابل خفیف سے خفیف نکتہ بھی اس کی عقابی نظر سے نہ بچ پائے۔ لیکن اس طرزِ مطالعہ کے لیے اعلیٰ درجے کی علمی ریاضت درکار ہوتی ہے، کہ معجزہ فن کی نمود خونِ جگر کے بغیر ممکن نہیں۔

مغرب میں تو تقابلی ادب کی روایت آغاز و ارتقا کے مراحل طے کر کے اب روبہ انحطاط دکھائی دیتی ہے تبھی تو وہاں "The Crises of Comparative Literature" جیسے مقالات لکھے گئے۔ مغرب کے برعکس چین، بھارت، جاپان اور برازیل جیسے ممالک میں تقابلی ادب کا رجحان بڑھ رہا ہے۔ اس کی وجہ وہاں کی زبان و تہذیب کے معروضی حالات اور تقاضے ہیں۔

پاکستان کے ثقافتی و لسانی حالات اور تقاضے تقابلی ادب کی طرف سنجیدہ التفات کا تقاضا کرتے ہیں۔ اردو پاکستان کی قومی زبان ہے، طویل نو آبادیاتی اور مابعد نو آبادیاتی صورتحال میں انگریزی اس ملک کی سرکاری اور اشرافیہ کی زبان ہے۔ پنجابی، سندھی، پشتو، بلوچی، کشمیری، کھوار اور شنا وغیرہ یہاں کی علاقائی زبانیں ہیں جن میں اعلیٰ درجے کے ادبی موجود ہیں۔

اس تناظر میں تقابلی مطالعات کی ضرورت کا شدت سے احساس ہوتا ہے۔ اس سے ایک طرف تو علمی ترقی کے دریچے وا ہوں گے تو دوسری طرف قومی یکجہتی کو فروغ ملے گا۔ سندی تحقیق کرنے والے اسکالرز جو موضوعات کی تلاش میں اکثر بھٹکتے دکھائی دیتے ہیں کو بھی فرسودہ اور گھسے پٹے موضوعات کے بجائے اعلیٰ درجے کے موضوعاتِ تحقیق مل سکیں گے۔

لیکن مقام حیرت و عبرت ہے کہ اردو زبان اور پاکستان میں تقابلی ادب کی طرف رجحان نہ ہونے کے برابر ہے۔ سندی تحقیق بھی زیادہ تر سوانحی، تنقیدی، تجزیاتی اور خاصی سطحی انداز سے ہوتی ہے۔ جس کا رجحان "Discourse Analysis" کی طرف زیادہ ہوتا ہے۔ اکثر نو آموز سکالرز مشقِ تحقیق کے دوران اچھے خاصے معیاری تحقیق طلب اور تقابلی مطالعے کی متقاضی موضوعات پر سطحی، غیر معیاری اور یک رُخی تحقیق کر کے "موضوع تحقیق" کا گلا گھونٹنے کے مرتکب ہوتے ہیں اور بعد ازاں یہ کہا جاتا ہے کہ اس موضوع پر تو کام ہو چکا ہے۔ گویا موضوع کا فقط نام استعمال کر کے کام خراب کر دیا جاتا ہے۔ پڑھا کیا ہے، سوچا کیا ہے، سمجھا کیا ہے، لکھا کیا ہے، اس سے نتیجہ کیا نکالا ہے، اس سے زبان و ادب کی کیا خدمت ہوئی ہے، علم کے دامن میں کس درجہ وسعت پیدا ہوئی ہے، غلطیوں کی نشاندہی کس قدر ہوئی ہے، ان کی اصلاح کی کیا صورت نکالی گئی ہے۔ اپنی زبان کو کیا فائدہ پہنچا اور اس تحقیق کے قارئین کو پڑھنے کے لیے کیا ملا، ان باتوں اور سوالوں پر توجہ نہیں دی جاتی۔ پھر ایسی تحقیق کیوں اور کس لیے؟

اردو زبان میں تقابلی مطالعات کی خاصی ضرورت اور گنجائش ہے۔ (خاص طور پر وطن عزیز پاکستان میں) لیکن اردو تحقیق کا دامن اس حوالے سے تہی ہے۔ اردو زبان میں تقابلی ادب پر مواد دستیاب نہ ہونے کے سبب نو آموز سکالرز اس جانب راغب نہیں ہوتے۔ اردو زبان میں تقابلی ادب پر ابھی تک ایک طبع زاد کتاب بھی تصنیف نہیں کی جا سکی۔ اردو زبان میں جب بھی تقابلی مطالعے کی بات ہو تو صرف ایک ہی کتاب زیر بحث آتی ہے؛ "تقابلی ادب: ایک تنقیدی جائزہ"۔ یہ کتاب بھی توحید احمد نے انگریزی زبان سے اردو میں ترجمہ کی ہے، جس کی مصنفہ "سوسن بیسنٹ" ہیں۔ اردو زبان میں اس موضوع پر مواد کا قحط ہی اس موضوع پر تحقیق کرنے کی راہ میں حائل ہے۔ اردو دان طبقے اور اردو زبان کے بہی خواہوں کو فوراً اس جانب سنجیدہ توجہ دینے کی ضرورت ہے تاکہ اس باب میں کوتاہ دامنی کا مداوا کیا جا سکے اور اردو دان طبقے اور نو آموز سکالرز اور محققین کو تقابلی ادب کی طرف راغب کیا جا سکے۔

زیرِ تحقیق مقالہ ارسطو کی تصنیف "Poetics" کے تراجم کے تقابلی مطالعہ پر مشتمل ہے۔ ارسطو نے انسانی فکر کے ارتقا میں بنیادی مگر اہم کردار ادا کیا۔ وہ افلاطون کا نامور شاگرد تھا جو اس کی اکیڈمی (Academy) میں زیرِ تعلیم رہ کر قطرے سے گوہر بنا۔ افلاطون ارسطو کو "عقل مجسم" اور اس کے گھر کو "پڑھنے والے کا گھر" کہا کرتا تھا۔ ارسطو ایک نابغۂ روزگار شخص تھا جس نے اپنی غیر معمولی ذہنی و علمی استعداد کی بنا پر بہت سے علوم کی بنیاد رکھی۔ اسے حیاتیات، منطق اور تنقید کا مؤسس کہا جاتا ہے۔ ہمارے موضوع کی

مناسبت سے دیکھا جائے تو وہ "Poetics" کا نہ صرف مصنف ہے بلکہ ارسطو کی اس تصنیف کو تنقید کی پہلی کتاب ہونے کا فخر بھی حاصل ہے۔ ارسطو سے قبل باقاعدہ اور مربوط تنقید کا وجود نہیں تھا۔ تنقید کے حوالے سے ہومر کی "ایلیڈ" اور "اوڈیسی" میں چند اشارات ملتے ہیں یا افلاطون کے چند مکالمات اور اس کی معروف کتاب "جمہوریہ" (Republic) کے دسویں باب میں شاعروں پر لگائے گئے الزامات کی حد تک محدود تھی۔ افلاطون نے خالصتاً اخلاقیات اور سیاسیات کے نقطۂ نظر سے شاعروں اور شاعری پر تنقید کی تھی اور اپنی مثالی جمہوریہ سے شاعروں کو دیس نکالا دیا تھا۔ اس کے برعکس ارسطو کی کتاب "Poetics" صرف اور صرف تنقید کے موضوع کا احاطہ کرتی ہے۔ اس میں شاعری و ادب کا احاطہ صرف اور صرف شاعری کے نقطۂ نظر سے کیا گیا ہے اور اسے اخلاقیات اور سیاسیات کی کنیز بنانے کی کوشش نہیں کی۔ ارسطو نے ایک طرف تو افلاطون کے افکار اور اعتراضات کو پیشِ نظر رکھا اور دوسری طرف یونان کے سارے ادب کو بھی تنقید کی کسوٹی پر کسا۔ یوں وہ فنِ تنقید میں معلم اوّل قرار پایا۔ ارسطو کے تنقیدی افکار ایک طرف تو افلاطونی افکار کا "Anti Thesis" ہیں تو دوسری طرف اس کی زبردست سائنسی، تنقیدی، استقرائی اور تجزیاتی فکر کا نتیجہ۔ لیکن ارسطو نے "Poetics" میں کہیں بھی اپنے استاد افلاطون کا نام نہیں لیا اور نہ ہی یہ بتایا کہ وہ اس کی غلطیوں کی اصلاح کر رہا ہے۔ (ویسے بھی ارسطو کی کسی تصنیف میں افلاطون کا نام نہیں لیا گیا ہے۔ ارسطو کا فقط ایک جملہ اس حوالے سے دستیاب ہے جس میں افلاطون کا نام لیا گیا ہے)

جیسا کہ گزشتہ سطور میں بیان کیا گیا ہے کہ "Poetics" تنقید کی پہلی کتاب ہے۔ یہ مغربی تنقید کا بنیادی ماخذ ہے۔ یہ تنقید کی سب سے زیادہ زیرِ بحث آنے والی کتب میں سے ایک ہے۔ الہامی متون اور شیکسپیئر کے ڈراموں کے بعد جس تصنیف پر سب سے زیادہ لکھا گیا اور جس کے افکار و تصورات اور اصطلاحات پر سب سے زیادہ بحث کی گئی وہ ارسطو کی "Poetics" ہے۔ یہ ارسطو کی غیر معمولی ذہنی استعداد اور فطانت کا کرشمہ ہے کہ اس مختصر سی کتاب میں تین طرح کے اہم مباحث کا احاطہ ہو گیا ہے۔ ایک تو یہ کہ "Poetics" فلسفۂ شعر کی کتاب ہے۔ دوسری اہم بات یہ کہ اس بنیادی کتاب میں المیہ اور رزمیہ پر اُصولی اور نظریاتی بحث کی گئی ہے۔ تیسری بات یہ کہ اس کتاب میں ارسطو نے المیہ اور رزمیہ شاعروں کے لیے ہدایت نامہ مرتب کیا کہ وہ کیا کریں اور کیا نہ کریں۔

"Poetics" نے مغربی تنقید کے ارتقا میں کلیدی کردار ادا کیا اور ارسطو سے ایلیٹ تک مغربی تنقید یا تو ارسطو کے تصورات کی موافقت میں یا مخالفت میں یا دونوں کے امتزاج کی صورت میں پروان چڑھی۔

"Poetics" کل چھبیس (۲۶) ابواب پر مشتمل ہے۔ ابتدائی پانچ ابواب موضوع کے تعارف پر مشتمل ہیں۔ چودہ (۱۴) ابواب المیہ (Tragedy) کے تفصیلی مطالعے پر مشتمل ہیں۔ اگلے تین ابواب میں شعری زبان پر بحث کی گئی ہے اور آخری چار ابواب تنقیدی اعتراضات اور ان کے جوابات کا احاطہ کرتے ہیں۔

جیسا کہ گزشتہ سطور میں بتایا گیا کہ مغرب میں تنقیدی فکر اور اصولِ تنقید کے ارتقا میں ارسطوئی افکار کو مضبوط بنیاد کی حیثیت حاصل ہے۔ گویا مغربی تنقید میں ارسطو اقلیدس کی مبادیات کی طرح اٹل اور حکمی ہے۔ اس تناظر میں جب ہم اردو تنقید کے ارتقا پر نگاہ ڈالتے ہیں تو یہ حقیقت منکشف ہوتی ہے کہ اردو تنقید کے ارتقا میں مغربی تنقیدی فکر اور خصوصاً انگریزی تنقید نے بنیادی کردار ادا کیا ہے۔ جدید اردو تنقید انگریزی تنقید کے زیر سایہ پروان چڑھی۔ اس ارتقا سے قبل اردو تنقید تذکروں کی محدود اور سطحی دنیا تک محدود تھی۔

اردو تنقید کے ارتقا پر لکھی جانے والی تمام کتب میں "Poetics" کی اہمیت اور اولیت کو تسلیم کیا گیا۔ اس کے علاوہ ان کتب میں ارسطو کی فکر اور اس کی وضع کردہ اصطلاحات کو بھی مختصراً ہی سہی مگر زیرِ بحث ضرور لایا گیا۔ ڈاکٹر عبادت بریلوی، ڈاکٹر سید عبداللہ، ڈاکٹر جمیل جالبی، سید عابد علی عابد، میاں محمد شریف اور ڈاکٹر وزیر آغا جیسے ناقدین اور علما نے "Poetics" کے بنیادی افکار و اصطلاحات پر قلم اٹھایا۔ ڈاکٹر وزیر آغا جنھیں جدید اردو تنقید کے ارتقا اور نظریہ سازی میں بلند مقام حاصل ہے۔ انھوں نے فی زمانہ ارسطو کے افکار کی اہمیت کو تسلیم کیا ہے۔ "امتزاجی تنقید" (Synthetic Criticism) کا نظریہ پیش کرتے ہوئے ڈاکٹر وزیر آغا نے ارسطو کے افکار اور اس کے کیتھارسس (Katharsis) کے تصور کو بنیادی اہمیت دی۔

یوں مغربی تنقید کے ماخذ "Poetics" کو اردو تنقید کے ارتقا میں بھی ماخذ کا مقام حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب جدید اردو تنقید نے ارتقا کے مراحل طے کرنا شروع کیے تو "Poetics" کے ترجمے کی ضرورت کا احساس بھی ہوا۔ آخر اردو تنقید اس ام الکتاب کے ترجمے اور اردو زبان میں اس کی پیشکش سے کیسے صرفِ نظر کر سکتی تھی۔

"Poetics" کی اسی اہمیت کے پیشِ نظر اس کا سب سے پہلا ترجمہ عزیز احمد نے ۱۹۴۱ء میں مکمل کیا۔ یہ ترجمہ انھوں نے "Thomas Twining" کے انگریزی متن "Aristotle's Poetics" سے کیا۔ اس کے علاوہ انھوں نے ایس۔ ایچ۔ بچر کے انگریزی متن سے بھی استفادہ کیا۔ اس امر کا بیان دلچسپی سے خالی نہ ہو گا کہ جس طرح عزیز احمد کا ترجمہ "فنِ شاعری" "Poetics" کا پہلا اردو ترجمہ ہے۔ بعینہٖ تھامس

ٹوائنگ کا متن "Aristotle's Poetics" انگریزی کا پہلا ترجمہ ہے۔یوں پہلا اردو ترجمہ پہلے انگریزی ترجمے کی بنیاد پر تیار کیا گیا۔ "Poetics" کا دوسرا اردو ترجمہ ڈاکٹر جمیل جالبی نے ۱۹۷۲ء میں مکمل کیا جو ابتداً اُن کی کتاب "ارسطو سے ایلیٹ تک" میں شامل ہے۔ بعد ازاں جب مقتدرہ قومی زبان نے عظیم کتب کے اردو تراجم کی اشاعت کے منصوبے کا آغاز کیا تو یہ ترجمہ ایک مرتبہ پھر ۱۹۹۸ء میں ایک مبسوط تعارف کے ساتھ کتابی صورت میں شائع ہوا۔ ڈاکٹر جمیل جالبی نے اپنا ترجمہ "بوطیقا" ٹی۔ایس۔ڈورش کے جدید انگریزی متن کی بنیاد پر کیا۔ "Poetics" کا تیسرا اردو ترجمہ شمس الرحمٰن فاروقی نے کیا۔ یہ ترجمہ ایس۔ایچ۔بچر کے ترجمے "Poetics of Aristotle" کی بنیاد پر کیا گیا اور یہ ترجمہ انھوں نے ۱۹۷۶ء میں مکمل کیا۔ اس ترجمے کا محرک ترقی اردو بورڈ (ہند) تھا۔ یہی ترجمہ شمس الرحمٰن فاروقی نے دوبارہ "قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان" (ہندوستان) کی فرمائش پر دوسری بار ۱۹۹۸ء میں شائع کیا۔ "Poetics" کا ایک اور ترجمہ ڈاکٹر محمد یٰسین نے "کتاب الشعر" کے نام سے کیا جو انجمن ترقیِ اردو ہند سے شائع ہوا۔ اس ترجمے کا ماخذ متن انگرام بائی واٹر کا انگریزی ترجمہ ہے۔ یہاں یہ سوال قدرتی طور پر ابھرتا ہے کہ ایک ہی متن کے مختلف تراجم کا آخر کیا جواز تھا؟

اس ضمن میں راقم مقالہ نے مطالعہ و غور و فکر کے بعد اس نتیجے پر پہنچا کہ ہر زبان میں تاریخی اہمیت کی حامل مفید کتب اور عالمی ادب کے شہ پاروں کو اکثر بار بار ترجمہ کرنے کی ضرورت محسوس کی جاتی ہے۔ جس طرح کہ ہومر کی "ایلیڈ"، "اوڈیسی"، الہامی متون اور افلاطون وارسطو کی کتب جنھیں ہر ترقی پذیر اور ترقی یافتہ زبان میں حصول علم اور کسبِ فیض کے لیے بار بار ترجمہ کیا جاتا رہا ہے اور ان کتب کی اہمیت کا تقاضا ہے کہ آئندہ بھی ایسا ہوتا رہے۔

ایک ہی متن کے بار بار ترجمے کا دوسرا جواز یہ ہے کہ جب کوئی ادارہ یا عظیم مترجم کسی ہدفی متن میں بہتری لانے کا خواہش مند ہوتا ہے اور وہ اس خواہش کی تکمیل میں اس متن کا بہتر ہدفی متن تیار کرتا ہے۔ بعض اوقات دستیاب ترجمے میں اغلاط کی تصحیح کی ضرورت محسوس کی جاتی ہے، جو نئے ترجمے کا جواز فراہم کرتی ہے۔

ایک ہی ماخذ متن کے بار بار ترجمے کا تیسرا جواز یہ ہے کہ زبان مسلسل روبہ ارتقا رہتی ہے۔ ایک زبان میں دستیاب ترجمہ قدیم زبان میں ہونے کی وجہ سے جدید عہد کے قارئین کے لیے قابل فہم نہیں ہوتا یا وہ اس کی قرأت میں دلچسپی نہیں لیتے۔ اس بنا پر ایک اہم متن کا دوبارہ ترجمہ کرنے کی ضرورت محسوس کی جاتی ہے اور نیا

ترجمہ جدید، مروجہ اور مستعمل زبان میں پیش کیا جاتا ہے۔ ایک ہی متن کے بار بار ترجمے کا چوتھا جواز مترجم کی ذاتی دلچسپی، رجحان اور پسند کو بھی قرار دیا جا سکتا ہے۔ دوران مطالعہ و تحقیق جب کوئی عالم کسی متن کو بہت مفید اور اہمیت کا حامل پاتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ میں اس ترجمے کا اہل ہوں۔ یوں ذاتی دلچسپی اور رجحان کی بنا پر اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک متن کا پہلے سے ترجمہ یا مختلف تراجم موجود ہونے کے باوجود ایک نیا ترجمہ کیا جاتا ہے۔ ذاتی رجحان اور ذوق کی بنا پر کیا گیا کام یقیناً دوسروں کی فرمائش پر کیے گئے کام کی نسبت زیادہ اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔

ایک ہی ماخذ متن کے مختلف تراجم کا پانچواں اور ایک بڑا جواز سرپرستی کرنے والے اداروں کی تحریک ہوتا ہے۔ بعض اوقات کسی ملک کے سرکاری یا غیر سرکاری اشاعتی ادارے باقاعدہ منصوبہ بندی کے تحت بعض متون کے تراجم کراتے ہیں۔ اس ضمن میں اکثر اس ملک کے نامور علما اور مترجمین کی خدمات حاصل کی جاتی ہیں۔ یوں ایک ہی متن کے مختلف تراجم وجود میں آجاتے ہیں۔

تحقیق و دریافت کے نتیجے میں نئے متون دریافت ہوتے رہتے ہیں۔ ان نو دریافت شدہ متون سے کسی متن کی تفہیم، بہتری یا اصلاح میں خاطر خواہ مدد مل سکتی ہے۔ اس بنا پر بھی ترجمہ شدہ متن کے نئے ترجمے کی ضرورت کا احساس ہوتا ہے اور پھر اس احساس کے باعث نیا ترجمہ وجود میں آتا ہے۔

فی زمانہ اشاعتی صنعت کی ترقی اور علم کی تیز رفتار ترسیل کے نتیجے میں زیادہ فروخت ہونے والی کتب کی طلب کے پیشِ نظر ایک ہی کتاب / متن کا بار بار اور مختلف مترجمین ترجمہ کرتے ہیں۔ جس کا مقصد ہدفی زبان کے دامن میں وسعت کے ساتھ ساتھ مالی منفعت بھی ہوتا ہے۔

راقم مقالہ کی تحقیق کے مطابق ایک ہی ہدفی متن کے مختلف تراجم کا ایک جواز ماخذ زبان میں ایک متن کے مختلف تراجم کا وجود بھی ہے۔ اس تناظر میں جب ہم "Poetics" کے مختلف تراجم پر نگاہ ڈالتے ہیں تو ہمیں اردو زبان میں "Poetics" کے مختلف تراجم کا جواز بھی مل جاتا ہے۔ بعض مترجمین نے تو اپنے دیباچوں یا تعارف میں اس کی وضاحت بھی کر دی۔

اس ضمن میں پہلا سبب تو یہ ہے کہ "Poetics" کو تنقید کی پہلی باقاعدہ تصنیف ہونے کا شرف حاصل ہے اور پھر یہ بھی کہ یہ ارسطو جیسے نابغۂ روزگار فلسفی و سائنسدان کی تصنیف ہے جس نے فکر انسانی کے ارتقا میں گہرا اور کلیدی کردار ادا کیا۔ اردو زبان کے ارتقا کے ساتھ جب علمی اعتبار سے اردو زبان کے دامن میں وسعت کا احساس پیدا ہوا تو اس بنیادی اور اہم تصنیف کے ترجمے سے کیسے صرفِ نظر کیا جا سکتا تھا۔ سو جامعہ عثمانیہ نے عزیز احمد جیسے اردو و انگریزی زبان و ادب کے عالم سے اس کا ترجمہ کرایا۔

دوسری طرف جب ڈاکٹر جمیل جالبی نے مغربی تنقید کے ارتقا میں کلیدی کردار ادا کرنے والی تحریروں کو مربوط و منضبط انداز میں اردو زبان میں پیش کرنے کا منصوبہ بنایا تو وہ ارسطو کو کیسے فراموش کر سکتے تھے، جو مغربی تنقید کا بنیاد گزار ہے۔ سو اُن کے ترجمے میں ذاتی پسند اور رجحان کا عنصر غالب ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اردو زبان کے دامن میں وسعت، علم کی حدود میں کشادگی اور مغربی تنقیدی فکر کے ارتقا سے اردو دان طبقے کو روشناس کرانا بھی شامل ہے۔

ڈاکٹر جمیل جالبی نے ۱۹۹۸ء میں ایک مرتبہ پھر "Poetics" کا ترجمہ مقتدرہ قومی زبان کی تحریک پر مکمل کر کے ایک مبسوط تعارف کے ساتھ پیش کیا۔ اس مرتبہ ترجمے کا محرک اردو زبان کا ایک ترقیاتی ادارہ بنا۔ شمس الرحمٰن فاروقی نے "Poetics" کا اردو ترجمہ پہلی بار "ترقی اردو بورڈ" ہند کی فرمائش پر کیا۔ دوسری "بار کونسل برائے فروغ اردو زبان" کی فرمائش پر انھوں نے نظر ثانی شدہ ایڈیشن شائع کیا۔ یوں ان کے ترجمے کا محرک ہندوستان کے علمی و ادبی ادارے قرار پاتے ہیں۔ ڈاکٹر محمد یٰسین کا "Poetics" کا اردو ترجمہ بھی انجمن ترقی اردو ہند نے شائع کیا۔

یوں اردو میں "Poetics" کے مختلف تراجم کے پس منظر اور محرکات میں ہمیں ذاتی پسند و دلچسپی، اردو کے ترقیاتی اداروں کی خواہش / فرمائش اور "Poetics" کی دنیائے عالم میں بنیادی اہمیت اور افادیت اور علم کی حدود میں وسعت کے ساتھ ساتھ موجود تراجم میں بہتری لانے کی خواہش بھی شامل ہے۔

"Poetics" کو متون کی درجہ بندی کے تناظر میں دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا تعلق علمی متن سے ہے۔ یوں "Poetics" کے اردو مترجمین نے دورانِ ترجمہ، علمی ترجمے کے مقاصد، تقاضوں، ضروریات اور تکنیک کو پیشِ نظر رکھا۔ "Poetics" کے تمام مترجمین نے اس متن کا ترجمہ کرتے ہوئے لفظی ترجمے کی راہ اپنائی ہے۔ لفظی ترجمے کو "ڈرائڈن" کی درجہ بندی کے مطابق "Metaphrase" کہا جاتا ہے۔ اسی ترجمے کو "ونے اور ڈار بلنٹ" نے براہ راست ترجمہ (Direct Translation) قرار دیا ہے۔ ترجمے کی اس تکنیک کے مطابق ماخذ متن (S.T) کا لفظ بہ لفظ اور سطر بہ سطر ترجمہ کیا جاتا ہے۔ مترجم ماخذ متن کا وفادار رہتا ہے اور وہ ماخذ متن کے مواد اور مفہوم کی تفہیم کے بعد اسے موزوں الفاظ، رواں زبان، قابل فہم اسلوب اور ابہام سے پاک پیرائے میں ہدفی زبان کا روپ عطا کرتا ہے۔ اس نوع کے ترجمے میں مترجم کو خلاقی اور زبان دانی کے جوہر دکھانے کا موقع نہیں ملتا بلکہ وہ ماخذ متن کو ممکنہ حد تک ہدفی متن کی صورت میں پیش کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس طرح کے ترجمے کے لیے مترجم کا صاحبِ علم ہونا ضروری ہے۔ اسے ماخذ

وہدفی زبانوں پر دسترس حاصل ہونی چاہیے۔ وہ متعلقہ علم و فن پر بھی مہارت رکھتا ہو۔ "Poetics" کے تمام مترجمین نے درجہ بالا تقاضوں کو پیشِ نظر رکھ کر اس کا اردو ترجمہ پیش کیا۔ دوران مطالعہ و تحقیق راقم مقالہ پر یہ نکتہ بھی عیاں ہوا کہ مترجم کو ماخذ متن کی کامل تفہیم اور ہدفی زبان میں عمدہ پیش کش کے لیے پس منظری مطالعے کی بھی اشد ضرورت رہتی ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو ہدفی متن ابہام کا شکار بھی ہو گا اور ناقص بھی۔ مثال کے طور پر "Poetics" کے ترجمے کے لیے یونانی ادب اور خصوصاً المیہ ورزمیہ کا مطالعہ یونانی تاریخ وسیاست اور تمدن سے آگاہی اور افلاطون وارسطو کے افکار سے شناسائی ضروری ہے۔

علمی ترجمے کے دوران مترجم کے لیے سب سے بڑی مشکل اصطلاحات کے ترجمے میں پیش آتی ہے۔ وضع اصطلاحات کی صلاحیت ہر کس وناکس میں نہیں ہوتی۔ زبان، لسانیات، متعلقہ علم و فن پر مہارت، محنت وریاضت اور تربیت کے بعد ہی کوئی شخص اصطلاح وضع کرنے کا اہل بن سکتا ہے۔ اردو میں اس حوالے سے مترجمین یا تو ایک اصطلاح کا موزوں مترادف تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اگر کسی اصطلاح کا مترادف نہ مل سکے یا ہدفی زبان کے ذخیرۂ الفاظ میں اس کا مترادف موجود نہ ہونے کی صورت میں ماخذ زبان کی اصطلاح کو اصل صورت میں مستعار لے لیا جاتا ہے۔

"Poetics" کے ترجمے میں اس ضمن میں ایک تیسری صورت بھی دکھائی دیتی ہے کہ جس میں اصطلاح کا نہ تو مترادف دیا جاتا ہے اور نہ ہی لفظ مستعار لیا جاتا ہے بلکہ اس کا ایک سطر یا چند الفاظ میں توضیحی ترجمہ کر دیا جاتا ہے۔ "Poetics" کے تمام اردو تراجم میں ہمیں ماخذ زبان کی مستعار اصطلاحات بھی ملتی ہیں اور ان کا مترادف یا مماثل بھی اور درجہ بالا تیسری توضیحی ترجمے کی صورت بھی۔

علمی متن کے ترجمے کے پیش نظر "Poetics" کے تمام مترجمین نے ارسطو کی اس تصنیف کا اردو ترجمہ کرتے ہوئے لفظی ترجمے کی راہ اپنائی ہے اور ہر مترجم نے ماخذ متن کے افکار و تصورات کو لفظ بہ لفظ اور سطر بہ سطر ترجمے کی صورت میں اردو زبان میں پیش کیا ہے۔

"Poetics" کے مترجمین نے دوران ترجمہ اصطلاحات کے حوالے سے وہی رویہ اپنایا جس کا ذکر گزشتہ سطور میں کیا جا چکا ہے یعنی اصطلاح مستعار لینا، مترادف اور توضیحی ترجمہ لیکن اس ضمن میں ہر مترجم کا رویہ مختلف ہے۔ "Poetics" کے مختلف تراجم میں اصطلاحات کے تراجم میں خاصی رنگا رنگی اور انتشار کی کیفیت پائی جاتی ہے۔ "Poetics" کے مختلف مترجمین نے دوران ترجمہ اپنے ذوق، صلاحیت اور پسند کے مطابق اصطلاح کا ترجمہ

کیا ہے یا اصطلاح مستعار لی ہے۔ یوں "Poetics" میں درج ارسطو کی وضع کردہ اصطلاحات کے ترجمے میں انتشار کی کیفیت بھی دکھائی دیتی ہے۔ اس اصطلاحی انتشار کی چند وجوہات ہیں۔ جن میں سے ایک وجہ تو یہ ہے کہ یہ تراجم مختلف ماخذ متون کی بنیاد پر ہوئے ہیں۔ خود انگریزی زبان میں اصطلاحات کے حوالے سے خاصا انتشار موجود ہے اور ایک ہی لفظ کے لیے بہت سی اصطلاحات مستعمل ہیں۔ اس صورت میں اردو مترجم انگریزی سے اردو ترجمے کے دوران ماخذ متن اور زبان میں پائے جانے والے اصطلاحی انتشار سے کیسے محفوظ رہ سکتا ہے۔ "Poetics" کے اردو تراجم کا بھی یہی حال ہے۔ اس کی دوسری وجہ اردو زبان میں اصطلاحی انتشار ہے۔ اردو زبان میں اصطلاح سازی کا کام ہر دو انفرادی و اجتماعی سطح پر ہوا ہے۔ اس کے نتیجے میں اردو زبان میں اصطلاحات کا گراں قدر ذخیرہ جمع ہو چکا ہے۔ لیکن انتشار کا عالم یہ ہے کہ ایک ہی تصور کے لیے کئی اصطلاحات موجود ہیں۔ "Poetics" کی اصطلاحات کی کیفیت بھی یہی ہے۔ ایک انگریزی اصطلاح کے مقابل مختلف اصطلاحات دستیاب ہیں۔ جن میں مترجم اپنی پسند اور ذوق کے مطابق ایک اصطلاح منتخب کر لیتا ہے اور اردو زبان میں اصطلاحات کی معیار بندی نہ ہونے کے باعث یہ انفرادی انتشار بہت واضح صورت میں دکھائی دیتا ہے۔ اداروں، لغات اور افراد (مترجمین) کے ہاں ایک ہی اصطلاح کے کئی کئی مترادفات یا تراجم ملتے ہیں۔ زیرِ تحقیق مقالہ چونکہ "Poetics" کے تقابلی مطالعے پر مشتمل ہے اس لیے اس میں ایک طرف تو "Poetics" کے مترجمین کی وضع کردہ، مستعار شدہ اور ترجمہ شدہ اصطلاحات کا تقابل کیا گیا ہے، جو اس تحقیقی کام کا ایک بنیادی مقصد اور اہم ضرورت تھی اور دوسری طرف آخر میں ان اصطلاحات کی معیار بندی بھی کی گئی ہے۔

تقابلی مطالعہ گو مختلف مقاصد کی تکمیل میں کیا جا سکتا ہے۔ لیکن "Poetics" کا تقابلی مطالعہ جہاں اور بہت سے پہلوؤں سے اہم اور کارآمد ہے وہاں اصطلاحات کے باب میں یہ اس وقت مفید اور دلچسپ ثابت ہو سکتا ہے جب بھرپور توجہ، محنت اور غور و فکر کے بعد ارسطو کی وضع کردہ اور برتی گئی اصطلاحات کی معیار بندی کر لی جائے۔ اس سے ادبی اصطلاحات کی معیار بندی کی طرف بھی پیش رفت ہو سکے گی اور زیرِ تحقیق موضوع کو ادب و تنقید اور تقابل کے حوالے سے دلچسپ اور کارآمد بھی بنایا جا سکے گا۔

اصطلاحات کے تقابل کے بعد ان کا استناد اور معیار بندی کر کے اردو دان طبقے کی خدمت میں پیش کیا جائے گا تاکہ تحقیقی کام محض ڈگری کے حصول تک محدود نہ رہے بلکہ اس سے زبان و ادب کی خدمت بھی ہو سکے اور زبان و ادب اور تحقیق و تقابل کے حوالے سے مستقبل کی راہیں بھی ہموار ہو سکیں۔ لہٰذا علمی معیار کے حصول، اصطلاحی انتشار کے باعث پیدا ہونے والی الجھنوں کے تدارک، اردو زبان اور تحقیق و تنقید کی ترقی

اور اردو زبان کے عام قارئین اور طلبہ کی سہولت اور رہنمائی کی خاطر اصطلاحات کی معیار بندی کی اشد ضرورت ہے۔ اس ضرورت کو "Poetics" کی اصطلاحات کی حد تک زیرِ تحقیق مقالے میں پورا کرنے کی ایک مخلصانہ کوشش کی گئی ہے۔

گزشتہ سطور میں بیان کیا گیا ہے کہ علمی ترجمے میں دو عناصر بنیادی اہمیت رکھتے ہیں، ایک علمی متن اور دوسرا اصطلاحات۔ اصطلاحات کے تقابل اور معیار بندی پر تو گزشتہ سطور میں بات کی گئی ہے، اسی تناظر اور نقطۂ نظر سے اگر تراجم کو دیکھا جائے تو ان کی معیار بندی کی ضرورت بھی محسوس ہوتی ہے۔

تقابلی مطالعہ جس کمی کو پورا کر سکتا ہے اور جس علمی خلا کو پُر کر سکتا ہے وہ یہ ہے کہ "Poetics" جیسی نہایت ہی بنیادی اہمیت کی حامل تنقید و جمالیات کی تصنیف کے جملہ پہلوؤں کا باریکی سے تقابل کر کے اردو کے دستیاب تراجم کے معیار کا تعین کیا جائے۔ ان تراجم میں سے ہر ترجمہ فقط کسی ایک انگریزی ماخذ متن کو بنیاد بنا کر کیا گیا ہے۔ خود ان انگریزی تراجم کی معیار بندی بھی معرض بحث ہے۔

لہٰذا ان تمام اردو تراجم کے تقابل اور ان تمام تراجم میں دستیاب اصطلاحات کی معیار بندی اواستناد کے بعد "تدوین متن" کی طرز پر "Poetics" کا ایک مستند اور معیاری متن ترتیب دیا جائے جس کے آخر میں معیار بند اصطلاحات بھی دی جائیں۔ یہ معیاری متن حواشی و تعلیقات کے ساتھ کسی ادارے سے ماہرین زبان و ادب اور ترجمہ کی نظر ثانی کے بعد شائع کیا جائے۔ کیونکہ راقم مقالہ کے مطالعہ و تحقیق سے یہ نکتہ عیاں ہوا ہے کہ "Poetics" کے ایک معیاری و مستند اردو متن / ترجمے کی ضرورت ابھی باقی ہے۔

اردو زبان میں تقابلی مطالعے سے سب سے بڑھ کر یہی فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے کہ مختلف تراجم کے تقابل کے بعد ان کے معیار کا تعین کیا جائے اور حسبِ ضرورت بہتر ترجمہ فراہم کیا جائے۔ "Poetics" کے منتخبہ اردو تراجم کے اسلوب کے تقابل سے یہ عناصر سامنے آئے کہ ان تراجم کی زبان سادہ، صاف اور رواں ہے۔ مترجمین نے دوران ترجمہ مشکل الفاظ، پیچیدہ اور گنجلک جملوں، صنائع بدائع اور ثقالت سے احتراز کیا۔ "Poetics" کو علمی متن کے طور پر قبول اور تسلیم کرنے کے بعد اس کے ترجمے میں علمی متن کے ترجمے کے تقاضوں، ضروریات اور اسلوب کو شعوری طور پر اپنایا گیا۔ علمی ترجمہ زبان دانی کے جوہر دکھانے اور زبان میں ادبی عناصر کی نمائش کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ سادہ، صاف رواں اور سلیس زبان "Poetics" کے تمام تراجم کی مشترکہ خصوصیت ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ "Poetics" کے منتخب مترجمین نے غیر ضروری تفصیلات سے گریز کرتے ہوئے اختصار سے کام لیا ہے۔ انھوں نے مدعا کی ترسیل کے لیے نہ تو ضرورت سے زائد الفاظ

استعمال کیے ہیں اور نہ کم۔ لفظوں کا حسبِ ضرورت اور موزوں استعمال "Poetics" کے تراجم کے اسلوب کی ایک نمایاں خصوصیت کے طور پر سامنے آتا ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ "Poetics" کے منتخبہ مترجمین کے اسلوب میں "ابلاغ" کا عنصر بھی نمایاں ہے۔ ظاہر ہے ہر ترجمے یا تحریر کا مقصد قاری تک پہنچنا اور اس کے علم میں اضافہ کرنا ہی ہوتا ہے۔ بہترین علمی تحریر کی خصوصیت ہی یہ ہوتی ہے کہ وہ قاری کے ذہن کو ابہام اور الجھن میں مبتلا کیے بغیر مدعا کی ترسیل کرے۔ "Poetics" کے منتخب اردو تراجم میں اس پہلو پر بھی توجہ صرف کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ معروضیت، ربط وضبط اور توازن بھی ان تراجم کی پیش کش میں اہمیت رکھتا ہے۔ اس کے علاوہ توضیحی انداز جو خاص طور پر شمس الرحمٰن فاروقی کے ترجمے کی نمایاں خصوصیت ہے، بھی کہیں کہیں اپنایا گیا ہے۔

"Poetics" کے منتخب اردو تراجم کا تقابل اس امر کا عکاس بھی ہے کہ اسلوب میں بہت سے پہلوؤں کی یکسانیت کے باوجود اختلافات بھی پائے جاتے ہیں۔ اس ضمن میں یہ بات تو طے ہے کہ ہر مصنف و مترجم کا انداز نگارش اور طرز تحریر دوسرے مصنف سے کبھی مماثل نہیں ہو سکتا۔ لفظ کے استعمال سے لے کر جملے کی پیش کش تک اور مجموعی طور پر مدعا کے اظہار تک انفرادی پہلو اکثر مقامات پر اپنا جلوہ دکھاتے ہیں۔ مترجم کا ماحول، معاشرہ علمی، ادبی و لسانی پس منظر اس کی شخصیت اور خاص طور پر تحریر میں نکھار اور بہتری لانے کی شعوری کوشش اور ریاضت، ایک مصنف / مترجم کو دوسرے سے مختلف بناتی ہے۔ "Poetics" کے منتخبہ اردو تراجم میں مستعار الفاظ کی کمی یا بیشی مترجمین کی ذاتی پسند ورجحان اور مطالعہ علمی ولسانی ماحول اور پس منظر ،یہ تمام عناصر اپنا جلوہ دکھاتے نظر آتے ہیں جن کی بنا پر ان تراجم میں انفرادی رنگ کی جھلک بھی نمایاں ہوتی چلی جاتی ہے۔

تقابلی مطالعہ و تحقیق کے بعد ان تراجم کے معیار پر بھی ایک نگاہ ڈالنا ضروری ہے۔ اس سے نہ صرف معیار بندی میں مدد مل سکے گی اور بہتر ترجمے (ہدفی متن) کا تعین بھی ممکن ہو سکے گا بلکہ اس باب میں مزید کام کی گنجائش اور بہتری کے متقاضی گوشوں پر بھی روشنی ڈالی جا سکے گی۔

عزیز احمد کا "Poetics" کا اردو ترجمہ "فنِ شاعری" سب سے پہلے شائع ہوا۔ تین عشروں تک یہ "Poetics" کا واحد "ہدفی متن" رہا اور اردو زبان میں ارسطو کے تنقیدی افکار کا مطالعہ تحقیق کرنے والوں نے اسی کا حوالہ دیا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ "Poetics" کا پہلا ترجمہ ہونے کی حد تک یہ ایک قابل تحسین کام تھا۔ عزیز احمد نے بہت محنت سے نہ صرف نہایت کم عمری میں اس مشکل، اہم اور مفید کتاب کا ترجمہ کیا بلکہ ترجمے کے اختتام پر اہم اشخاص، کتب، کرداروں اور یونانی دیومالا کے اہم عناصر کی وضاحت کی۔ جس سے قارئین کو بہت فائدہ ہوتا ہے ان کی معلومات میں اضافہ بھی ہوتا ہے اور انھیں رہنمائی بھی ملتی ہے۔

مگر چونکہ کوئی انسانی سعی حرفِ آخر قرار نہیں دی جاسکتی۔ اس ترجمے میں بھی بہتری کی بہت گنجائش موجود ہے۔ عزیز احمد کے ترجمے کے بعد آج تک اردو اصطلاحات سازی میں کافی ترقی ہوئی ہے۔ ترجمہ کے علم و فن نے بھی ترقی کی راہ پر بڑی تیزی سے آگے کی طرف سفر کیا ہے۔ ان علمی ترقیوں کی روشنی میں دیکھا جائے تو عزیز احمد کے ترجمے میں اصطلاحات کے حوالے سے بہتری کی گنجائش موجود ہے۔ بہت سی مستعار اصطلاحات کے اردو زبان میں عمدہ متبادل موجود ہیں جن کی مدد سے اس ترجمے میں بہتری لائی جاسکتی ہے۔ اس کے علاوہ بعض تصورات میں درست ترجمے کی ضرورت بھی محسوس کی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ کہیں کہیں حذف کی صورتیں بھی دکھائی دیتی ہیں، جن کی تکمیل سے یہ ترجمہ بہتر ہو سکتا ہے۔

ڈاکٹر جمیل جالبی کا "Poetics" کا اردو ترجمہ "بوطیقا" صاف ستھری، متین اور سلجھی ہوئی اردو زبان کا نمونہ ہے مگر اس میں دو باب کا ترجمہ نہیں کیا گیا جس سے اس ترجمے کے ادھورے پن کا احساس شدت سے ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ ڈاکٹر جمیل جالبی کے ترجمے میں ماخذ متن سے مستعار اصطلاحات کی کثرت بھی اس ترجمے کے معیار کو پست کرتی ہے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی اردو کے چوٹی کے محقق، لغت نگار اور تاریخ نویس ہیں، ان کے اردو ترجمے میں اس طرح کے مسائل دیکھ کر تعجب ضرور ہوتا ہے مگر ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ ان کا "Poetics" کا ترجمہ ان کی علمی و ادبی زندگی کے ابتدائی دور کی کوشش ہے۔ لغات و اصطلاحات پر ان کا کام بعد میں، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد کے صدر نشیں بننے کے بعد ان کی زندگی کے دور عروج میں سامنے آیا۔ اس کے ساتھ ساتھ "Poetics" جیسے متن میں بیسیوں ایسے مقامات آتے ہیں جہاں حواشی کی ضرورت کا احساس ہوتا ہے۔ حواشی کی غیر موجودگی اس ترجمے میں ایک بڑی کمی کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ حتیٰ کہ مقتدرہ قومی زبان سے ۱۹۹۸ء میں عظیم کتب کے تراجم کی اشاعت کے وقت جب ڈاکٹر جمیل جالبی کا ترجمہ کتابی صورت میں شائع ہوا تو تب بھی اس کمی کو دور کرنے کی کوشش نہیں کی گئی۔ ڈاکٹر محمد یٰسین کا اردو ترجمہ محنت و ریاضت اور تحقیق کی کمی کی عکاسی کرتا ہے۔ انھوں نے ماخذ متن کا بہت سا مواد حذف کر دیا۔ اصطلاحات کے حوالے سے تو ان کا ترجمہ محض عزیز احمد کے ترجمے کا چربہ دکھائی دیتا ہے۔

شمس الرحمٰن فاروقی نے "Poetics" کا اردو ترجمہ شعریات کے عنوان سے کیا۔ یہ ترجمہ بہت سی وجوہات کی بنا پر "Poetics" کے دیگر دستیاب اردو تراجم کی نسبت مستند اور معیاری ہے۔ اس کے مستند اور معیاری ہونے کی پہلی وجہ تو یہ ہے کہ شمس الرحمٰن فاروقی کے اردو ترجمے کی اشاعت سے قبل اردو زبان میں "Poetics" کے تراجم ہو چکے تھے اور عزیز احمد، ڈاکٹر محمد یٰسین اور ڈاکٹر جمیل جالبی کے "Poetics" کے اردو تراجم اردو زبان میں کافی مقبولیت حاصل کر چکے تھے۔ شمس الرحمٰن فاروقی نے ان تراجم سے استفادہ کیا۔ انھوں نے عزیز احمد کے ترجمے کا اکثر مقامات پر حوالہ بھی دیا ہے۔ یوں "Poetics" کے دستیاب اردو تراجم کی موجودگی اور ان میں موجود کمیاں شمس الرحمٰن فاروقی کے پیشِ نظر تھیں اور شمس الرحمٰن فاروقی نے اردو اور انگریزی میں دستیاب "Poetics" کے تقریباً تمام مستند تراجم سے استفادہ کر کے اپنا ترجمہ پیش کیا ہے۔

تحقیقی نتائج

۱۔ ارسطو کی "Poetics" ادبی تنقید کی پہلی کتا ہے یہ ایک حقیقت ہے کہ یہ کتاب افلاطون کے شاعری پر اُٹھائے گئے اعتراضات کے جواب میں تحریر کی گئی مگر اس کو ارسطو کی فکر کا اعجاز کہیے کہ "Poetics" کی تحریر کے دوران ارسطو نے کچھ ایسے نکات اُٹھائے، کچھ ایسے تصورات واضح کیے اور کچھ ایسی اصطلاحات وضع کیں یا اُن کو نئے معانی و مفاہیم عطا کیے جس سے یہ کتاب محض افلاطونی اعتراضات کے جوابات تک محدود نہیں رہی بلکہ اس سے بہت آگے بڑھ گئی اور اس نے نقدِ ادب کی ایک بنیادی اور آفاقی دستاویز کی حیثیت اختیار کر لی۔ ادبی تنقید و جمالیات کی اس کتاب کے بہت سے افکار و تصورات اور اصطلاحات عصرِ حاضر میں بھی شعر و ادب کی تفہیم کے لیے ناگزیر ہیں۔

۲۔ ارسطو کی "Poetics" کی بنیادی اہمیت کے پیشِ نظر انگریزی زبان میں اس کے متعدد تراجم ہوئے۔ جب اردو تنقید اپنے ارتقا کے ابتدائی مراحل طے کر رہی تھی تو ارسطو کے تنقیدی افکار کو اردو دان طبقے سے متعارف کرانے کی ضرورت کا بھی احساس ہو، جس کے پیشِ نظر اردو زبان میں بھی اس کتاب کے متعدد تراجم ہوئے، تشریحات لکھی گئیں اور تبصرے ہوئے۔ اردو زبان میں دستیاب "Poetics" کے تمام تراجم اور تشریحات کا مآخذ انگریزی متون ہیں۔

۳۔ اردو زبان میں ہونے والے "Poetics" کے تمام تراجم میں بعض ایسے نقائص ہیں جو اس کتاب کے اردو زبان میں از سرِ نو ترجمے کا تقاضا کرتے ہیں۔ مثلاً ان تراجم میں مآخذ متون کے اکثر حصّے حذف کیے گئے ہیں، رموزِ اوقاف کے موزوں اندراج کا اہتمام نہیں، املا کی اغلاط موجود ہیں۔

۴۔ شعریات کے اردو تراجم کے تقابلی مطالعے سے یہ نتیجہ بھی اخذ کیا گیا کہ ان تراجم میں بعض ایسے نقائص اور خامیاں موجود ہیں جو اس کتاب کے اردو زبان میں از سرِ نو ترجمے کا تقاضا کرتے ہیں، جن میں املا کے مسائل، رموزِ اوقاف کا موزوں اندراج اور حذف کرنا شامل ہے۔ ان نقائص کے تدارک کے بعد شعریات کا ایک معیاری متن ترتیب دیا جا سکتا ہے۔

۵۔ ارسطو کی "Poetics" کے منتخبہ اردو تراجم کے تقابل سے یہ نتیجہ بھی بر آمد ہوا کہ اصطلاحات کے باب میں مترجمین نے زیادہ کدّو کاوش کا مظاہرہ نہیں کیا۔ اس حوالے سے دو رجحان غالب دکھائی دیے۔ ایک اصطلاح مستعار لینے کا رجحان اور دوسرا اصطلاح کے اردو ترجمے کا، وضع اصطلاح کی کوشش دکھائی نہیں دیتی۔

۶۔ اس تقابلی مطالعے سے یہ حقیقت بھی منکشف ہوئی کہ اردو زبان میں اصطلاحات کی معیار بندی نہ ہونے کے باعث ان تراجم میں اصطلاحات کے حوالے سے انتشار پایا جاتا ہے۔ ایک ہی اصطلاح کا ترجمہ مختلف مترجمین نے مختلف انداز میں کیا ہے۔

۷۔ زیرِ مطالعہ تراجم کے مطالعے سے یہ حقیقت بھی نمایاں ہوئی کہ "Poetics" کے جملہ مترجمین نے "لفظی ترجمے" کی تکنیک بروئے کار لائی ہے۔ تاہم ایسا محض اٹکل سے ہوا ہے۔ زیرِ تحقیق تراجم کے مبسوط دیباچوں / تعارف کے مطالعے سے معلوم ہوا کہ ان مترجمین کے ذہن میں ترجمے کا کوئی واضح تصور یا نقطہ نظر موجود نہیں تھا۔ تراجم محض ذولسانی صلاحیت اور علمی استعداد کی بنا پر ہی ہوئے ہیں۔ نیز اداروں سے شائع ہونے والے تراجم پر نظر ثانی بھی نہیں کی گئی۔

۸۔ ارسطو کی "Poetics" کے منتخبہ اردو تراجم کے تقابلی مطالعے سے یہ نتیجہ بھی سامنے آیا کہ کسی بھی متن کے معیار کی جانچ کے لیے تقابلی مطالعہ ضروری شرط ہے۔ مگر ایک مستند اور معیاری تقابلی مطالعے کی غرض سے تقابل کے اصولی و نظری اور عملی پہلوؤں سے آگاہی ضروری ہے۔ اردو زبان میں تقابلی ادب پر مواد کی کمیابی یا عدم دستیابی اس نوع کی تحقیق کی راہ میں حائل ہوتی ہے۔

۹۔ شمس الرحمن فاروقی کے علاوہ "Poetics" کے دیگر مترجمین نے حواشی نہیں لکھے۔ شمس الرحمن فاروقی نے حواشی لکھے تو ہیں مگر وہ ناکافی ہیں۔ "Poetics" فی الحقیقت ایک مشکل متن ہے، جس کی تفہیم کے لیے یونانی ادب، فلسفہ، جمالیات اور اصناف سے واقفیت ضروری ہے۔ قاری کے لیے ان تمام امور کی بہتر تفہیم حواشی کے اندراج کے بغیر ممکن نہیں۔ اس کے برعکس انگریزی میں دستیاب "Poetics" کے تراجم میں بہت محنت اور تحقیق کے بعد حواشی کے اندراج کا اہتمام کیا گیا ہے، جو انگریزی خواں قارئین کے لیے سہولت اور آسانی پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ ان تراجم کو بھی معیار اور وقار عطا کرتا ہے۔

سفارشات

گزشتہ ابواب میں کی گئی بحث اور حاصل ہونے والے نتائج کی روشنی میں درجہ ذیل سفارشات پیش کی جاتی ہیں:

☆ جامعات کی سطح پر ایسے سیمینار / کانفرنسوں کا انعقاد کیا جائے جن میں مترجمین کو ترجمے کے جدید نظریات و تصورات سے واقف کرایا جائے تاکہ اردو زبان میں ترجمے کا معیار بلند ہو سکے۔

☆ اردو زبان میں بہت سی کتب خصوصاً "امہات الکتب" کے ایک سے زیادہ تراجم موجود ہیں۔ ایسے تراجم کے تقابلی مطالعات کر کے ان کے معیار کا تعین کیا جائے۔ ان تراجم میں پائی جانے والی خامیوں اور کمیوں / کمزوریوں کا تدارک کیا جائے اور ایک مستند و معیاری متن پیش کیا جائے۔ یہ کام کسی ایک فرد کی بجائے اداروں کی سطح پر ہو اور ماہر مضمون اور ماہر ترجمہ واصطلاحات کی ٹیم یہ کام کرے۔ جو نظر ثانی کے بعد پیش کیا جائے۔

☆ اردو اصطلاحات کی معیار بندی نہ ہونے کے باعث ایک ہی اصطلاح کے مختلف تراجم مختلف مترادفات ملتے ہیں جس سے قاری کا ذہن الجھن میں مبتلا ہوتا ہے اور ابہام پیدا ہوتا ہے۔ اردو زبان میں ترجمہ ہونے والی اصطلاحات کی معیار بندی واستناد کی اشد ضرورت ہے اور یہ کام بھی اردو کے ترقیاتی ادارے کی نگرانی میں ماہرین زبان اور ماہرین مضمون کی نگرانی میں سرانجام دیا جائے۔ موزوں ترین اصطلاحات کے تعین کے بعد نہ صرف تراجم کا معیار بہتر ہو گا بلکہ قارئین کو مستند اور معیاری متن پڑھنے کو ملے گا۔

☆ اردو زبان میں تقابلی ادب پر نظری و عملی دونوں صورتوں میں مواد کی عدم دستیابی اس میدان / شعبے میں تحقیق کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ ایک طرف تو باقاعدہ منصوبہ بندی کے تحت تقابلی ادب پر دستیاب دوسری زبانوں سے اہم اور بنیادی اہمیت کی کتب کے تراجم کئے جائیں اور دوسری طرف اس موضوع پر یونیورسٹیوں اور اردو زبان کے ترقیاتی اداروں میں ایسی کانفرنسوں اور سیمیناروں کا انعقاد کیا جائے جن میں ملک کے نامور علما اور ماہرین تقابلی ادب پر مقالات پیش کریں۔ جس سے اردو زبان میں اس میدان میں ترقی کے در واہوں اور تحقیق نئے

آفاق سے ہمکنار ہو سکے۔ اس سے اردو تحقیق کاروں کو محدود دائرے سے نکل کر بڑے پیمانے پر کام کرنے کے مواقع میسر آسکیں گے ۔

☆ ترجمے کو فقط ترجمہ کاری (The Art of Translating) کا محدود تصور سمجھنے کے بالعکس ایک بین العلومی شعبہ علم کے طور پر پڑھا، سمجھا اور بعد ازاں بروئے کار لایا جائے۔ اس ضمن میں ترجمے کے میدان میں کام کرنے والے اردو محققین کو شعبۂ علم ترجمہ (Translation Studies Department) سے بھی قریبی رابطے میں رہتے ہوئے ان کے علم و آرا سے استفادہ کرنا چاہیے۔

☆ اردو پاکستان کی قومی اور رابطے کی زبان ہے، کاروبار حکومت انگریزی میں چلایا جاتا ہے جبکہ پنجابی، پشتو، سندھی، بلوچی، ہندکو، شنا، پہاڑی، گوجری وغیرہ کو علاقائی زبانوں کی حیثیت حاصل ہے۔ ان علاقائی زبانوں میں علم وادب کا بیش بہا ذخیرہ موجود ہے (نیز ثقافتی تناظر میں بھی ان کے ادب کا مطالعہ مفید ثابت) ہو سکتا ہے۔

☆ درجہ بالا زبانوں کے ادب کا تقابلی مطالعہ اور تمام اثرات کا سراغ نہ صرف قومی یکجہتی کے فروغ کا باعث بنے گا بلکہ علم وادب کی حدود میں وسعت کا سبب بن سکے گا۔

☆ مقامی زبانوں کے تقابلی مطالعات کے ساتھ ساتھ اردو زبان وادب پر گہرے اور دور رس نتائج مرتب کرنے والی عالمی زبانوں، عربی، فارسی، انگریزی اور روسی ادب کے تقابلی مطالعہ / تقابل بھی دلچسپ ہونے کے ساتھ تحقیقی نقطۂ نگاہ سے مفید اور علمی وادبی نقطۂ نظر سے کارآمد ثابت ہو سکتا ہے۔

☆ اردو زبان کے فروغ اور ارتقا میں ہر عہد میں تراجم نے کلیدی کردار ادا کیا۔ عربی، فارسی، سنسکرت، انگریزی، فرانسیسی اور روسی زبانوں کے فن پارے اور علمی جواہر ترجمے کے ذریعے اردو زبان کا حصّہ بنے جن سے اردو زبان افکار تازہ، ندرت بیان اور جدید اصناف سے بہرہ مند ہوئی لیکن جدید دور میں تراجم کی اہمیت اور افادیت میں ماضی کے مقابلے میں کئی گنا اضافہ کے باوصف جدید سہولیات سے مزین دارالتراجم کا قیام عمل میں لانے کے ساتھ ساتھ پہلے سے قائم دارالتراجم کو فعال کیا جائے۔ جدید دور میں اردو کی ترقی کا بڑا ضامن ترجمہ بن سکتا ہے۔

☆ اردو زبان میں تراجم کا معیار بلند کرنے یا معیاری تراجم کی فراہمی کے لیے مترجمین کی تربیت از حد ضروری ہے۔ ابھی تک مترجمین میں اپنی ذاتی صلاحیت و لیاقت اور ذوق کی بنا پر ہی یہ کام سرانجام دیتے آئے ہیں۔ لیکن ترجمے کے شعبے میں ہمہ گیر و ہمہ جہت ترقی کے لیے مترجمین کی تربیت وقت کا

تقاضا ہے۔ یہ کام مختلف یونیورسٹیوں کے علم ترجمہ کے شعبوں کی نگرانی میں ہونا چاہیے ۔ زیر تربیت افراد کو ترجمے کے نظری و عملی امور اور ماخذ و ہدفی زبان کے حوالے سے معلومات کی فراہمی کے ساتھ ساتھ عملی کام بھی کرایا جائے۔

☆ ترجمے کے حوالے سے معیاری رسائل و جرائد کا اجرا (دیگر زبانوں کی مانند) دنیا کی ترقی یافتہ زبانوں میں ایسے رسائل و جرائد شائع کئے جاتے ہیں جن میں صرف ترجمی کے حوالے سے مضامین و مقالات شامل ہوتے ہیں۔ ان سے اُن زبانوں میں ترجمے کی سمت و رفتار کا علم ہونے کے ساتھ ساتھ اس شعبے سے وابستہ افراد کو رہنمائی بھی ملتی ہے۔ اردو زبان میں اس نوع کا ایک معیاری جریدہ شائع نہیں ہوتا۔ جامعات اور اردو کے ترقیاتی اداروں کو اس طرف توجہ دینی چاہیے اور کم از کم قومی و عالمی معیار کا ایک جریدہ تو ایسا ہو جس میں ترجمے پر مقالات شائع ہوں۔ علم ترجمہ کو دیگر علوم کے ساتھ ساتھ رسمی تعلیم کا حصّہ بنایا جائے ۔

☆ اردو زبان میں "Poetics" کے معیاری ترجمے کی ضرورت ابھی باقی ہے، اس مقصد کے حصول کے لیے "Poetics" کی اصطلاحات کی معیار بندی کے بعد اور اردو اور انگریزی کے تمام معیاری تراجم کو پیش نظر رکھ کر "Poetics" کا ایک معیاری ترجمہ پیش کیا جائے، جو نہ صرف "Poetics" کے گزشتہ تراجم میں در آنے والی غلطیوں اور خامیوں سے پاک ہو بلکہ جس میں معیاری اصطلاحات بھی برتی جائیں۔

کتابیات

۱۔ بنیادی ماخذات

۱۔ ارسطو، کتاب الشعر، (مترجم) ڈاکٹر محمد یٰسین، انجمن ترقی اُردو، دلی، ۱۹۷۵ء

۲۔ ارسطو، بوطیقا (مترجم)، جمیل جالبی، ڈاکٹر، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، پاکستان، 1998 ء

۳۔ ارسطو، شعریات (مترجم)، شمس الرحمان فاروقی، ترقی اردو بورڈ، نئی دہلی، 1978ء

۴۔ ارسطو، فن شاعری (مترجم)، عزیز احمد، انجمن ترقی اردو، کراچی، 1974ء

۵ Aristotle, The Poetics of Aristotle, Translated by S. H. Butcher, Macmillan and Co. Limited, New York, 1902

۶ Aristotle , Aristotle's Poetics, Translated by Thomas Twining, J.M. Dent and Sons, London, 1953

۲۔ مجوزہ کتابیات

۱۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، ارسطو سے ایلیٹ تک، نیشنل بُک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، 2017ء

۲۔ خاور جمیل (مرتب)، ادب، کلچر اور مسائل، رائل بُک کمپنی، کراچی، 1986ء

۳۔ سلیم اختر، نفسیاتی تنقید، مجلس ترقی ادب، لاہور، 2006ء

۴۔ سجاد باقر رضوی، ڈاکٹر، مغرب کے تنقیدی اُصول، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، 2005ء

۵۔ سید عبد اللہ، اشارات تنقید، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، 1986ء

۶۔ عابد علی عابد، اصولِ انتقاد ادبیات، مجلس ترقی ادب، لاہور، 1966ء

۷۔ عابد علی عابد، تنقیدی مضامین، مکتبہ میری لائبریری، لاہور، 1966ء

۸۔ عبادت بریلوی، اُردو تنقید کا ارتقاء، انجمن ترقی اُردو پاکستان، کراچی، 1994ء

۹۔ قاسم یعقوب، تنقید کی شعریات، پورب اکادمی، اسلام آباد، 2014ء

۱۰۔ محمد ہادی حسن، مغربی شعریات، مجلس ترقی ادب، لاہور، 2010ء

۱۱۔ مسیح الزمان، ڈاکٹر، اُردو تنقید کی تاریخ، اتر پردیش اُردو اکادمی، لکھنؤ، 1983ء

۱۲۔ ولی کاکوروی، تنقید و ادب، مکتبہ رحمٰن، کلفٹن، کراچی، 2002ء

۱۳۔ وہاب اشرفی، مغربی و مشرقی شعریات، خدا بخش لائبریری، پٹنہ، 2010ء

14 ۔ ابو الاعجاز حفیظ صدیقی، ادبی اصطلاحات کا تعارف، اسلوب لاہور، 2015ء
15۔ ابو الاعجاز حفیظ صدیقی، کشاف تنقیدی اصطلاحات، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، 1985ء
16۔ اعجاز راہی (مرتبہ)، اردو زبان میں ترجمے کے مسائل، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، 1986ء
17۔ اعجاز راہی (مرتب)، تحقیق اور وضع اصطلاحات پر منتخب مقالات، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، 1986ء
18۔ انور جمال، ادبی اصطلاحات، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، 1998ء
19۔ انور سدید، ڈاکٹر، اردو میں وضع اصطلاحات کا عمومی جائزہ، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، 1991ء
20۔ باقر حسین، سید (مرتبہ)، ترجمے کے اصول، ترجمہ روایت اور فن، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، 1985ء
21۔ خلیق انجم (مترجم)، فن ترجمہ نگاری، انجمن ترقی اردو ہند، نئی دہلی، 1994ء
22۔ خلیل احمد بیگ، مرزا، پروفیسر، زبان، اسلوب اور اسلوبیات، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، اشاعت دوم، 2011ء
23۔ سوزن بیسنیٹ، تقابلی ادب ایک تنقیدی جائزہ (مترجم)، توحید احمد، پورب اکادمی، اسلام آباد، 2015ء
24۔ صفدر رشید (مرتب)، فن ترجمہ کاری، پورب اکادمی، اسلام آباد، 2015ء
25۔ صوبیہ سلیم، ڈاکٹر، محمد صفدر رشید (مرتبہ)، فن ترجمہ کاری، ادارہ فروغِ قومی زبان، اسلام آباد، 2012ء
26۔ عطش درانی، اردو اصطلاحات سازی، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، 1994ء
27۔ عطش درانی (مرتب)، اصطلاحی مباحث (منتخب مقالات)، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، 1998ء
28۔ قاسم یعقوب (مرتب)، اردو میں اسلوب اور اسلوبیات کے مباحث، سٹی بک پوائنٹ، کراچی، 2017ء
29۔ قمر رئیس، ڈاکٹر (مرتبہ)، ترجمہ کا فن اور روایت، سٹی بک پوائنٹ، کراچی، 2016ء
30۔ محمد ابو بکر فاروقی (مرتب)، تراجم کے مباحث، سٹی بک پوائنٹ، کراچی، 2016ء
31۔ مرزا حامد بیگ، ترجمے کا فن، کتابی دنیا، دہلی، 2005ء
32۔ مرزا حامد بیگ، مغرب سے نثری تراجم، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، 1988ء
33۔ مشاورتی کمیٹی (مرتب)، ترجمے کے فنی اور علمی مباحث، جامعہ ملیہ اسلامیہ جامعہ نگر، نئی دہلی، 2012ء
34۔ نثار احمد قریشی (مرتب)، ترجمہ روایت اور فن، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، 1985ء
35۔ ناصر عباس نیئر، ڈاکٹر، جدید اور مابعد جدید تنقید: مغربی اور اُردو تناظر میں، انجمن ترقی اُردو پاکستان، کراچی، 2013ء
36۔ وحید الدین سلیم، مولوی، وضع اصطلاحات، انجمن ترقی اردو، کراچی، 1994ء

37۔ وزیر آغا، ڈاکٹر، تنقید اور جدید اُردو تنقید، انجمن ترقی اُردو پاکستان، کراچی، 2014ء

38 Baker, Mona, and Gabriela Saldanha, Routledge encyclopedia of translation studies, Routledge, London, 2009

39. Bassenet, S., Translation Studies, Routeledge, London & New Yark, 2002

40. Lefevere, A., Translation, Rewriting and the Manipulation of Literary Fame, Routledge, London,1992

41. Venuti, L., The Translator's Invisibility, Routledge, London, 1995/2008

42. Venuti, L., Translation Changes Everything, Routledge, New Yark, 2013

غیر مطبوعہ مقالات

1- فاخرہ نورین، ادبی متن کا انگریزی سے اردو ترجمہ: فن، معیار اور مسائل (مقالہ برائے پی ایچ ڈی اُردو)، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد، 2012ء

2۔ ناصر عباس نیئر، اردو تنقید پر مغربی تنقید کے اثرات کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ (مقالہ برائے پی ایچ ڈی اُردو)، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان، 2008ء

لغات اور انسائیکلوپیڈیا

1. Abdul Haq, English Urdu Dictionary, Thired Edition, Anjum Press, karachi,

2. The Penguin Dictionary of Literary Terms and Literary Theory, By J.A Cuddon 1999

3۔ اوکسفورڈ ڈکشنری، اورینٹیل بک سوسائٹی، لاہور، 2000ء

4۔ تصدق حسین، مولوی، سید، لغات کشوری، سترہویں بار، منشی نول کشور پریس، لکھنؤ، 1947ء

5۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، قومی انگریزی اردو لغت، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، 1992ء

6۔ سید احمد دہلوی، مولوی، فرہنگ آصفیہ، طبع پنجم، اردو سائنس بورڈ، لاہور، 2006ء

7۔ فرہنگ اصطلاحات جامعہ عثمانیہ، مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد، 1991ء

8۔ قاموس الاصطلاحات، مغربی پاکستان اُردو اکیڈمی، لاہور، 1982ء

9۔ محمد عبداللہ خویشگی، فرہنگ عامرہ، طبع اوّل، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، 1989ء

۱۵۔ ضمیمہ

اصطلاحات کا گراف / جدول

ضمیمہ

اصطلاحات کا جدول

انگریزی اصطلاح	عزیز احمد	ڈاکٹر جمیل جالبی	شمس الرحمٰن فاروقی	ڈاکٹر محمد یٰسین	معیاری اصطلاح
Epic Poetry	رزمیہ شاعری	ایپک شاعری	رزمیہ شاعری	رزمیہ شاعری	رزمیہ شاعری
Tragedy	ٹریجڈی	ٹریجک شاعری	المیہ شاعری	المیہ شاعری	المیہ شاعری
Comedy	کامیڈی	کامیڈی	طربیہ	طربیہ	طربیہ
Dithyrambic Poetry	بھجن	غنائی شاعری	پرجوش شرابی کورس	بھجن	پرجوش شرابی کورس
Music of Lyre	چنگ کے راگ	لائر کی موسیقی	بربط کے نغمے		بربط کے نغمے
Mimes/ Imitation	نقل	نقل / نمائندگی	نمائندگی / ترجمانی	نقل	نمائندگی / ترجمانی
Rhythm	موزونیت	وزن	آہنگ	موزونیت	آہنگ
Harmony	نغمہ	موسیقی	سریلی آواز	ترنم	سریلی آواز
Iambs	آئمبی	آئمبس	آئمبک	آئمبی	آئمبی
Elegiacs	نوحے کی بحر	نوحہ خواں شاعر	مرثیے کی بحر	-	مرثیے کی بحر
Physicist	ماہر طبیعیات	فطری فلسفی	ماہر طبیعیات	-	فطری فلسفی
Poem of satirical kind	ہجویں	طنزیے	طنزیات	ہجویں	ہجویں
Cyclopes	کالے بھوت	سائکلوپس	سائکلوپ	دیویک چشم	دیویک چشم
Narrative	بیانیہ	بیانیہ	بیانیہ	بیانیہ	بیانیہ
Phallic songs	شہوانی گیت	فیلک گیت	عضو تناسل کی توصیف و تمجید میں گائے جانے والے گیت	فحش اور شہوانی گیت	شہوانی گیت
Hexameter	مسدس الارکان بحر	ہیکسامیٹر	مسدس الارکان بحر	خاص بحر	مسدس الارکان بحر

Masks	مضحکہ خیز چہرہ	مسخرے کا مصنوعی چہرہ	نقلی چہرہ	-	نقلی چہرہ
Art of stage Mechanist	ناظم	اسٹیج کا منعظم	اسٹیج کاری	-	اسٹیج کاری
Embellished Language	مزین زبان	فنی صنائع سے معمور زبان	صنائع بدائع سے مزین زبان	اعلیٰ زبان	صنائع بدائع سے مزین زبان
Pity	دردمندی	ترس	دردمندی	رحم	دردمندی
Fear	دہشت	خوف	خوف	خوف	خوف
Catharsis	صحت اور اصلاح	تزکیہ	تنقیہ	تزکیہ	تنقیہ
Oracle	الہام ربانی	ہاتف غیبی	ملوک الکلام	-	ملوک الکلام
Plot	روئداد	پلاٹ	پلاٹ	پلاٹ	پلاٹ
Character	اطوار	کردار	کردار	کردار	کردار
Diction	زبان	زبان وبیان	کلمہ بندی	زبان وادب	کلمہ بندی
Thought	تاثرات	خیال	فکر	تاثرات	فکر
Spectacle	آرائش	تماشا	سینری	آرائش	آرائش
Song	موسیقی	موسیقی	گیت	نغمہ	گیت
Dramatic Speeches	تقریریں	ڈرمے کی تقریریں	ڈرامائی تقریریں	مکالمے	ڈرامائی تقریریں
Peripeteia	گردش	تنسیخ	تقلیب	انقلاب/کایا پلٹ	تقلیب
Recognition	دریافت	انکشاف	دریافت	انکشاف	دریافت
Pathos	حادثہ	مصیبت یاد کھ	دردناک منظر/ دردناکی	حادثہ	دردناک منظر/ دردناکی
Necessary	لازمی/ ضروری	یقینی	لازمی	یقینی	لازمی
Probable	قرین قیاس	قرین قیاس	قرین قیاس	قرین قیاس واقعات	قرین قیاس

Universal	عام حقیقت	آفاقی صداقتیں	آفاقی	عام حقائق	آفاقی
Particular	خاص حقیقت	مخصوص واقعات	مخصوص حقائق	جزئیات	مخصوص حقائق
Episodic Plot	قصّہ در قصّہ روائداد	قصّہ در قصّہ پلاٹ	قصّہ در قصّہ پلاٹ	قصّہ در قصّہ پلاٹ	قصّہ در قصّہ پلاٹ
Simple Plot	سادہ پلاٹ	سادہ پلاٹ	سادہ پلاٹ	سادہ پلاٹ	سادہ پلاٹ
Complex Plot	پیچیدہ پلاٹ	پیچیدہ پلاٹ	پیچیدہ پلاٹ	پیچیدہ پلاٹ	پیچیدہ پلاٹ
Prologue	پرولوگ	پرولوگ	آغازیہ	افتتاحیہ حصّہ	آغازیہ
Episode	اے پی سوڈ	اپی سوڈ	منظر جو دو گیتوں کے درمیان ہو	دو گیتوں کے درمیان کا حصّہ	اپی سوڈ
Exodus	اکسوڈ	ایکسوڈ	بے گیت منظر	اکسوڈ	بے گیت منظر
Chorus	کورس	کورس گیت	کورس گانا	سنگت / کورس	کورس گانا
Stasimon	پیروڈ	پیروڈ	سنگت کا پہلا کلام	-	سنگت کا پہلا کلام
	اسٹاسی مون		مخصوص گیت	-	مخصوص گیت
Hamartia	غلطی	غلطی	المیاتی عیب	عظیم السان انسانی لغزش	عظیم السان انسانی لغزش
Deus ex-Machine	مداخلت غیبی	مشین کا دیوتا	مشینی لطیفہ غیبی	-	مشینی لطیفہ غیبی
Suitor	مدعی	بیوی کے چاہنے والے	مدعی	بیوی کے نام نہاد عاشق	مدعی
Complication	الجھاؤ	پیچیدگی	پیچ	پیچیدگی	الجھاؤ
Denouement	الجھاؤ/ حل	انجام	سرانجام	حل	سرانجام
Complex Tragedy	پیچیدہ ٹریجڈی		پیچیدہ المیہ	پیچیدہ المیہ	پیچیدہ المیہ
Pathetic Tragedy	المناک ٹریجڈی		دردناک المیہ	دردناک المیہ	دردناک المیہ
Ethical Tragedy	اخلاقی ٹریجڈی		اخلاقی المیہ	اخلاقی المیہ	اخلاقی المیہ

Simple Tragedy	سادہ ٹریجڈی		سادہ المیہ	المناک المیہ	سادہ المیہ
Hades	جہنم	جہنم	تحت الثریٰ	جہنم کی مناظر	تحت الثریٰ
Rhetoric	علم البلاغت		فنِ خطابت	علم فصاحت	فنِ خطابت
Current word	عام لفظ	-	مروج لفظ	مستعمل لفظ	مروج لفظ
Strange word	اجنبی لفظ	-	دخیل لفظ	اجنبی لفظ	دخیل لفظ
Metaphorical word	تشبیہی لفظ	-	استعاراتی لفظ	تشبیہی لفظ	استعاراتی لفظ
Ornamental word	آرائشی لفظ	-	تزئینی لفظ	آرائشی لفظ	تزئینی لفظ
Newly Coined word	جدید لفظ	-	گھڑا ہوا لفظ	جدید لفظ	گھڑا ہوا لفظ
Altered word	تبدیل شدہ لفظ	-	مبدل لفظ	تبدیل شدہ لفظ	مبدل لفظ
Lengthoened word	توسیع یافتہ لفظ	-	مطول لفظ	توسیع یافتہ لفظ	مطول لفظ
Contracted word	مختلف لفظ	-	مخفف لفظ	مخفف لفظ	مخفف لفظ
Heroic Poems	رجزیہ نظمیں	ہیرواک نظمیں	ہیروئی نظم	رزمیہ بحر	ہیروئی نظم
Dramatic Speeches	مکالمہ	ڈرامے کی تقریریں	ڈرامائی تقریریں	مکالمے	ڈرامائی تقریریں
Middle	آغاز	وسط	وسط	درمیان	وسط
End	انجام	خاتمہ	انجام	انجام	انجام
Tragic Effect		ٹریجک اثر	المیاتی تاثر		المیاتی تاثر
Narration	بیان کی شکل میں	افسانے کی شکل میں	بیانیہ ہئیت	بیان کی ذریعے نقل	بیانیہ ہئیت
In the form of action		عمل کی شکل میں	عملیہ ہئیت		عملیہ ہئیت

Archon	ناظم	-	مجسٹریٹ	شہری حکام	مجسٹریٹ
Unity of Plot	وحدت عمل	پلاٹ کا اتحاد	پلاٹ کی وحدت	پلاٹ کی وحدت	پلاٹ کی وحدت
Clear Style	قابل فہم	صاف اسلوب	واضح اسلوب	سلیس اسلوب	صاف اسلوب
Mean Style	سوقیانہ پن	پامال وعامیانہ	پیش پا افتادہ	ابتذال	پیش پا افتاد
Hymns of Gods	حمد	حمد	دیوتاؤں کی حمد	حمد	حمد
	قصیدے	مشہور لوگوں کی مدح	قصائد		قصائد
Poetics	فنِ شاعری	بوطیقا	شعریات	کتاب الشعر	شعریات